تب و تابِ جاودانہ

جہاد کی تاریخ، حکمتیں اور احکامات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روح پرور حکایات، برِصغیر میں جہادِ آزادی اور اس کے ایمان افروز مستند واقعات، بیش بہا جہادوں اور شہادت پر مرتب ہونے والے انعامات پر مشتمل قرآن و حدیث اور مستند کتب تاریخ و فقہ کے حوالے سے ایک حسین مرقع۔

مولانا محمد سعید خان

ادارہ مطبوعاتِ اسلامیہ

بی-۲- گیلانی مارکیٹ ○ پرانا قلعہ راولپنڈی

www.ahnafmedia.com

نام کتاب ——— تب و تاب جاودانہ

موضوع ——— جہاد فی سبیل اللہ

مصنف ——— مولانا محمد سعید خان

تزئین و آرائش ——— محمد اسلم چیمہ

طباعت ——— اسد محمود پرنٹرز گوالمنڈی راولپنڈی

صفحات ——— 424

تعداد ——— 1000

بار دوم ——— محرم الحرام ۱۴۱۳ ہجری
مطابق جولائی ۱۹۹۲ء

قیمت ——— ۹۶ روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے

جو

بے حد مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہے۔

www.ahnafmedia.com

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا۔

1- ایک شخص بہادری کے جوہر دکھانے کیلئے لڑتا ہے۔

2- ایک شخص اپنی قومی غیرت کی وجہ سے لڑتا ہے۔

3- ایک شخص لوگوں کو دکھانے کیلئے لڑتا ہے۔

تو ان میں سے کون سی لڑائی ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہے؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد تو صرف اس انسان کا ہے جو محض اللہ تعالیٰ کے دین کے غلبے کیلئے جہاد کرے۔

(بخاری، مسلم، ترمذی)

فہرست عناوین

"تب و تاب جاودانہ"

"مگر بھی دو اس دین کو غالب سبھی ادیان پر"	11
الف آغاز	13

باب اول
جہاد فی سبیل اللہ 19 — 100

جہاد کی تاریخ	19
جہاد کا آغاز	22
جہاد کے لغوی معنی	25
جہاد کے شرعی معنی	26
جنگ اور جہاد میں فرق	27
مال غنیمت	29
ریاکاری	29
قومیت کی بنیاد پر جہاد	31
منافق کا جہاد بھی قابل قبول نہیں	31
جہاد اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے	32
جہاد کی اجازت اور حکم	33
جہاد کی حکمتیں	38
کفر سے نفرت	46
غلبہ حق	52
جزیہ ادا کر دیں	58
غلاموں اور باندیوں کا مسئلہ	62
امان طلب کرنا	72
جہاد کے عمومی اور خصوصی منافع	75
منفعت عامہ	75
ہندوستان اور آزاد اسلامی ممالک کا مقابلہ	75
منفعت مخصوص مجاہدین	76
اصحاب باطن	76
علماء کرام	76
عوام صلحاء	76
عوام مومنین	77
فساق	77
منافقین	77
ذمی کفار	78
اہل حرب	78
کافروں کی اولاد	78
جہاد کی مثال بارش کی سی ہے	78
جہاد کس کے خلاف ہو	79
کفار	79
منافقین	80
اقدامی جہاد	82
دفاعی جہاد	85
جہاد قوت کے ساتھ	86

www.ahnafmedia.com

جہاد زبان سے 91
جہاد بالنفس 94
شہید کیلئے انعامات 97
مرتبہ شہادت 99

باب دوم
101 / 136

شہادت مقصودِ مومن

آخرت کے ساتھی 101
اللہ کے حضور جان کا نذرانہ 107
مجاہد کی قسم 110
بہترین سودا 112
جذبہ جاں نثاری 114
شوق شہادت 117
قبلہ رو شہید 121
سعادت ۔ دو میں سے ایک 130

باب سوم
137 / 156

حق و باطل کی پہلی رزم گاہ (غزوہ بدر)

عاتکہ بنت عبدالمطلب کا خواب 137
ابوسفیان کا تجارتی قافلہ 141
جہم بن الصلت کا خواب 143
معرکہ بدر اور صحابہ کرامؓ کی جاں نثاری 144
اسود بن مطلب کا نوحہ 149
معرکہ بدر کا فیصلہ 151
ایک اہم سبق 154

باب چہارم
157 / 221

حق و باطل کی دوسری رزم گاہ (غزوہ احد)

مسلمانوں کے خلاف انتقامی کارروائیوں کا آغاز 157
ابو عزہ کا رسول ﷺ سے عہد و پیمان 158
حضرت عباسؓ کا خط 160
انصارؓ کی جاں نثاری 161
قبرا کھیڑنے کا منصوبہ 162
میدان جنگ کا انتخاب 164
رسول اللہ ﷺ کا خواب 165
حضرت حمزہؓ کی قسم 165
رسالت مآب علیہ السلام فوجی لباس میں 166
آہنی عزم 167
تقریب علم برداری 167
ہم کافروں سے مدد نہیں لیتے 168
دو ننھے مجاہد 169
منافقین کا طرز عمل 170
صف بندی 171

غیر معمولی ذہانت 173
کفار مکہ کی صف بندی 174
دونوں فوجوں کا تقابل 175
آغاز جنگ 177
تلوار کا حق 180
تلوار کا احترام 183
شہید جسے فرشتوں نے غسل دیا 184
حضرت حمزہؓ کی شہادت 185
کم محنت زیادہ اجرت 187
معذوری اور شوق شہادت 188
دشمن کی پسپائی 189
تیرانداز اور خالد کا حملہ 190
پلٹو 192
شیطان کی آواز 193
فوری فیصلہ اور بے مثال شجاعت 193
جاں نثار 195
یہ نصیب!! اللہ اکبر 195
حضرت طلحہؓ 196
حضرت سعدؓ 198
رسول ﷺ دشمنوں کے درمیان 198
طلحہ نے جنت پکی کر لی 201
اللہ کے بندو میری طرف 201
بے مثال ایثار و قربانی 201
جہنم کی آگ حرام ہو گئی 202
جنگ کا نیا انداز 203
حضرت طلحہؓ کی تیراندازی 204
موت پر بیعت 205
حسن و جمال میں اضافہ 205
جھنڈے کی حفاظت 206
غلط افواہ 208
اللہ کا دین ہم تک پہنچا چکے 209
جنت کی خوشبو آتی ہے 209
ایک بشارت 210
شہید وفا شانہ ظلم و ستم 211
مقام ناز 212
ولپسپ مکالمہ 213
مشرکین کی پسپائی اور مبارک تیر 215
جوان حوصلے 216
ذہانت کی ایک عمدہ مثال 217
سب کو تہہ تیغ کیوں نہیں کر دیا 218
زخم جو اللہ کیلئے کھائے گئے 221

جہاد بر صغیر میں

باب پنجم
223 / 314

برصغیر پاک و ہند میں جہاد کی پہلی تحریک

طریق حیات 225
اسلام اور ارباب حل و عقد 226
اسلام کی ناؤ دوبارہ گرداب میں 228
شاہ عبدالعزیز صاحب کا تاریخی فتویٰ 230
سید احمد شہیدؒ 232

www.ahnafmedia.com

دو مبارک خواب	234
ورزش اور مجاہدات	237
شاہ عبدالعزیز صاحب کا جذبہ جہاد	238
سید احمد فوجی لباس میں	238
فقیری اور درویشی	239
معیار انتخاب	239
مسلمان افغان زادیاں	240
جہاد کیلئے ترتیب و تنظیم	241
دو ہدف	242
جہاد کیلئے اطلاع نامہ	244
رائے بریلی سے روانگی	244
رنجیت سنگھ کے نام خط	245
اکوڑہ خٹک پر شب خون	245
شوق شہادت	246
لڑائی کی شدت	247
کامیابی اور شہداء	248
پہلا چھاپہ جو کامیاب رہا	248
حضرو کا چھاپہ	248
سید احمد ..... امیرالمومنین کے عنوان سے	250
نظام خلافت کیوں ضروری ہے؟	254
متحدہ ریاست کی تشکیل	257
معرکہ شیدو	257
غداری ایک ناسور	258
امیرالمومنین کو زہر دے دیا گیا	259
غداری کا جھنڈا	260
مہاراجہ رنجیت سنگھ کی خوشی	261
تبلیغ دین و تحریک کے مختلف مراکز	261
نظام خلافت کی برکات و ثمرات	262
معرکہ پھلڑہ	263
تلوار کا دھنی	264
سفارت کی ناکامی	266
جنرل وینٹورا کی آمد	266
موت پر بیعت	267
تعلیمات نبویؐ	28
جنرل وینٹورا کی پسپائی	268
مذاکرات	269
گھوڑا یا گدھا	270
ایک معرکہ منافقین کے ساتھ بھی	271
تصحیح نیت	272
تعمیر کردار	274
مذہبی جنگ	275
آغاز جنگ	276
توپ خانہ پر قبضہ	277
صالح اور متقی مجاہد	277
امیرالمومنین جنگ کے نگران	278
مقدس گرد و غبار	279
پشاور کی فتح	280
اسلامی قانون کا نفاذ	282
کس کس کی مہر ہے	284
علماء سو	285
دنیادار علماء و مشائخ	286
بالاکوٹ کی جغرافیائی حدود	297
معرکہ بالاکوٹ	298

بالاکوٹ کے شہداء یہ نفوس قدسیہ کیا تھے۔	308
شہید بالاکوٹ کا مقام اور پیغام	309

باب ششم — 315 / 37

جہاد آزادی

جہاد آزادی	315
بنگال میں تحریک جہاد	316
تیرھویں صدی کا مجدد	317
جہاد کی ایک صورت	318
نفرت کا ایک ہی مرکز	320
ایک اہم فریضہ	321
برصغیر کی بربادی	322
سکھوں کے ساتھ ظلم	325
اسلام پر اعتراضات	325
جہاد پر اعتراضات	326
ظلم اور انصاف	326
عقل کا فتویٰ	327
انگریزی تعلیم و تہذیب	327
جنہیں خریدا گیا	328
مسلمان ستم کا نشانہ	329
تاریخ برصغیر ایک نظر میں	330
چربی اور کارتوس	331
جہاد کا آغاز	332
مالی امداد کیلئے اپیل	332
قربانی سے گریز کا انجام	333
خلقت خدائی	333
تھانہ بھون، شاملی، سہارنپور	334
جہاد کیلئے مجلس مشاورت	334
تقسیم کار	335
انگریزی توپ خانہ جس کے مالک مجاہدین بنے	336
شاملی کا معرکہ	337
حضرت حافظ ضامنؒ کی شہادت	338
روہیل کھنڈ کے نواب خان بہادر خان	339
کنور سنگھ کی ایک قابل تعریف مثال	341
سپہ سالاروں میں تبدیلی	342
مولانا سرفراز علی صاحب	343
ایسی چنگاری بھی یارب	343
سید احمد شہید اور جنرل بخت خان کا باہمی تعلق	344
جنرل بخت خان کی ژرف نگاہی	345
تین محاذ	345
ایک افواہ	345
پسپائی یا پیش قدمی	347
غداری ایک پرانا ناسور	348
اقداری کا سودا	349
شاہ ہند بہادر شاہ ظفر قلعہ چھوڑتے ہیں	349
جام صحت ملکہ وکٹوریہ کے نام	351
جنرل بخت خان کا انجام	351
انتقام کی بھیانک داستان	353

www.ahnafmedia.com

بیٹے باپ کے سامنے سرخرو 353
مسلمان ہونا ایک جرم بن گیا تھا 354
جانوروں پہ ظلم 355
جامع مسجد دہلی 355
اکبری مسجد سید احمد شہیدؒ کی تربیت گاہ 356
علماء کرام سے انتقام 358
شرافت وانسانیت اپنا منہ چھپاتی ہے 359
عصمت کا تحفظ 360
مسلمانوں کی بربادی اور ہندوؤں کی خوشنصیبی 362
مغلوں کے زوال کے اسباب 364

باب ہفتم 372

زمانہ جنگ کی دعائیں اور دعا سے متعلق کچھ حقائق

زمانہ جنگ کی دعائیں 372
سب سے افضل درود شریف 373
درود شریف کے کلمات 375
حضرت علیؓ رسول اللہ ﷺ پر کیسے درود بھیجتے تھے 377
اسماء حسنیٰ 379
اسم اعظم 381
قرآن کریم کی آیات اور دعائیں 383
سورۃ البقرہ کی آخری دو آیات 383
سورۃ المومنون کی آخری آیات 387
حضرت طالوتؑ کی دعاء 388
صحابہ کرامؓ کی دعا 388
کفار کے خلاف حضرت نوحؑ کی بددعا 390
حضرت موسیٰؑ کی بددعا 391
رسول اللہ ﷺ کی دعائیں 392
لشکر کو رخصت کرنے کی دعا 392
سفر پر جانے اور لوٹنے کی دعا 393
غزوہ خندق کی دعا 395
خطرے کے وقت کی دعا 395
تفکرات اور پریشانی کے وقت کی دعائیں 396
کسی کے ظلم سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کی دعا 400
دشمن سے مقابلے کے وقت کی دعا 402
بدر کے دن کی دعا 402
اختتام عنوان 402
صلحائے امت کی مجرب آیات کریمہ 404
آیات حفاظت 404
آیات سکینت 406
وہ دعا جو محمد بن قاسمؒ کو تلقین کی گئی 408
دوانعام 412
صلاۃ استخارہ 413
صلاۃ الحاجۃ 422

"کر بھی دو اس دین کو غالب سبھی ادیان پر"

آصف حسین آصفؔ

حرص اور دولت کے ہر سو رنگ بکھرائے ہوئے
وقت کے دجال سارے جوش میں آئے ہوئے
اور مسلمان ہر قدم پر ٹھوکریں کھائے ہوئے
سرنگوں ہو کر کھڑے ہیں ہاتھ پھیلائے ہوئے

باادب غیروں کے آگے جب سے وہ رہنے لگے
بحر کی موجوں میں تنکے کی طرح بہنے لگے

خون سے ہولی ہمارے کھیلتے کفار ہیں
پھر بھی اپنی آنکھ میں جچتے وہی سرکار ہیں
جنس کے، ہم نفس کے، ہم روح کے بیمار ہیں
ہم خود اپنے راستے کی آپ ہی دیوار ہیں

طوق ظلمت کے خود اپنے ہاتھ نے پہنا دیئے
اور نئی تہذیب نے جو چاند تھے گہنا دیئے

خون میں بھی موجزن اب جوش قربانی نہیں
زندگی کے بحر میں بھی کوئی طغیانی نہیں
سچ ہے آباء کے جو نقشِ پا حسیں وہ فانی نہیں
وقت کی دہلیز پر ان کا کوئی ثانی نہیں

وہ محقق وہ مفسر وہ سپہ سالار تھے
کفر کے مرد مقابل آہنی دیوار تھے

www.ahnafmedia.com

حیدر کرارؓ کی تلوار زنگ آلودہ ہے
بات کافر کے لہو کی اِن کے ہاں بیہودہ ہے
وہ نظامِ زندگی کہتے ہو اب فرسودہ ہے
کیا پنپنے کا یہی رستہ ہے جو موجودہ ہے
چھوڑ دو یہ مغربی تہذیب کے رستے تمام
مشرقی اقدار میں پیدا کرو اپنا مقام
کفر اور اسلام کو یکجا نہ ہونے دو کبھی
بیج اپنے دل میں شر کا تم نہ بونے دو کبھی
تیغِ زنگ آلودہ کو خوں سے بھگونے دو کبھی
معرکہ اِک حق وباطل میں بھی ہونے دو کبھی
موڑ دو رخ اپنی جانب گردشِ ایام کا
تھام لو بڑھ کر زمانے میں علم اسلام کا
سربکف ہو جاؤ تم اور کھیل جاؤ جان پر
کٹ مرو اسلام کی حرمت پہ اس کی آن پر
خون سے تفسیر لکھ دو آیت قرآن پر
کر بھی دو اس دین کو غالب سبھی ادیان پر
ذرہ ذرہ اس زمیں کا نور برسانے لگے
سورت اخلاص کی ہر سو صدا آنے لگے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف آغاز

الحمد للہ وحدہ والصلوۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ اما بعد۔

پیش نظر کتاب "تب وتاب جاودانہ" اب جبکہ اشاعت کے مرحلے کو طے کرنے کے لئے تیار ہے، مصنف کا دل اور قلم اللہ تعالیٰ کے حضور سربسجود اور حمد خواں ہیں کہ محض اس ذات باری تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ موقع دیکھنے میں آیا۔

کتاب بنیادی طور پر جہاد کے موضوع پر لکھی گئی ہے اور اس مقدس موضوع کا حق کہاں تک ادا ہو پایا ہے اس کا فیصلہ منصف مزاج قارئین ہی کر سکتے ہیں۔ پہلے باب میں جہاد کی شرعی حیثیت پر بحث کی گئی ہے اور اس ضمن میں اٹھنے والے اعتراضات کا عقلی اور نقلی جواب دیا گیا ہے۔ ہمارے اس دور میں ایک مجموعی فضا ایسی بن گئی ہے کہ ہر چیز کو عقل پر پرکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ رجحان کسی حد تک درست بھی ہے مگر عقل کو من مانے فیصلے کرنے کی اجازت دے دینا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ اسی خطرے سے آگاہ کرنے کے لئے علامہ اقبال مرحوم نے یہ کہا تھا۔

؎ گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغ راہ ہے منزل نہیں ہے

غلاموں اور باندیوں کا مسئلہ، جزیہ کی ادائیگی اور دیگر اہم اسلامی قوانین حتیٰ کہ جہاد کی ضرورت پر بھی عقلاً اعتراضات اٹھتے ہیں۔ اس لئے ان مسائل کو عقلی انداز سے بھی سمجھایا گیا ہے تاکہ عقل کا بیمار اس دوا سے شفا پا سکے۔

www.ahnafmedia.com

دوسرے باب میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ان بیش بہا قربانیوں کا ذکر کیا گیا ہے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں اس کے دین کی سربلندی کے لئے دی تھیں۔ وہ مقدس ہستیاں جو حق کا معیار تھیں بلا استثناء سب کی سب اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشی کو حاصل کر چکی تھیں جو امت اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک سنہری واسطہ ہیں اور جس پاکیزہ جماعت کا ہر ہر فرد تنقید سے مبرا ہے اس قدسی صفت جماعت کے چند افراد کے کارنامے ذکر کئے گئے ہیں تاکہ ان سے ربط پیدا ہو سکے اور ایمانیات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اہمیت کا احساس ہو سکے۔

تیسرا باب جو غزوہ بدر کے اہم واقعات پر مشتمل ہے دراصل چوتھے باب کی تمہید تھی اسے مستقل عنوان دینے کا خیال نہ تھا مگر چند ناگزیر وجوہ سے ایسا کرنا پڑا۔ قومیت کے پرستاروں اور پرچار کرنے والوں کو اس سے سبق سیکھنا چاہئے۔

چوتھا باب غزوہ احد کے واقعات پر مشتمل ہے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جس قدر بے پناہ محبت تھی اس کے روح پرور مناظر یہاں نظر آتے ہیں۔

برصغیر پاک و ہند پر حضرت اقدس شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کے ان گنت احسانات ہیں۔ آں مخدوم اور ان کا جسمانی و روحانی خاندان گوناگوں صفات سے مالا مال تھا۔ شریعت کے اسرار و حکم کو بیان کرنے میں وہ اپنے دور کے عزّ الدین بن عبدالسلام، ابن خلدون اور امام رازی تھے۔ حالات زمانہ پر ان کی گہری نظر تھی۔ غیر ملکی اقتدار اور مغلوں کی بے راہ روی انہیں بری طرح کھٹکتی تھی ان کا وہ پیغام جو خواص کی زبان میں تھا، ان کے عالی قدر

صاحب زادے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دھلوی رحمتہ اللہ علیہ نے اس پیغام حریت کو عام زبان میں ڈھال کر عوامی حلقوں اور رعایا کی سطح پر پہنچا دیا اور پھر اس حریت کے پیغام کو اس بطل جلیل نے عملی جامہ پہنایا جس کا تذکرہ آپ کو پانچویں باب میں ملے گا۔ نابغہ روزگار اور عہد آفریں شخصیت یعنی حضرت اقدس امیر المومنین سید احمد شہید نور اللہ مرقدہ، وہ جن کا ہاتھ زمانے کے نبض پر تھا اور جن کے قافلے نے قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی یاد تازہ کر دی تھی جن کی روح مبارکہ کو مخاطب کر کے اب بھی علامہ اقبال کے دو اشعار پیش کرنے کو جی چاہتا ہے۔

ع کیا نہیں اور غزنوی کارگہ حیات میں
بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہل حرم کے سومنات
قافلہ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں
گرچہ ہے تاب دار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات

انہی کی بھڑکائی ہوئی جہاد کی آگ تھی جس نے ڈیڑھ صدی سے زیادہ مسلمانوں کے خون کو گرم رکھا اور انہی کا فیض تھا جو 1857ء کی جنگ آزادی میں ظہور پذیر ہوا اور اسی کا تذکرہ اس کتاب کے چھٹے باب میں ہے۔ انگریز نے اپنا منحوس قدم جس دن سے برصغیر میں رکھا تھا وہ اس دن سے یہ کوشش کر رہا تھا کہ کسی طرح مسلمانوں میں جذبہ جہاد کو ختم کر سکے۔ اس "پیچیدہ" مسئلے کے حل کے لئے اس نے جہاں بہت سے سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کو خریدا، انہیں القابات سے نوازا وہاں اس نے مذہبی رہنماؤں کو بھی خریدا اور اس باب کی سب سے زیادہ شنیع و قبیح حرکت اس نے یہ کی کہ ایک "خود کاشتہ پودا" وجود میں آیا جس نے پہلے مجدد ہونے کا دعویٰ کیا، پھر مہدی ہونے کا پھر حضرت عیسیٰ

www.ahnafmedia.com

علیہ السلام ہونے کا اور بالآخر نبوت کا دعویٰ کر کے اپنے کفر پر آخری مہر لگادی۔
اس نے جہاں دیگر بہت سی "خدمات" حکومت برطانیہ کے لئے انجام دیں ایک "خدمت" یہ بھی کی کہ جہاد کو حرام قرار دیا۔ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو جہاد سے کس قدر نفرت تھی اور وہ اسے مسلمانوں کے لئے کتنا مضر سمجھتے تھے اس کا اندازہ ان کے ان جملوں سے ہوتا ہے جو ان کی مشہور زمانہ کتاب "تریاق القلوب" میں درج ہیں۔

> میری عمر کا اکثر حصہ اس سلطنت انگریزی کی تائید و حمایت میں گزرا ہے اور میں نے ممانعت جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں کہ اگر وہ اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں۔

تبلیغ رسالت میں لکھتے ہیں۔

> میں نے بیسیوں کتابیں عربی، فارسی اور اردو میں اس غرض سے تالیف کی ہیں کہ اس گورنمنٹ محسنہ سے ہرگز جہاد درست نہیں بلکہ سچے دل سے اطاعت کرنا ہر ایک مسلمان کا فرض ہے۔

صاف ظاہر ہے کہ جو انسان انگریز حکومت کی اطاعت سچے دل سے فرض قرار دے رہا ہو وہ جہاد کو کیوں ضروری سمجھے گا۔

ایک اور مقام پر تو انہوں نے بالکل دوٹوک الفاظ میں یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ ان کے ماننے والے یعنی مرزائی جہاد کا انکار کریں۔ تبلیغ رسالت میں لکھتے ہیں۔

> میں یقین رکھتا ہوں کہ جیسے جیسے میرے مرید بڑھیں گے ویسے ویسے مسئلہ جہاد کے معتقد کم ہو جائیں گے کیونکہ مجھے مسیح اور مہدی مان لینا ہی مسئلہ جہاد کا انکار کرنا ہے۔

جہاد جسے اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا اور اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام حیات طیبہ میں اس کے لئے کوشاں رہے اس کا انکار کرنا کفر نہیں تو اور کیا ہے وہ انسان جو اسلام ہی کے دائرے میں نہ ہو بھلا مسلمانوں کا خیر خواہ

کیسے ہو سکتا تھا؟ پھر اس نے اپنے ماننے والوں کو بھی یہی تلقین کی ہے کہ جو بھی اسے سچا مسیح یا مہدی یا نبی مانے گا وہ جہاد کا انکار کرے گا۔

انگریزوں کا یہ ایک شاخسانہ ہوتا تو کیا کم تھا اس نے تو اور بھی بہت سے رہنماؤں کو خریدا تھا جنہوں نے جہاد کے حرام ہونے کا فتویٰ دیا تھا۔ تصریح کیا کی جائے کہ [1]

عر اس میں کچھ پردہ نشینوں کے بھی نام آتے ہیں

کتاب کا آخری باب دعاؤں کے اس خزانے پر مشتمل ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے ہمیں نصیب ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمتیں نازل ہوں اس ذات مبارکہ پر جو ایسی جلیل القدر نعمت کا وسیلہ اور واسطہ بنی۔

ناسپاسی ہوگی اگر ان حضرات کا شکریہ ادا نہ کیا جائے جو اس کتاب کے لکھنے سے لے کر چھپنے تک ہر ہر مرحلے میں راقم السطور کے معاون ثابت ہوئے اللہ تعالیٰ ان تمام دوستوں کو جزائے خیر دے اور اپنی رضا اور فضل سے نوازے۔
قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اس کتاب کو علمی سیر کے طور پر مت پڑھیں بلکہ اس جہاد کی روح کو اپنانے کی کوشش کریں جو مصنف نے اس کتاب میں تحریر کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگر اس کتاب نے ایک آدمی میں بھی جذبہ جہاد کو بیدار کر دیا تو مصنف یہ سمجھتا ہے کہ اس کی تمام تر محنت ٹھکانے لگی۔
آخر پر (نہ کہ آخری بار) پھر اللہ تعالیٰ ہی کے لئے حمد و ثناء ہے اور یہ دعا ہے کہ جس مقصد کے لئے یہ کتاب لکھی گئی ہے اللہ تعالیٰ اس مقصد کو اجاگر فرمادے

---

[1] اس مقصد کے لیے "رسائل اہل حدیث" جلد اول میں مولوی محمد حسین بٹالوی کا رسالہ "الاقتصاد" ملاحظہ ہو۔

www.ahnafmedia.com

کتاب اور اس کے راقم دونوں کو شرف قبولیت بخشے اور صلوٰۃ وسلام ہو اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جن کے توسل سے نیکی کا ہر باب وا کیا گیا اور حصول رضا کی تمام شکلیں آسان کی گئیں۔

محمد سعید خان

7 ذوالحجتہ 1410 ھجری

مطابق

یکم جولائی 1990ء

بروز یک شنبہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اوّل

جہاد فی سبیل اللہ

جہاد کی تاریخ

اللہ تعالیٰ نے انسانیت کو راہ راست دکھانے کیلئے انبیاء علیہم السلام کے عظیم الشان سلسلے کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا اور اس کی انتہا رسالت مآب حضرت محمد ﷺ پر ہوئی۔ کرۂ ارض ہر قسم کے لوگوں سے آباد رہا۔ نیکی، تقویٰ وطہارت اور سچائی کی راہیں بھی استوار کی گئیں اور اس کے بالمقابل برائی، سرکشی اور اللہ تعالیٰ کے احکامات سے بغاوت کے مظاہرے بھی کئے گئے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے دور تک پہنچتے پہنچتے یہ تمام جرائم انسانیت کی جڑوں کو کھوکھلا کر چکے تھے۔ انسانیت عالم طفولیت میں تھی۔ کفر اور اسلام ایک دوسرے کے مدِمقابل تھے۔ مگر کفر کو سزا دینے کیلئے اللہ تعالیٰ نے خود فرشتوں کے ذریعے گرفت کرنے کا فیصلہ فرمالیا۔ اور حکمت الٰہیہ یہ رہی کہ مسلمانوں کو کافروں سے ٹکر لینے کا حکم نہ دیا جائے۔ یعنی جہاد کی اجازت یا حکم دینے کی بجائے پانی کی

www.ahnafmedia.com

صورت میں عذاب نازل کرنے کا فیصلہ کر دیا گیا۔ قوم نوح علیہ السلام کی جگہ "عاد" نے اس عالم رنگ و بو کو بسایا' کفر اور آخرت میں جوابدھی کا انکار' دونوں جرائم جن میں ان کی پیش رو قوم نوح ملوث تھی یہاں بھی پوری شدّت سے ان کا ارتکاب کیا گیا اور پھر بالآخر وہ عذاب ان پر مسلط کر دیا گیا جو خود ان کے اپنے اعمال کا نتیجہ تھا۔

"قوم عاد" کے بعد دنیا میں "قوم ثمود" آئی۔ حضرت صالح علیہ السلام کو اس کی ہدایت کیلئے مبعوث فرمایا گیا۔ یہ قوم بھی اپنی پیش رو اقوام کی طرح شرک کے مہلک مرض میں مبتلا تھی اور پھر انہوں نے بھی وہی حرکتیں کرنا شروع کر دیں جو ان سے پہلے کے نافرمان اس دنیا میں کر چکے تھے۔ کوئی بھی قوم جب اپنے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی تکذیب اور سرکشی کی روش اختیار کر لیتی ہے تب بربادی اور عذاب الٰہی اس کا مقدر بن جایا کرتی ہے۔

قوم ثمود کا کفر جب اپنی حد سے بڑھنے لگا تو اپنی تباہی کے سامان خود پیدا کر گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان نافرمانوں کو بھی بجائے مسلمانوں کے ہاتھوں سے عذاب دینے کے خود گرفت کا فیصلہ فرما لیا اور بالآخر ایک شدید دھماکے نے ان کا نام و نشان ایسے مٹا دیا گویا کہ وہ کبھی اس دنیا میں آباد ہوئے ہی نہ تھے۔

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم نے جرائم کی فہرست میں ایک اور جرم کا اضافہ کر دیا اور وہ فحاشی اور عریانی کی ان راہوں سے انسانیت کو روشناس کرانے لگی، جو آج تک انسانوں کے وہم و گمان میں بھی نہ گزری تھیں[1] پھر حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے "نفع" کے نام پر سود کا کاروبار شروع کر دیا اور ان سب کی بربادی کے قصّے اللہ تعالیٰ نے بہت تفصیل سے قرآن کریم میں ذکر فرمائے ہیں۔

[1] مرد اپنی جنسی تسکین کیلئے مردوں کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اس قبیح جرم کی سزا انہیں یہ ملی کہ ان کی بستیاں الٹ دی گئیں اور ساتھ ساتھ پتھروں کی بارش برسائی گئی۔

اللہ تعالیٰ نے ان قصص کو کیوں بیان فرمایا؟ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واقعات کیا اس لئے بیان کئے گئے کہ تاریخ سے آگاہی حاصل ہو؟ نہیں!

بلکہ اس لئے کہ انسان ان آیات کو پڑھے اور ہدایت حاصل کرے۔ قومیں جینے کے ڈھنگ سیکھیں اور صرف اس دنیا ہی میں نہیں آخرت میں بھی فوز و فلاح کی مستحق ٹھہریں۔ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر روشنی ڈالی ہے اور تحریر فرماتے ہیں[1]:

> قرآن عزیز کی یہ سنت ہے کہ وہ انسانوں کی ہدایت کیلئے گذشتہ اقوام اور ان کے بادیوں کے واقعات و حالات بیان کر کے نصیحت و موعظت کا سامان مہیا کرتا ہے۔ اس کا موضوع حکایات و قصص بیان کرنا نہیں ہے بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ خدائے تعالیٰ نے جبکہ انسان کو عقل کی روشنی عطا فرمائی ہے تو اس کی ہدایت و نجات اخروی کا کیا سامان مہیا کیا ہے؟ تاکہ وہ ان اسباب کی مدد سے اپنی عقل سے کام لے اور خدا کی مرضیات و نامرضیات کو پہچانے اس نے بتایا کہ خدائے تعالیٰ کی یہ سنت جاریہ ہے کہ وہ انسانوں کی ہدایت کیلئے انہی میں سے پیغمبر اور رسول بھیجتا ہے وہ ان کو حق کی راہ بتاتے اور ہر قسم کی گمراہی سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں اور تائید میں اقوام و امم کے واقعات بیان کرتا اور تاریخ ماضی کو دہراتا ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ جن اقوام نے اپنے رسولوں کی ہدایت کو تسلیم کیا انہوں نے دنیا و آخرت کی فلاح پائی اور جن امتوں نے ان کی تلقین کا انکار کیا' ان کا مذاق اڑایا اور ان کو جھٹلایا تو خدائے تعالیٰ نے اپنے سچے رسول کی تصدیق کیلئے کبھی بطور خود اور کبھی قوم کے مطالبہ پر ایسی نشانیاں نازل فرمائیں جو نبیوں اور رسولوں کی تصدیق کا باعث بنیں اور "معجزہ" کہلائیں۔ لیکن اگر قوم نے اس نشانی "معجزہ" کے بعد بھی تکذیب کو نہ چھوڑا اور بغض و عناد سے انکار پر اڑے رہے تو پھر عذاب الٰہی نے آکر ان کو تباہ و ہلاک کر دیا اور ان کے واقعات کو آنے والی اقوام کیلئے عبرت و موعظت کا سامان بنایا۔

[1] قصص القرآن ج-1 ص-127

www.ahnafmedia.com

جہاد کا آغاز

سرکش قوموں کی بربادی اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے لے رکھی تھی باغی انسانوں کو ختم کرنے کیلئے فرشتوں سے کام لیا جاتا تھا کیونکہ انسانی تہذیب و تمدن کا آغاز تھا اور ارتقائی مراحل تدریجاً طے ہو رہے تھے اور آبادی کی قلت اور سامان جنگ آلات ضرب و حرب سے نا آشنائی اور اہل ایمان کی اتنی کمی کہ اہل کفر کا اور ان کا کوئی تناسب بنتا ہی نہ تھا۔ یہ اور اس کے علاوہ بھی کچھ اسباب تھے جن کی بنا پر جہاد شروع نہیں ہوا تھا یہاں تک کہ سیدنا موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کا دور آگیا اور اب انسانیت عالم طفولیت سے نکل کر جوان ہو چکی تھی۔ تہذیب و تمدن ایک حد تک استوار ہو گیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعون کے مظالم سے نجات ملی اور وہ بحیرہ قلزم عبور کر چکے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں تورات عنایت فرمائی۔ باغی قوموں کو برباد کرنے کا طریقہ بدل دیا گیا اور حکم یہ ہوا کہ اب مطیع اور فرماں بردار انسان باغیوں کا مقابلہ خود کریں مومن اور کافر کے درمیان جہاد کا شرعی حکم نازل ہوا اور اسی حکم کے بعد حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنی قوم کو "ارض مقدس" پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ بنی اسرائیل پست ہمت قوم تھی وہ اس عظیم فریضے اور نیک عمل کا آغاز نہ کر سکی یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انتقال ہو گیا اور آپ کی وفات کے تقریباً چالیس (40) سال بعد بنی اسرائیل ہی کی ہدایت کیلئے مبعوث کئے جانے والے پیغمبر حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی زیر قیادت سب سے پہلا جہاد ہوا۔ حافظ ابن کثیرؒ نے اس مسئلہ پر بہت اختصار اور جامعیت سے چند سطریں تحریر کی ہیں فرماتے ہیں[1]:

[1] تفسیر القرآن العظیم ج-2- ص.....291

سابق انبیاء علیہم السلام کے زمانے میں سنت الٰہی یہ تھی کہ سرکش قوموں کو جو نبی کے مقابلہ پر بغاوت کرتی رہتی تھیں کسی آسمانی آفت سے تباہ کر دیا جاتا تھا چنانچہ قوم نوح طوفان سے عاد اولیٰ سخت آندھی سے ثمود سخت گڑگڑاہٹ سے قوم لوط کی آبادی آگ اور پتھروں کی بارش سے اور پھر ان کی زمین کا تختہ الٹ دیا گیا اس طرح ہلاک و تباہ کر دیا جاتا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بھی پہلے فرعون اور اس کی فوج کو دریا میں غرق کیا گیا پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی گئی تو باغی اور سرکش قوموں کے برباد کرنے کا یہ طریقہ بدل دیا گیا اور حکم یہ ہوا کہ فرماں بردار جماعت نافرمانوں اور مشرکوں کا مقابلہ کرے۔

اس وقت سے لیکر آج تک اور پھر قیامت تک اس فریضے کو قائم کر دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین چیزیں ایمان کی بنیاد ہیں۔ پہلی چیز اس آدمی سے ہاتھ اٹھالینا جو لا الہ الا اللہ کا اقرار کرے اور کسی عمل پر اسے دائرہ اسلام سے خارج نہ کیا جائے۔

دوسری چیز جہاد ہے یہ جاری ہے جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا ہے اور جاری رہے گا حتیٰ کہ میری امت کا آخری شخص دجال سے لڑے گا۔ اس جہاد کو کسی ظالم کا ظلم اور کسی عادل کا عدل منسوخ نہیں کر سکتا۔ اور تیسری چیز تقدیروں پر ایمان لانا ہے۔

(ابو داؤد)

یہ حدیث مبارکہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ جہاد قیامت تک منسوخ نہیں ہوا فقہاء و محدثین کی تصریحات سے جہاد نہ ہونے کی صرف دو صورتیں ملتی ہیں ایک تو یہ کہ جہاد کا حکم شروع ہونے کے بعد حالات و واقعات اور بعض دیگر

www.ahnafmedia.com

مصلحتوں کے تحت اللہ تعالیٰ اپنے کسی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کچھ عرصہ کیلئے جہاد سے روک دیں جیسے کہ رسول اللہ ﷺ کو مکی زندگی کے تیرہ سال میں کفار کے خلاف جہاد کی اجازت مرحمت نہیں فرمائی گئی۔ اور یا پھر یہ کہ جب قیامت کے قریب آخری دور میں جب حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نزول ہو گا تو اس وقت کچھ مدت کیلئے جہاد ختم ہو جائے گا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جہاد کو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام منسوخ کر دیں گے۔ یا شریعت محمدیہ علیہ السلام میں کوئی ترمیم واقع ہو جائے گی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام تمام روئے زمین پر پھیل جائے گا۔ اور تمام دنیا کے لوگ مسلمان ہو جائیں گے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا کا کوئی کچا اور پکا گھر ایسا نہ ہو گا جہاں میرے طریقے کے مطابق نماز نہ پڑھی جائے۔ تو جب تمام عالم میں مسلمان ہی مسلمان ہوں گے کفر مٹ جائے گا اور اسلام غالب آجائے گا تو پھر جہاد کس سے ہو گا؟ یہ مطلب ہے اس حدیث مبارکہ کا جس میں نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ جب سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نزول ہو گا تو جہاد ختم ہو جائے گا بعض حضرات نے اس حدیث کو غلط رنگ دینے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی کہ اگر نزول عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس حدیث یا دیگر احادیث کو درست مان لیا جائے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ وہ نزول کے بعد شریعت محمدیہ مبارکہ ﷺ کو منسوخ فرمادیں گے یا اس میں ترمیم کریں گے۔ یہ بات بالکل غلط اور گمراہی ہے وہ نبی کریم ﷺ کی امت میں اپنی سابقہ نبوت کے ساتھ امتی بنا کر ہی نازل کئے جائیں گے اور اسلام میں کوئی ترمیم یا تنسیخ نہیں فرمائیں گے

ر حدیث شریف کا مطلب وہ ہے جو سطور بالا میں عرض کیا جا چکا ہے۔ [1]

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے اس مبارک فریضے کا آغاز ہوا۔ عملاً رت یوشع بن نون علیہ السلام نے اسے شروع کیا نبی کریم ﷺ تک اور ان کے بھی قیامت تک اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اس مقدس فریضے کو قائم رکھیں گے

داؤد کی روایت میں ہے۔

> حضرت عمران بن حصین بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کا ایک گروہ برابر حق پر لڑتا رہے گا اور حق کے دشمنوں پر غلبہ پائے گا۔ حتیٰ کہ میری امت کا آخری شخص مسیح دجال سے لڑے گا۔
>
> (ابو داؤد)

یہ تو تھی جہاد کی ایک مختصر سی تاریخ اس کا آغاز کیسے ہوا اور یہ مقدس فریضہ تک رہے گا۔ اب یہ سمجھنا چاہئے کہ "جہاد" کے معنی کیا ہیں؟۔

ہاد کے لغوی معنی

لفظ "جہاد" جہد (ج۔ھ۔د) سے بنا ہے اور عربی میں الجھد کے معنی ائی کوشش اور شدید محنت کرنے کے آئے ہیں۔ یعنی کسی بھی کام کو سرانجام ینے کے لئے جو انتہائی کوشش اور سخت محنت کی جاتی ہے اس کا نام جہاد ہے۔ د تعالیٰ نے ایک مقام پر فرمایا ہے۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ

پارہ 7 ' سورۃ الانعام آیت 109

اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قسم بڑے زور سے کھا کر کہا

---

[1] اس مسئلے کی مزید تشریح کا نہ یہ موقع ہے اور نہ ہی کتاب کا حجم اس بات کی اجازت دیتا ہے۔ اگر تفصیل دیکھنا مطلوب ہو تو ملاحظہ کیجئے۔

ترجمان السنتہ از مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی رحمتہ اللہ علیہ۔ ج۔ 3 ' ص۔ 521

www.ahnafmedia.com

یعنی وہ قسمیں اٹھانے میں اپنی پوری توانائی خرچ کر دیتے ہیں بہت زور وشور سے قسمیں اٹھاتے ہیں۔ اسی مادے سے اجتہاد کا لفظ بھی مشتق ہے۔ کیونکہ اس میں بھی انسان اپنی بہترین فکری اور ذہنی صلاحیتوں کا استعمال کرتا ہے اسی لئے جہاد کا مفہوم یہ ہے کہ دشمن کی مدافعت کیلئے اپنی بہترین طاقتوں کو خرچ کرنا۔

پھر یہ "لفظ "مفاعلہ" کے باب سے ہے اور اس باب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں دو فریقوں کا وجود ضروری ہوتا ہے۔ جیسے بحث سے مباحثہ بولتے ہیں تو مباحثے میں فریقین کا ہونا لازمی ہے اسی طرح جہاد میں دو فریق ہونے لازمی ہیں جو ایک دوسرے کے خلاف اپنی بہترین کوششیں کرتے ہیں خلاصہ یہ کہ جہاد بنیادی طور پر فریقین کا ایک دوسرے کے خلاف اپنی کوششوں کا نہایت محنت اور مشقت سے استعمال کرنا ہے خواہ یہ کوششیں مالی اعتبار سے ایک دوسرے کے خلاف ہوں۔ خواہ زبانی طور پر ہوں اور خواہ جسمانی طور پر جسمانی طور سے جب یہ کوششیں استعمال کی جائیں گی تو پھر اس پر "قتال" کا لفظ بولا جاتا ہے جو اردو میں "لڑائی" یا "جنگ" کے ہم معنی ہے[1]

جہاد کے شرعی معنی

شریعت کی اصطلاح میں کفار کو اسلام کی دعوت دینا اور جو اس دعوت کو قبول نہ کرے نہ مسلمانوں کا ماتحت ہو کر رہے اور نہ ہی جزیہ دینے پر آمادہ ہو اس سے جنگ کرنے کا نام جہاد ہے۔ جو انسان بھی اس جدوجہد میں حصہ لے گا خواہ وہ مالی اعتبار سے شرکت کر رہا ہو خواہ وہ مملکت اسلامیہ کی سرحدوں کی حفاظت کر رہا ہو' خواہ وہ جنگ اور فوجوں کو لڑانے کا منصوبہ بنا رہا ہو۔ خواہ وہ جنگ تو نہ کرے لیکن مسلمانوں کی کثرت اور شان وشوکت میں اضافے کی خاطر ان کے ساتھ ہو' خواہ

[1] مفردات از راغب اصفہانی

فیوں کی مرہم پٹی وغیرہ کیلئے لشکر میں جائے اور عملاً جنگ میں حصہ نہ لے خواہ وہ فوج کے لئے کھانے پینے کا بندوبست کرے' خواہ انہیں اسلحہ بھیجنے پر بیٹھ جائے' خواہ پیغام رسانی کا کام کرے اور خواہ وہ اسلامی مملکت کی سرحدوں کی حفاظت کر رہا ہو یہ تمام صورتیں شرعاً جہاد میں شامل ہیں۔ ان کوششوں میں جو مارا جائے وہ شہید ہے۔ اسے مال غنیمت میں حصہ ملے گا اور آخرت میں شہید کے لئے جن انعامات واحسانات کا وعدہ فرمایا گیا ہے وہ تمام اسے حاصل ہوں گے۔[1]

مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لئے جنگ میں جو بھی مسلمان درست نیت کے ساتھ جس طرح بھی اس کار خیر میں شریک ہو گا وہ مجاہد ہو گا اور بصورت موت اس کی موت شہادت ہوگی۔

جنگ اور جہاد میں فرق

شریعت جنگ اور جہاد میں فرق کرتی ہے جنگ قومیت کی بنیاد پر بھی لڑی جاتی ہے کبھی وطنیت جنگ کی بنیاد ہوا کرتی ہے کبھی ذاتی اغراض ومقاصد کے تحت دو ملک آپس میں لڑ پڑتے ہیں شریعت ان تمام بنیادوں کی نفی کرتی ہے وہ یہ سکھاتی ہے کہ وطن کا دفاع اگر ضروری ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں اسلام کو تحفظ حاصل ہے اور جو اسلام کا قلعہ اور گہوارہ ہے اس کی حفاظت میں جان دے دینا عین سعادت ہے۔ مسلمان سبھی ایک قوم ہیں اور مسلمان کی عزت و آبرو بچانے کیلئے لڑنا ایک نیکی کا کام ہے۔ الغرض جس طرح بھی اسلام کو تقویت ملتی ہو اس کام میں حصہ لینا کار خیر ہے اور جن اقدامات سے اسلام کی شان و شوکت میں فرق آتا ہو ان میں حصہ لینا کار شر۔ غیر مسلم اقوام نے جہاد کو جنگ کے معنی

[1] شامی ج1 ص120 مطلب المواظبة على فرائض الصلوٰة في اوقاتها افضل من الجهاد

www.ahnafmedia.com

میں لاکر مسلمانوں کا خوب مذاق اڑایا ہے۔ اوراس کے بعد مسلمانوں کی جو بھیانک تصویر کھینچی ہے اس میں وہ جابر' ظالم اور خون آشام انسانوں کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتے جہاد کی جو تعریف وہ کرتے ہیں یہ ہے کہ

JIHAD (ARABIC "FIGHT" OR "BATTLE")

A Religious duty Imposed upon Muslims to spread Islam by waging war. (1)

یہ تو ایک ہے اور بہت ہلکی عبارت ہے اسی قسم کی بے شمار تعصب آمیز عبارات آپ کو ان کے ہاں نظر آئیں گی۔ اس سے بھی یہ تاثر ابھرتا ہے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے۔ حالانکہ ہر موقع پر مسلمان "تین میں سے ایک" کے قائل رہے ہیں 1..... قبولیت اسلام 2..... جزیہ 3..... جہاد جو داہل مغرب جو کچھ کر رہے ہیں اس پر نہ انہیں شرمندگی ہے نہ دوسری اقوام کو اعتراض جس طرح انہوں نے دنیا کا امن برباد کر رکھا ہے کوئی انہیں پوچھنے والا نہیں۔ مگر اسلام اور جہاد کو غیر مہذب قرار دینا یہ ان کے لئے ضروری ہے۔ علامہ اقبال مرحوم نے کچھ ایسے ہی لوگوں کے لئے کہا تھا۔

باطل کے فال و فر کی حفاظت کے واسطے
یورپ زرہ میں ڈوب گیا دوش تا کمر

ہم پوچھتے ہیں شیخ کلیسا نواز سے
مشرق میں جنگ شر ہے تو مغرب میں بھی ہے شر؟

جنگ زر طلبی ہے' جہاد رضا طلبی ہے جنگ ذاتی مقاصد کے تحت لڑی جاتی ہے'

(1) Encyclopedia Britanica 15th edition vol:6 page: 550

واللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت اسی کے کام کی تکمیل کیلئے ہوتا ہے۔ جنگ بندوں کی غلامی میں منتقل کرتی رہتی ہے اور جہاد بندوں کو بندوں کی غلامی سے کر اللہ تعالیٰ کی غلامی میں داخل کرتا ہے۔

نیت

آدمی کافروں کے مقابلے کیلئے میدان جنگ میں آتا ہے لیکن اس کی نیت تعالیٰ کے دین کی سربلندی کی بجائے مال حاصل کرنے کی ہے تو شریعت اسے قرار نہیں دیتی۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض "مجھے جہاد کی حقیقت سے آگاہ فرمادیجئے" تو آپؐ نے فرمایا

اے عبداللہ بن عمرو اگر تو نے جہاد میں صبر کیا اور ثواب حاصل کرنے کی غرض سے جہاد کیا تو اللہ تعالیٰ تجھے قیامت کے روز صابر اور طالب ثواب ہی اٹھائے گا اور اگر تو نے دکھاوے کیلئے یا مال جمع کرنے کیلئے جنگ کی تو تجھے قیامت میں اللہ تعالیٰ ریاکار اور مال کا لالچی بنا کر اٹھائے گا۔ عبداللہ تو جس حالت میں لڑے گا یا مارا جائے گا قیامت میں اللہ تعالیٰ بس تجھے اسی حالت میں اٹھائے گا۔

معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نیت کا اعتبار کرتی ہے کہ مجاہد نے جہاد میں کی نیت کی تھی اگر وہ بظاہر جہاد کر رہا تھا اور در حقیقت مال حاصل کرنے کی تو یہ منافقت ہے اور منافق انسان کیلئے جہاد میں کوئی اجر نہیں یا جنگ میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں لڑنے کی تھی لیکن زیادہ مقصود مال تھا تو بھی اسے اجر ملے گا۔

ریاکاری

ریاکاری یا دکھلاوا بھی ان مہلک امراض میں سے ایک ہے جو کسی انسان کی روح کا ٹھکانہ بنا لیتے ہیں۔ نیکی کا ظاہری جسم رہ جاتا ہے جسے دن بدن مزین کیا جاتا

www.ahnafmedia.com

ہے اس کی آرائش و زیبائش اچھے سے اچھے طریقے پر کی جاتی ہے۔ مگر اس کھوکھلے جسم میں روح کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ جہاد جیسے عظیم فریضے کی ادائیگی میں بھی لوگوں کو خوش رکھنے' اپنی ناموری' مخلوق خدا پر اپنی دھاک بٹھانے اور نجانے کن کن فاسد عزائم کے ہمراہ میدان جنگ میں اترتا ہے۔ لڑتا ہے اور حتیٰ کہ مارا بھی جاتا ہے لوگ تعریفوں کے پل باندھ دیتے ہیں مگر وہ اپنے مالک کے حضور خالی ہاتھ پیش کر دیا جاتا ہے کیونکہ اس نے جس چیز کی نیت کی تھی کہ لوگ اس کی تعریف کریں اور ناموری مل جائے وہ اسے عطا کر دی جاتی ہے۔ وہ ذات جو سینوں کے بھید سے باخبر ہے ظاہر و باطن جس کے لئے یکساں ہے وہ نیت کے مطابق فیصلہ فرما دیتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا

> قیامت کے دن سب سے پہلے اس انسان کا فیصلہ ہو گا جو جنگ میں شہید ہو گیا تھا اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے لایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں جو اس پر ہوئی تھیں جتلائیں گے وہ ان انعامات کا اقرار کرے گا تو پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھیں گے کہ ان انعامات کا تو نے کیا شکریہ ادا کیا؟ وہ کہے گا کہ میں نے تیرے لئے جنگ کی یہاں تک کہ اپنی جان تیری راہ میں دے دی۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ تو نے جھوٹ بولا تو تو اس لئے لڑا تھا کہ لوگ یہ کہیں بڑا جرأت والا انسان تھا۔ سو تیرا مقصد پورا ہو گیا۔ پھر اسے عذاب کا حکم دیا جائے گا۔ اور وہ منہ کے بل گھسیٹ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ (مسلم)

انسان کو اپنی زندگی سے زیادہ عزیز اور کون سی متاع ہے؟ مگر غلط نیت نے اتنی عظیم قربانی کو بھی اکارت کر دیا دنیا نے اسے جیالا کہہ دیا مگر مالک حقیقی کے ہاں فیصلہ یہ تھا کہ منہ کے بل گھسیٹ دیا جائے۔ نام تو دنیا میں بلند و بالا ہوا مگر جسم جہنم کی نذر ہو گیا۔ اس لئے جہاد کرنے سے پہلے اپنی نیت کو درست کرنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا نماز پڑھنے سے پہلے قبلہ رخ کا تعین کرنا

...کی بنیاد پر جہاد

...ایسی جنگ کو بھی جہاد قرار نہیں دیتی جو محض وطنیت کی بنیاد پر لڑی جا رہی ...اس لڑنے میں دین کو بلند کرنے' اللہ تعالیٰ کے نام کی حفاظت اور اس کے ...کے ارشاد کردہ فرمودات کی کوئی پابندی نہ ہو محض یہ نظریہ مدنظر ہو کہ ... (NATIONALISM) کو بلند و غالب رہنا چاہئے۔ ہمارے دور کے ...ترین فتنوں میں سے ایک یہ بھی فتنہ ہے۔ علامہ اقبال مرحوم نے اسی لئے لکھا ...کہ

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے مذہب کا کفن ہے

...مطہرہ محض وطنیت ہی کی نہیں بلکہ "جتھہ بندی" کی نیت سے لڑنے کو ...درست قرار نہیں دیتی۔ اگر ایک مجاہد کی نیت یہ ہے کہ وہ فلاں یونٹ یا فلاں ...سے تعلق رکھتا ہے اس لئے اس یونٹ یا رجمنٹ کے کارناموں کی فہرست ...اضافہ کرنے کیلئے لڑے گا یا وہ اپنی بریگیڈ کیلئے لڑنا چاہتا ہے یا جس قبیلے ...گروہ سے اس کا تعلق ہے ان کے لئے جان دینا چاہتا ہے تو اس کی یہ لڑائی ...جہاد" اور اس کی موت "شہادت" کہلانے کی مستحق نہ ہو گی۔ یہ جہاد اور ...ادت کے مقام پر اسی وقت فائز ہو گا جبکہ اس کی نیت اللہ تعالیٰ کے دین کی ...بلندی اور اس کی رضا کے حصول کے علاوہ اور کچھ نہ ہو۔

...منافق کا جہاد بھی قابل قبول نہیں

...اق ایسا مرض ہے جو کفر سے زیادہ شدید ہے اللہ تعالیٰ نے منافقین کی مذمت میں ...کس قدر آیات نازل فرمائی ہیں' محتاج بیان نہیں متعدد احادیث میں یہ مضمون ...آیا ہے کہ جہاد گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ شہید کے صغیرہ اور

www.ahnafmedia.com

کبیرہ گناہوں کو معاف کر دیتے ہیں۔ مگر منافقت ایسی بیماری اور وہ روگ ہے کہ جب تک انسان خود اپنی اصلاح نہ کرا چکا ہو نہ ہی تو یہ بیماری دور ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی عمل اس کے برے اثرات سے انسان کو محفوظ رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ جہاد جیسا عظیم فریضہ بھی منافقت کو محو نہیں کراتا۔ اس کا علاج یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی نیک بندے سے رجوع کر کے اپنے امراض کی تشخیص کروا کر اس کی اطلاع کرتا رہے اور شریعت کے مطابق جو وہ حکم دے اس کی اتباع کرتا رہے۔ یہ ہے منافقت کا اصل علاج اللہ تعالیٰ اس کے علاوہ کسی کو پاک کرنا چاہیں تو ان کے فضل سے بعید نہیں مگر عادتاً ایسے ممکن ہوا نہیں کرتا۔ منافقت تو ایسا روگ ہے کہ اس کا ازالہ تلوار کے بس کی بھی بات نہیں۔ حضرت عتبہ بن عبد سلمی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

السّیف لا یمحوا النّفاق (مسند احمد)

تلوار منافقت کو محو نہیں کرتی

اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے رہنا اور اپنے آپ کو منافقت کے احوال و اعمال سے محفوظ رکھنا چاہئے تاکہ جہاد اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبولیت کا درجہ حاصل کرے اور اس پر مرتب ہونے والے عظیم اکرام و اعزازات سے انسان مستفید ہو سکے۔

جہاد ـــــ اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے

ان تمام تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد محض اللہ تعالیٰ کو خوش اور راضی رکھنے کے واسطے کرنا چاہئے اور اس میں اپنی اغراض کا دخل نہیں ہونا چاہئے۔ مومن کی نیت خالص ہونی چاہئے اور جو کام بھی کرے اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کیلئے کرے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جو اکابر صحابہ رضی اللہ

عنہم میں سے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے وفات سے پہلے انہیں یمن کا گورنر بنا کر بھیج دیا تھا' ان کی روایت نے تو اس حقیقت کو بالکل واضح کر دیا ہے کہ جہاد کس جذبے سے ہونا چاہئے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

لڑائیاں دو قسم کی ہیں

ایک تو یہ کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کو جہاد کیا اور اپنے امیر کی اطاعت کی اور اپنا بہترین مال خرچ کیا اور اپنے ساتھیوں کیلئے سہولت پیدا کرتا رہا اور فساد سے بچتا رہا تو ایسے مجاہد کا سونا' جاگنا سب کچھ اجر کا مستحق ہے (یعنی ہر ہر صحیح فعل پر اسے ثواب ملے گا)

اور دوسرا وہ ہے جس نے شیخی بگھارنے اور دنیا کے دکھلاوے اور شہرت حاصل کرنے کی نیت سے جنگ کی اور اس میں امیر کی نافرمانی کی اور زمین میں فساد پھیلاتا رہا تو وہ کچھ ثواب لے کر نہیں لوٹا (بلکہ عذاب کا مستحق بنا)

(موطا مالک' ابو داود نسائی)

دنیا میں آج تک جتنی بھی جنگیں لڑی گئی ہیں اور آئندہ جتنی بھی ہوں گی وہ تمام کی تمام کسی نہ کسی طرح ان دو قسموں میں سے ایک قسم میں آجاتی ہیں۔ ہر آدمی جس نے جہاد میں حصہ لیا ہے یا لینا ہے وہ خود فیصلہ کر سکتا ہے کہ اس کے لڑنے کا سبب کیا تھا اور وہ ثواب کا مستحق ٹھہرا یا نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کا عذاب لے کر واپس آیا۔

جہاد کی اجازت اور حکم

مکہ مکرمہ میں حالات روز بروز سنگین سے سنگین تر ہوتے چلے جا رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیلئے مصائب اور تکالیف میں اضافہ کیا جا رہا تھا۔ حبشہ کی طرف مسلمان پہلی ہجرت کر چکے تھے مگر جو مکہ مکرمہ میں رہ گئے تھے وہ ابھی تک ظلم کی چکی میں پس رہے تھے۔ حتیٰ کہ دوسری ہجرت مدینہ منورہ کی طرف ہونے لگی۔ کفار مکہ بھی دیکھ رہے تھے کہ مسلمان مدینہ منورہ کی

www.ahnafmedia.com

طرف ہجرت کیلئے ایک ایک کر کے رخصت ہو رہے ہیں۔ اگر تمام لوگ ایسے ہی چلے گئے تو وہاں ان کا مرکز بھی بن سکتا ہے اور پھر ہمارے نیزہ و تلوار کا نشانہ بننے کیلئے کون باقی رہ جائے گا؟ انہوں نے بہت بڑا قدم اٹھانے کا فیصلہ کر لیا اور وہ تھا رسول اللہ ﷺ کی شہادت کا فیصلہ!

جس رات کو بیت نبوی کا گھیراؤ ہوا اور رسول اللہ ﷺ کو شہید کرنے کیلئے سب شمشیر بکف کھڑے تھے آپؐ ہجرت کیلئے گھر سے باہر نکلے اور پھر اس صدیق مکرم کے ساتھ ہجرت کے سفر کا آغاز کیا جو اس سفر میں 'غار میں' بدر میں اور آج تک قبر میں دوسرا ساتھی ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مکہ مکرمہ میں غلبہ کفار اور دیگر مصالح کی وجہ سے جہاد کی اجازت نہ ہوئی تھی اب مدینہ منورہ پہنچے تو اپنا مرکز قائم ہو چکا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صحیح معنی میں تربیت ہو چکی تھی اور کفار کا تسلط باقی نہ رہا تھا' سو اب جہاد کی اجازت ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝

(پارہ - 17 سورۃ الحج - آیت - 39)

اجازت دے دی گئی ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جا رہی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دیئے گئے۔ صرف اس قصور پر کہ وہ کہتے تھے "ہمارا رب اللہ ہے" اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہے تو خانقاہیں اور گرجا اور معبد اور مسجدیں جن میں کثرت سے اللہ کا نام لیا جاتا ہے۔ سب مسمار کر ڈالی جائیں۔ اللہ ضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کریں گے اللہ بہت طاقتور اور زبردست ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس' حضرت ابوہریرہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دیگر حضرات کی روایت ہے کہ جہاد کی اجازت کے سلسلے میں سب سے پہلی آیت کریمہ جو نازل ہوئی وہ یہ آیت ہے۔ اس اجازت کے بعد تو اور احکامات نازل ہونا شروع ہوئے اور وقتاً فوقتاً وہ آیات نازل ہوتی رہیں جن میں جہاد کرنا مسلمانوں پر فرض قرار دیا گیا۔ مثلاً ایک مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ

(پارہ:۲- سورۃ البقرۃ- آیت:۲۱۶)

تمہیں جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور وہ تمہیں ناگوار ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں ناگوار ہو اور وہی تمہارے لئے بہتر ہو۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً ۚ

(پارہ :۱۰- سورۃ التوبۃ- آیت:۳۶)

www.ahnafmedia.com

اور مشرکین سے سب مل کر لڑو جس طرح وہ سب مل کر تم سے لڑتے ہیں۔

ایک اور مقام پر یوں ارشاد ہے۔

فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ۔

(پارہ:۱۰- سورۃ التوبہ- آیت ۱۲)

سو کفر کے علم برداروں سے جنگ کرو کیونکہ ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں شائد کہ (پھر تلوار ہی کے زور سے) وہ باز آئیں گے۔

ایک مقام پر رسول اللہ ﷺ کو خاص طور پر یہ حکم دیا جارہا ہے۔

فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔

(پارہ:۵- سورۃ النساء - آیت:۸۴)

پس اے نبی تم اللہ کی راہ میں لڑو۔ تم اپنی ذات کے سوا کسی اور کے لئے ذمہ دار نہیں ہو البتہ اہل ایمان کو لڑنے کے لئے اکساؤ۔

کافر جنگ کرتے ہیں اور مسلمان جہاد' اس حقیقت کو یوں بیان ارشاد فرمایا جارہا ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا۔

(پارہ:۵- سورۃ النساء- آیت:۷۶)

جن لوگوں نے ایمان کا راستہ اختیار کیا ہے وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں۔ اور جنہوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا ہے وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں۔ سو شیطان کے ساتھیوں سے لڑو اور یقین جانو کہ شیطان کی چالیں حقیقت میں نہایت کمزور ہیں۔

ایک مقام پر کافروں کے جرائم بیان کر کے فرمایا جارہا ہے کہ ان کے خلاف جہاد کرو۔

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۔ اَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

(پارہ:۱۰- سورۃ التوبۃ- آیت:۱۳)

کیا تم نہ لڑو گے ایسے لوگوں سے جو اپنے عہد توڑتے رہے ہیں اور جنہوں نے رسول (ﷺ) تک کو ملک سے نکال دینے کا قصد کیا تھا اور زیادتی کی ابتداء کرنے والے وہی تھے۔
کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟
اگر تم مومن ہو تو اللہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس سے ڈرو۔

ایک مقام پر مدد کی بشارت دی جارہی ہے اور کافروں کی ذلت اور رسوائی مسلمانوں کے ہاتھوں سے ہونا بیان کیا جارہا ہے۔

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ۔

(پارہ- 10' سورۃ التوبۃ آیت- 14-15)

www.ahnafmedia.com

ان سے لڑو، اللہ تمہارے ہاتھوں سے ان کو سزا دلوائے گا۔ اور انہیں ذلیل وخوار کرے گا۔ اور ان کے مقابلہ میں تمہاری مدد کریگا اور بہت سے مومنوں کے دل ٹھنڈے کرے گا۔ اور ان کے قلوب کی جلن مٹادے گا اور جسے چاہے گا توبہ کی توفیق بھی دے گا۔

ایک اور مقام پر صاف صاف الفاظ میں یہ بیان کر دیا گیا ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کے لئے نہیں نکلو گے تو پھر تمہارا کیا انجام ہو گا۔ یہ سوچ کر رکھو۔

اِلَّا تَنْفِرُوْا یُعَذِّبْکُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا وَّیَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَیْئًا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

(پارہ - 10 سورۃ التوبۃ آیت - 39)

تم نہ اٹھو گے تو اللہ تمہیں دردناک سزا دے گا اور تمہاری جگہ کسی اور گروہ کو اٹھائے گا اور تم اللہ کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

جہاد کی حکمتیں

مندرجہ بالا تو چند ایک آیات ہیں جو جہاد کی فرضیت کے سلسلے میں نقل کی گئی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم اس قسم کی آیات اور ان سے متعلقہ مباحث سے بھرا ہوا ہے ان آیات کا احاطہ دشوار ہے۔ اور احادیث مرفوعہ صحیحہ میں جہاد کے احکامات، قوانین اور فضائل تو لاتعداد ہیں اور آیات قرآنیہ ان پر مستزاد امام سرخسیؒ نے "مبسوط" میں حضرت ابو قتادہؓ کی روایت نقل کی ہے کہ [1]

[1] شامی ج - 4، ص 126 مطلب المواظبۃ علی فرائض الصلوٰۃ فی اوقاتہا افضل من الجہاد

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قام یخطب الناس فحمد اللہ واثنیٰ علیہ ثم ذکر الجہاد فلم یدع شیئًا افضل من الجہاد الا الفرائض

رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے لوگوں کو خطبہ دیا اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور اس کے بعد آپ نے جہاد کا ذکر فرمایا تو سوائے فرائض کی ادائیگی کے (مختلف فرائض جو انسانی زندگی میں پیش آتے ہیں) باقی کوئی نیکی ایسی نہیں تھی جس پر جہاد کو ترجیح اور افضلیت نہ دی ہو۔

تو مقصد تحریر یہ کہ قرآن وحدیث میں جہاد پر اتنا زور کیوں دیا گیا ہے؟

اصل بات یہ ہے کہ جس نظریئے کے پس پشت طاقت کارفرما نہ ہو وہ نظریہ یا عقیدہ آہستہ آہستہ اپنا وجود کھو دیتا ہے طاقت روحانیت کے اعتبار سے ہو خواہ جسمانیت کے اعتبار سے اس طاقت کا تعلق عالم اسباب سے ہو یا عالم اسباب سے ماوراء عالم سے۔ بہرحال طاقت کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ رسول ﷺ ہر اعتبار سے کامل واکمل تھے۔ ہر عیب سے مبرا تخلیق کئے گئے تھے۔ رسالت اور نبوت کے تاجدار تھے مگر اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہیں کہ اس دین کو کسی طاقت کے ذریعے تقویت دی جائے۔

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا

(پارہ:15- سورۃ بنی اسرائیل- آیت:10)

اور دعا کیجئے کہ اے پروردگار مجھ کو جہاں بھی تو لے جا سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں سے بھی نکال سچائی کے ساتھ نکال اور اپنی طرف سے ایک اقتدار کو میرا مددگار بنا دے۔

www.ahnafmedia.com

حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ایک سعید اور مبارک روح حضرت عمرؓ کو اس مقصد کیلئے چن لیا دین کو جب طاقت اور قوت مل گئی تو وہ اگلے ہی دن حرم محترم میں آکر عبادت کرنے لگے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کا دین جس کا بنیادی مزاج کفر پر غلبے کا ہے۔ طاقت و قوت کے ساتھ اس عالم اسباب میں پورے جوبن پر نکھر کر سامنے آتا ہے۔ اس طاقت اور قوت کے مقاصد کیلئے جہاد کو ضروری قرار دیا گیا۔ یہ مغالطہ نہ ہو کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلتا رہا ہے تحریر کا مقصد یہ ہے کہ نظریہ اور عقیدہ قائم رکھنے کیلئے اس کی پشت پر طاقت کا وجود ضروری ہے۔ طاقت خواہ جسمانی ہو یا روحانی جہاد کو فرض قرار دینے میں منجملہ اور حکمتوں کے ایک حکمت یہ بھی ہے۔ علامہ اقبال مرحوم نے اس تمام فلسفے کو ایک بہت خوبصورت مصرعے میں قلمبند کیا ہے۔

ع عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کارخانہ قدرت کو ایک خاص نظام کے تحت چلا رہے ہیں کسی بھی گروہ کو وہ زمین میں آباد کاری اور پھلنے پھولنے کے مواقع عنایت فرماتے ہیں مگر وہ گروہ جب حد سے بڑھنے لگتا ہے اور ظلم کرتا ہے تو طغیانی اور سرکشی کی روش کو اپنا وطیرہ بنالیتا ہے۔ اور جب پانی سر سے گذرنے لگتا ہے تو پھر ایک دوسرے گروہ کو اس پہلے گروہ پر غلبہ عنایت فرمایا جاتا ہے۔ اگر یہ سلسلہ نہ چلے تو کائنات پر ہمیشہ ایک گروہ کی حکمرانی رہے اور باقی تمام انسانیت ان کے ظلم کی چکی میں پستی رہے۔ خود عقل یہ کہتی ہے کہ جب کوئی نافرمانی اپنی فطرت ثانیہ بنالے تو اسے سزا ملنی چاہئے اللہ تعالیٰ اسے سزا دینے کیلئے ایک اور قوم کو اس پر غالب فرمادیتے ہیں اور اس نافرمان گروہ کا زور توڑ دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس حکمت کو سورۃ بقرہ میں بہت خوبصورتی سے بیان فرمایا ہے۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ۔

(پارہ:۲- سورۃ البقرۃ- آیت:۲۵۱)

اور اگر اس طرح اللہ انسانوں کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے ذریعے سے ہٹاتا نہ رہتا تو زمین کا نظام بگڑ جاتا لیکن دنیا کے لوگوں پر اللہ کا بڑا فضل ہے (کہ وہ اس طرح دفع فساد کا انتظام کرتا رہتا ہے)

تیسری بات یہ ہے کہ اگر جہاد کی اجازت نہ ہوتی تو دنیا میں ایک مرتبہ جو مذہب طاقتور قوم چلا دیتی وہ چلتا رہتا باقی تمام مذاہب کو برباد کر دیا جاتا اس ایک مذہب میں خواہ کتنی ہی نئی نئی باتیں شامل ہوتی رہتیں اور خواہ بنیادی طور پر وہ آسمانی مذہب ہی کیوں نہ ہوتا مگر اس کا تسلط قائم رہتا کوئی قوم اپنی عبادت گاہوں کی حفاظت نہ کر سکتی۔ جس گروہ کے پاس حکومت ہوتی وہ ان معابد کو برباد کر دیتا جو اس کے مسلک سے میل نہیں کھاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہی بات ایک مقام پر ارشاد فرمائی ہے۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ

(پارہ:۱۷- سورۃ الحج آیت:۴۰)

اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہے تو خانقاہیں اور گرجا اور معبد اور مسجدیں جن میں اللہ کا کثرت سے نام لیا جاتا ہے سب مسمار کر ڈالی جائیں۔ اور اللہ ضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کریں گے۔

www.ahnafmedia.com

اللہ تعالیٰ کا انعام واحسان ہے کہ وہ ظالموں کو مظلومین کے ذریعے دفع کرتا رہتا ہے اگر یہ سلسلہ جاری نہ ہوتا تو دنیا بھر کے عبادت خانے مسمار ہو چکے ہوتے۔ ظالم جب اپنے ظلم پر اترتا ہے تو اس کی آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں اس کے لئے حکومت کے دفاتر، عدالتیں، مساجد اور معابد سبھی ایک سلوک اور رویئے کی نذر کرنے کے قابل ٹھہرتے ہیں۔ چنانچہ 1857ء کے جہاد آزادی میں انگریزوں نے دہلی میں کتنی ہی مسجدیں تھیں جنہیں ایسا پیوند خاک کیا کہ آج تک وہ زمین سجدہ ریز پیشانیوں کو ترس رہی ہے۔ یہ ظلم اور سفاکی کا مظاہرہ تھا۔ اس کے برعکس شریعت یہ سکھلاتی ہے اور حدیث شریف کی متعدد کتابوں میں یہ بات آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اسلامی فوج کو رخصت فرماتے تھے تو خاص طور پر یہ ہدایت دیتے تھے کہ کسی بھی قوم کے عبادت خانوں کو نہ چھیڑا جائے۔

چوتھی حکمت فرضیت جہاد میں یہ ہے کہ اگر جہاد فرض نہ ہوتا تو ظلم کا دفعیہ کیسے ہوتا؟ ظالم کو سزا کیسے ملتی۔ ایک قوم نے ظلم اور غلبے کی بنیاد پر دنیا میں اپنی من مانی چلا رکھی ہے۔ سرکشی اور معصیت کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ مظلوموں کو کوئی پرسان حال میسر نہیں اور ظالموں کی طنابیں کھینچنے والا کوئی نہیں۔ وہ جو چاہیں سو کریں ان کے ظلم کے خلاف کہیں آواز بلند نہیں کی جا سکتی تو قیامت تو جو آئے گی سو آئے گی، اس قیامت کبریٰ سے پہلے پہلے مظلومین پر کئی بار قیامت صغریٰ ٹوٹ جائے گی۔ ظلم کے وہ روح فرسا مناظر دیکھنے میں آئیں گے کہ انسانیت کی روح تھرا اٹھے۔ عقل کہتی ہے کہ ظلم کا دفعیہ ہونا چاہئے اور ظالموں کا بندوبست ایسا ہو کہ اس کا بوریا بستر گول کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جہاد کی اجازت مرحمت فرمائی تو یہی کہا کہ

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ

(پارہ:۱۷- سورۃ الحج- آیت:۳۹-۴۰)

اجازت دے دی گئی ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جا رہی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دیئے گئے صرف اس قصور پر کہ وہ کہتے تھے "ہمارا رب اللہ ہے"۔

پانچویں حکمت جہاد کی فرضیت میں یہ ہے کہ اس کے ذریعے مظلوموں کی مدد ہوتی ہے اور ظالموں کو سزا ملتی ہے اگر یہ فرضیت نہ ہوتی تو مظلوموں کی مدد اور ظالموں کی بیخ کنی (جیسا کہ سطور بالا میں تحریر کیا گیا) دونوں اعمال رک جاتے۔ فرض کر لیں کہ مسلمانوں کے ایک شہر یا مملکت پر حملہ ہو گیا اور کافروں نے ظلم کیا ہے تو وہاں کے رہنے والے مسلمانوں پر اس سرحد کا دفاع کرنا یا ان ظالم کافروں کے خلاف جہاد کرنا فرض عین ہو جائے گا۔ پھر اسی طرح جو مسلمان اس مملکت سے قریب ترین حصے میں موجود ہیں ان پر بھی جہاد فرض عین ہو گا تاکہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کر سکیں۔ البتہ جو دور ہوں گے ان کے حق میں فرض کفایہ بن جائے گا۔ اسی طرح کفار کے مقابلے میں قریب کے مسلمانوں نے غفلت سے کام لیا یا وہ اس فریضے کی ادائیگی کے لئے کافی نہیں ہیں کہ کافروں کے ظلم کا جواب دے سکیں تو ان سے قریب کے شہروں اور دیہات میں بسنے والے تمام مسلمانوں پر جہاد فرض عین کی حیثیت اختیار کر لے گا۔[1]

---

[1] شامی ج 4 ص 123 مطلب فی الفرق بین فرض العین وفرض الکفایۃ

www.ahnafmedia.com

یہ درجہ بدرجہ تمام مسلمانوں پر جہاد جو فرض ہوتا چلا جائے گا اس لئے کہ مظلوموں کی مدد کی جائے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو پورا کیا جائے۔

اسلام ظلم اور تعدی کو حرام قرار دیتا ہے اس لئے ظلم خواہ کافر پر ہی کیوں نہ ہو رہا ہو۔ شریعت اس کے خلاف بھی جدوجہد کو درست قرار دیتی ہے اور کبھی اگر مسلمان کسی کافر پر ظلم کرنے لگے تو اس مسلمان کا یہ فعل بھی شریعت حرام قرار دے گی کیونکہ اسلام کے ساتھ تعلق ہونے یا مسلمان ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ظلم کرنا درست قرار دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر جہاد کا ذکر فرمایا ہے اور مسلمانوں کی توجہ اس امر کی طرف دلائی ہے کہ مظلومین کی مدد کی جائے۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا۔

(پارہ:۵- سورۃ النساء- آیت:۷۵)

آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور پا کر دبا لئے گئے اور فریاد کر رہے ہیں کہ خدایا ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی اور مدد گار پیدا کر دے۔

اس لئے جہاد کی فرضیت میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ مظلوموں کی مدد کی جائے اور انہیں بے سہارا نہ چھوڑ دیا جائے اور مزید گہری نظر سے دیکھا جائے تو جہاد نہ کرنے کے جواز کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ اسلام جہاد کو منافقین اور کفار کے بالمقابل درست سمجھتا ہے اور حکم دیتا کہ کفر کی شان و شوکت کا قلع قمع

کیا جائے کیونکہ کفر، شرک اور منافقت تو ایک روگ ہے جو انسانیت کو لگ گیا ہے۔ لوگوں کے حقوق پامال ہو رہے ہیں۔ تباہی و بربادی کا ایک میدان کارزار ہے کفر کی ستم کاریوں میں سے ایک یہ ہے کہ انسانوں نے اپنے جیسے ایک انسان کو خدا بنا رکھا ہے۔ کفر کے تراشے ہوئے بے حقیقت خداؤں نے طوفان بدتمیزی مچا رکھا ہے تو جب انسانیت کو یہ مرض لگ گیا ہے کیا اس مرض کا ازالہ نہیں ہونا چاہئے؟ فرض کیجئے ایک آدمی کے جسم کے کسی حصے میں پھوڑا نکل آئے تو اس کا علاج ڈاکٹر سے کروایا جاتا ہے اور ڈاکٹر بھی اسی وقت تک دوائی دیتا ہے جب تک اسے یہ یقین ہو کہ اس پھوڑے سے جسم کا باقی حصہ متاثر نہیں ہو گا اور جب باقی حصے متاثر ہونے لگیں تو اس صورت میں اس عضو کو کاٹ کر جسد انسانی سے الگ کر دینے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں ہوتا۔

کیا مرض جب اس درجے کو پہنچ چکا ہو اور ڈاکٹر اس حصے کو جسم سے الگ کر دے تو کوئی عقلمند یہ اعتراض کرے گا کہ ڈاکٹر صاحب نے ظلم کیا۔ انسانی جسم کو بگاڑ دیا۔ اچھی خاصی صورت بگاڑ دی؟

جس کو اس مرض کے مہلک ہونے کا احساس ہو جاتا ہے وہ نہ ہی ڈاکٹر کے اس فعل کو غلط قرار دیتا ہے اور نہ ہی اس فعل کی حکمتیں دریافت کرتا ہے۔ بس یہی حال جسم انسانیت کا ہے کہ اس انسانیت کے جسم پر جہاں جہاں کفر اور منافقت کے پھوڑے نکل آئیں اور باقی جسم کو نقصان پہنچانے لگیں تو ان حصوں کو ختم کر دینا ضروری ہے تاکہ بقیہ جسم محفوظ رہ سکے۔ انبیاء علیہم السلام کی نگاہیں حقیقت شناس ہوتی ہیں اس لئے انہیں خبر ہوتی ہے کہ کس مرض کا علاج کس طرح سے کرنا ہے۔

www.ahnafmedia.com

کفر سے نفرت

انبیاء علیہم السلام کفر سے نفرت اور بیزاری کی تعلیم دیتے رہے ہیں اور شریعت یہ سکھلاتی ہے کہ کفر اور اس کی ہر معاون چیز سے نفرت کی جائے۔ کفر کے اثرات سے اپنے آپ کو محفوظ رکھا جائے۔ نہ یہ کہ کافر سے نفرت کی جائے۔ کافر بھی انسان ہے مگر اس میں کفر کا داغ ایسی چیز ہے جو قابل نفرت ہے جس داغ نے اس کی تمام شخصیت کو داغ دار بنا دیا ہے۔ جہاں کہیں بھی شریعت نے کافروں کے خلاف کوئی حکم دیا ہے یا کافروں کو برا کہا ہے تو اس حیثیت سے نہیں کہ وہ اللہ کی مخلوق ہیں بلکہ اس حیثیت سے کہ انہوں نے کفر کے ارتکاب کی وجہ سے اپنے آپ کو عالم آدمیت سے خارج کر کے حیوانات کی فہرست میں لا کھڑا کیا ہے۔ اگر وہ کافر کفر سے توبہ کر لے اور اسے چھوڑ دے تو پھر وہ مسلمانوں کا بھائی ہے اور یہاں عزت کا معیار تقویٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صاف الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے۔

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ۔

(پارہ:۱۰- سورۃ التوبۃ- آیت:۱۱)

سو اگر یہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں۔

مگر جب تک وہ کفر کو چھوڑ نہ دیں ان کی مخالفت انہیں نقصان پہنچانا اور اللہ تعالیٰ کی وجہ سے ان سے نفرت کرنا یہ جذبہ اور عمل اللہ تعالیٰ کی نظر میں نہایت مقبول اور پسندیدہ اعمال میں سے ایک ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کس کا عمل مستند ہو سکتا ہے۔ آپ کا رویہ کفار کے ساتھ ایمان اور کفر کے مسئلے میں نہایت شدید تھا اور شدید کیوں نہ

ہوتا اللہ تعالیٰ نے ان کے سچے جان نثاروں اور رفقاء کار رضی اللہ عنہم کی صفات میں یہ بات ارشاد فرمائی ہے۔

اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ

(پارہ:۲۶- سورۃ الفتح- آیت:۲۹)

وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں۔

انہوں نے کافروں کے مقابلے میں یہ شدت کہاں سے سیکھی تھی؟ یہ سب فیوض و برکات تھے اس عزت مآب ہستی کے جس کی صحبت سے یہ شب و روز مستفید ہوتے تھے۔ صلح حدیبیہ میں مسلمانوں نے جن شرائط پر صلح کی تھی بظاہر ان سے مسلمانوں کی کمزوری دکھائی دے رہی تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جو حال اس معاہدے پر تھا حدیث و سیرت کی کتابوں پر جس کی نگاہ ہو اس سے چنداں پوشیدہ نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین مکہ کو جلانے کے لئے اس موقع پر ان کے سامنے ابوجہل کا وہ اونٹ ذبح کیا جس کے ناک میں اس ظالم نے کہیں چاندی کا حلقہ ڈلوایا تھا اور غالباً بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حصے میں یہ آیا تھا۔ مشرکین کے سامنے ان کے ایک بہت بڑے سردار کے اس اونٹ کو ذبح کرنا جسے مسلمانوں نے بزور شمشیر حاصل کیا تھا اور کافروں کی ذلت کا نشان تھا یہ سب سوائے اس کے کیا تھا کہ مشرکین جب اس نظارے کو دیکھیں تو جل بھن کر رہ جائیں[1]۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ "رحمۃ اللعالمین" ہیں لیکن اس کا یہ مطلب اخذ کرنا کہ وہ کافروں کے مقابلے میں شریعت کے معاملے میں نرم تھے بالکل غلط ہے۔ وہ کافروں کے مقابلے میں نہایت سخت تھے۔ اللہ تعالیٰ نے خود انہیں کافروں اور منافقوں کے مقابلے میں سختی کا حکم دیا تھا۔

---

[1] الرحیق المختوم ص 545

www.ahnafmedia.com

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ

(پارہ: ۱۱- سورۃ التوبۃ آیت:۷۳)

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کفار اور منافقین کا پوری قوت سے مقابلہ کرو ان کے ساتھ سختی سے پیش آؤ۔

اس حکم کے بعد کیا یہ تصور بھی کیا جاسکتا ہے کہ وہ کافروں کو شریعت کے معاملے میں معاف فرمادیتے تھے؟ کافروں کا دل جلانے کے لئے ایک واقعہ ابھی گزرا ہے۔ دوسرا یہ حکم ہے تیسرے بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ کچھ کافروں نے ستر صحابہ رضی اللہ عنہم کو بئر معونہ میں شہید کر دیا تھا تو آپ ایک مہینہ تک ان کے لئے بد دعا فرماتے رہے۔ چوتھے اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ کافروں کے مقابلے میں سخت رہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً

(پارہ: ۱۱ - سورۃ التوبۃ - آیت: ۱۲۳)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو جہاد کرو ان منکرین حق سے جو تم سے قریب ہیں اور چاہئے کہ وہ تمہارے اندر سختی پائیں۔

تو کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حکم سے سرتابی کر سکتے تھے؟

اس لئے "رحمۃ اللعالمین" کا جو تصور ہمارے ہاں لے لیا گیا ہے اور پیش کیا جاتا ہے وہ درست نہیں ہے۔ تاثر یہ دیا جاتا ہے کہ وہ تو کافروں کو کچھ بھی نہیں کہتے تھے اور اسلام کے خلاف جو ہوتا رہے وہ معاف فرمادیتے تھے اور افسوس تو یہ ہے کہ اسلام کے بعض نادان دوست بھی اپنی محنت و قوت اس مقصد کے لئے صرف کرتے ہیں کہ کافروں کے مقابلے میں نرمی اختیار کرنی چاہئے اور دلیل کے

لئے پر وہ سنت نبوی علیہ السلام کا حوالہ پیش کرتے ہیں۔ کافروں کے مقابلے میں شریعت کے سلسلے میں نرمی اختیار کرنا اور جھکتے چلے جانا یہاں تک کہ کافروں کے تسلط پر بھی آواز بلند نہ کی جائے یہ ظلم ہے اور اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسا پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام مبعوث نہیں فرمایا جو ظلم کا مددگار بن جائے رسالت مآب علیہ الصلوۃ والسلام کے معاملے میں اس غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے اس لئے یہ چند سطریں نوک قلم پر آرہی ہیں۔

دوسری طرف جہاں تک معاف فرمانے کا تعلق ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات مبارکہ کے لئے کسی سے کبھی انتقام لیا ہو، ایسا نہیں ہوا۔ بڑے سے بڑے دشمن کو بھی ذاتی تکلیف دہی پر معاف فرما دیا۔ شریعت کے پھیلانے کے لئے تبلیغ میں کفار مکہ نے جو ظلم و ستم کئے تھے۔ طائف میں آپ کی ذات مبارکہ کے ساتھ جو کچھ کیا گیا تھا احد کے دن آپ کو جو زخم آئے تھے سبھی کی معافی فرماتے رہے ہیں مگر اللہ کے دین کے سلسلے میں کوئی رعایت نہیں دی۔ جس طرح یہ حقیقت ہے اور اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عمر کسی سے ذاتی انتقام نہیں لیا اسی طرح یہ بھی ناقابل تردید حقیقت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفر کے مقابلے میں کبھی نرمی کا مظاہرہ فرمایا ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس بات کو بہت اچھے انداز میں بیان فرمایا ہے[1]

قالت ما خیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی امرین قط الا اختار ایسرھما مالم یکن اثما فان کان اثما کان

[1] الشفاء ج- ۱ ص- 61

www.ahnafmedia.com

ابعد الناس منه وما انتقم رسول الله صلى الله عليه وسلم لنفسه الا ان تنتهك حرمة الله تعالىٰ فينتقم لله بها۔

فرماتی ہیں رسول ﷺ کو جب بھی دو کاموں میں سے ایک کے انتخاب کا اختیار دیا جاتا تھا تو آپ آسان کام کو پسند فرما کر اختیار کر لیتے تھے۔ جب تک کہ وہ گناہ نہ ہو اور اگر وہ گناہ ہوتا تھا تو آپ اس سے سب سے زیادہ دور رہنے والوں میں سے ہوتے تھے۔ اور رسول ﷺ نے اپنی ذات مبارکہ کے لئے کبھی انتقام نہیں لیا لیکن جب اللہ تعالیٰ کے کسی قانون کو کوئی توڑتا تھا تو پھر آپ اللہ ہی کے لئے اس سے انتقام بھی لیتے تھے۔

اس لئے ذاتی معاملات میں معاف کرنا رسول اللہ ﷺ کی سنت مبارکہ ہے بلاشبہ اس پر عمل کیا جائے مگر کفر اور اسلام کے سلسلے میں نرم رویہ اختیار کرنا اور کفر کی رعایت اور خوشامد کرنا' سنت نبوی نہیں بلکہ بے حسی ہے۔

شریعت نے کب "عدم تشدد" کا فلسفہ دیا ہے؟ یہ تو گاندھی کا فلسفہ تھا جس کا ضمیر اور خاک دونوں ہندومت کے تھے گاندھی نے جہاں سے اس فلسفے کو لیا تھا اپنی تحریروں میں اپنے اس گرو کا بھی نام لیتا ہے کہ وہ انسان ٹالسٹائی (TOLS TOY) تھا[1] گاندھی پر ٹالسٹائی کی تحریروں کا بہت گہرا اثر تھا اور اس کا

[1] ٹالسٹائی (LEO NIKOLAY EVIEH TOLS TOY) بہت مشہور مصنف اور فلسفی تھے۔ ان کی پیدائش 1828ء میں روس میں ہوئی۔ تعلیم مکمل نہیں کی اور اپنے خاندانی پیشے زراعت کو اپنا لیا۔ اس میں بھی ناکامی ہوئی پیسہ کافی تھا اس لئے ماسکو کا رخ کیا اور کئی سال تک امیرانہ عیش و عشرت کی زندگی بسر کی۔ اس کے بعد 1851ء میں فوج میں چلے گئے۔ پھر یہاں سے جی بھرا تو مستعفی ہو گئے۔ وہ افسانہ نگار بھی تھے اور ان کے سب سے اہم اور دنیا بھر میں شہرت پانے والے دو ناول جنگ اور امن (WAR AND PEACE) اور انا کارینینا (ANNA KARENINA) عالمی طور پر ادب کا ایک شاہکار تسلیم کئے گئے۔ 1857 میں وہ فوج سے مستعفی ہوئے اور 1876 میں انہیں اپنے مذہب عیسائیت سے بھی اختلاف ہو گیا

راف خود گاندھی بھی کیا کرتا تھا۔ وہیں سے اس نے "عدم تشدد" کا فلسفہ کر لیا تھا۔ وہ فلسفہ جس کا تانا بانا دوبد مذہب انسانوں کا تیار کردہ ہو مسلمانوں اس سے کیا غرض؟ بھلا وہ قوم جس کے آباؤ اجداد خالد' طارق' محمد بن قاسم' وی' اورنگ زیب' سید احمد شہید اور اسیر مالٹا شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہم اللہ وہ اس فلسفے کا پرچار کریں گے کہ "عدم تشدد" کو بنیاد بنا کر دین کی خدمت وتی ہے۔

تشدد اور عدم تشدد دونوں درست ہیں مگر دونوں کے مقامات مختلف ہیں نرمی اور سختی دونوں درست ہیں مگر دونوں کے مقامات مختلف ہیں نرمی اور ملا مت ریشم کے حق میں صفت ہے اور تلوار کیلئے عیب ہے۔ سختی تلوار کا جوہر ہے مگر ریشم کیلئے عیب کی چیز ہے۔ علامہ اقبال مرحوم نے اسی لئے یہ بات کہی ہے کہ

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل میں فولاد ہے مومن

اس لئے مجاہد انسان جب جہاد کی بجائے عدم تشدد کا قائل ہونے لگے تو پھر وہ ایسا سورج ہے جو خود اپنی روشنی اور کرنوں سے بے زار ہو جائے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا کفار کے مقابلے میں "شدید" ہونا تو قرآن کریم نے بیان کیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کی شان میں مزید یہ الفاظ ارشاد فرمائے ہیں

لکن انجیل کے الفاظ "میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ رسید کرے دوسرا گال بھی اس کے سامنے کر دے" نے ان کی کایا پلٹ دی اور انہوں نے عدم تشدد کی تعلیم دینا شروع کی۔ کلیسا بھی ان سے تنگ آ گیا اور 1901ء میں انہیں کلیسا نے اپنے حلقے سے نکال باہر کیا۔ آخر کار وہ نومبر 1910ء میں اپنے گاؤں میں انتقال کر گئے۔ لیکن وہ ہمیشہ گوشت' شراب' نشہ آور اشیاء اور تمباکو وغیرہ کے خلاف جدوجہد کرتے رہے۔ مہاتما گاندھی نے اس ٹالسٹائی کا بہت گہرا مطالعہ کیا تھا اور ان کی تحریروں کا گہرا اثر قبول کر لیا تھا۔ مہاتما گاندھی کو خود اعتراف تھا کہ وہ ٹالسٹائی کی فکر سے کافی متاثر ہیں چنانچہ گاندھی نے بھی "اہمسا" یعنی عدم تشدد کا پرچار شروع کیا اور یہاں تک گئے وہ خود ایک ہندو کے تشدد کا شکار ہو گئے۔

www.ahnafmedia.com

لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ

(پارہ:۲۶- سورۃ الفتح- آیت:۲۹)

تاکہ کفاران (صحابہ رضی اللہ عنہم) کے پھلنے پھولنے پر جلیں

اللہ تعالیٰ نے ترقی کی مثال دی ہے جو روز بروز ہوتی چلی جاتی ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی فتوحات اور اسلام میں داخل ہونے والے لوگوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہوتا چلا جارہا تھا اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم یہ سب فضل و انعام اس لئے فرما رہے ہیں تاکہ کافر اس کو دیکھ کر جلتے رہیں۔

غلبہ حق

شریعت اسلامی کا مزاج یہ ہے کہ وہ تمام ادیان باطلہ پر اپنا غلبہ چاہتی ہے اور اسلام کے مقابلے میں کفر کی مغلوبیت کی طلب گار ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ

(پارہ۲۸ - سورۃ الصف - آیت:۹)

وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے
تاکہ اسے پورے کے پورے دین پر غالب کر دے خواہ مشرکین کو یہ
کتنا ناگوار ہو۔

اس آیت کریمہ میں صاف صاف ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ کافروں کو اگرچہ کتنا ہی ناگوار ہو مگر اللہ تعالیٰ نے اس دین کو بھیجا ہی اس لئے ہے کہ وہ کفر پر غالب آ جائے۔ برف کا ایک مزاج ہے کہ وہ ٹھنڈک پیدا کرتی ہے آگ کا اپنا ایک مزاج ہے کہ وہ گرمی اور حرارت کو جنم دیتی ہے اسی طرح اس دین متین کا بھی اپنا ایک مزاج ہے اور وہ کفر کو ہمیشہ مغلوب رکھنے کا ہے اور پھر یہ دین کچھ رسوم و رواجات کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ مکمل ضابطہ حیات ہے تو لوگ کیا اللہ تعالیٰ کے اس پسندیدہ

و منتخب فرمودہ دین کو چھوڑ کر کوئی اور دین اختیار کرنا چاہتے ہیں حالانکہ زمین و آسمان اسی مالک حقیقی کے مطیع و فرمانبردار ہیں۔

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ

(پارہ:۳- سورہ ال عمران- آیت:۸۳)

اب کیا یہ لوگ اللہ کی اطاعت کا طریقہ (دین اللہ) چھوڑ کر کوئی اور
طریقہ چاہتے ہیں۔ حالانکہ آسمان اور زمین کی ساری چیزیں چار و ناچار
اللہ ہی کی تابع فرمان ہیں اور اسی کی طرف سب کو پلٹنا ہے۔

اسی کا دین غالب آنے والا دین ہے اور کافر ضرور رسوا ہوں گے

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ۔

(پارہ:۱۰- سورۃ التوبۃ- آیت:۲۵۶)

یقیناً ذلیل ترین مخلوقات میں سے ہیں وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول
کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول
غالب ہو کر رہیں گے۔ فی الواقع اللہ زبردست اور زور آور ہے۔

اور اس قسم کی متعدد آیات سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ شریعت اپنا غلبہ اور اپنے مقابلے میں کفر کی مغلوبیت کا مزاج رکھتی ہے اور اپنے ماننے والوں سے اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ وہ شریعت الٰہیہ کو غالب کرنے کی مسلسل جدوجہد کرتے رہیں۔ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ نے اس حقیقت کی طویل بحث کو چند جملوں میں سمیٹ دیا ہے تحریر فرماتے ہیں[1]

[1] سیرۃ المصطفیٰ ج2، ص26

www.ahnafmedia.com

"جہاد کے حکم سے خداوند قدوس کا یہ ارادہ نہیں کہ یکلخت کافروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے بلکہ مقصود یہ ہے کہ اللہ کا دین' دنیا میں حاکم بن کر رہے اور مسلمان عزت کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ اور امن وعافیت کے ساتھ خدا کی عبادت اور اطاعت کر سکیں۔ کافروں سے کوئی خطرہ نہ رہے کہ ان کے دین میں خلل انداز ہو سکیں۔ اسلام اپنے دشمنوں کے نفس وجود کا دشمن نہیں بلکہ ان کی ۸ ایسی شوکت و حشمت کا دشمن ہے کہ جو اسلام اور اہل اسلام کیلئے خطرہ کا باعث ہو"

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شریعت مطہرہ نے کفر و منافقت کی شان و شوکت توڑنے اور اسے مغلوب رکھنے کیلئے کیا کیا احکامات بتلائے ہیں؟

کفر ایک ظلم ہے

شرک بھی ایک ظلم ہے

منافقت بھی ظلم ہی کا ایک حصہ ہے

اور جس طرح ایک سلیم الفطرت انسان کو ظلم سے نفرت ہونی چاہئے اسی طرح اسے ظلم کے ان تمام مترادفات (کفر' شرک اور منافقت) سے بھی نفرت ہونی چاہئے۔

یہ ظلم جب ترقی پذیر ہوتا ہے اور اپنی شان و شوکت کے ساتھ اپنے وجود کے قیام کیلئے جدوجہد کرتا ہے تو اہل ایمان کی طبائع پر گراں گذرتا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ شریعت کے حکم پر عمل کریں اس کے مزاج کے مطابق کام کریں اور وہ یہ کہ کفر مغلوب رہے کسی صورت بھی وہ اسلام کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات نہ کر سکے۔ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے مقابلے میں اس زمین پر کسی کی اطاعت کا وجود باقی نہ رہے۔ اس مقصد کے حصول کیلئے اللہ تعالیٰ نے چند ایک قوانین طے فرمائے ہیں جن میں سے پہلا تو یہ ہے۔

قبولیت اسلام

کافر اپنی رضا اور رغبت سے بغیر کسی جبر کے اسلام قبول کر لیں اور مسلمان

ہو جائیں۔ مسلمان ہو جانے کے بعد وہ باقی تمام مسلمانوں کے بھائی شمار کئے جائیں گے۔ مسلمان قوم میں داخل ہو جائیں گے اور ان تمام حقوق کے مالک اور فرائض کے پابند ہوں گے جو حقوق اور فرائض کسی بھی مسلمان سے متعلق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ۔

(پارہ:۱۰- سورۃ التوبۃ آیت:۱۱)

سو اگر یہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں۔

اس طرح جب لوگ اپنی رضا اور رغبت سے مسلمان ہونا شروع ہو جائیں گے تو کفر کی شان و شوکت ٹوٹتی چلی جائے گی اور وہ مغلوب ہوتا چلا جائے گا۔

رضا اور رغبت کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ اسلام قبول کرنے پر کسی کو جبر نہیں کیا جا سکتا کوئی انسان جب قبول کرلے تو جبر ہو سکتا ہے کہ وہ اسلام قبول کرے مگر قبولیت اسلام میں جبر کرنا حرام ہے اگر جبر سے ہی لوگوں کو اسلام میں داخل کرنا ہوتا تو اللہ تعالیٰ خود ہی جبر فرما دیتے قرآن کریم صاف صاف یہ بتلاتا ہے کہ

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ۔

(پارہ:۳- سورۃ البقرۃ- آیت:۲۵۶)

دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔ صحیح بات غلط خیالات سے الگ چھانٹ کر رکھ دی گئی ہے۔

رسول اللہ ﷺ سے ارشاد فرمایا گیا ہے۔

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَن فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا أَفَأَنتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ

(پارہ:۱۱- سورۃ یونس- آیت:۹۹)

www.ahnafmedia.com

اور اگر تیرے پروردگار کی مشیت یہ ہوتی (کہ زمین میں سب مومن
اور فرمانبردار ہی ہوں) تو سارے اہل زمین ایمان لے آئے ہوتے۔
پھر کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے کہ وہ مومن ہو جائیں۔

انسان کو اختیار دیا گیا ہے کہ خواہ وہ اسلام قبول کرے اور خواہ وہ کفر کرے حق بات تو بالکل واضح ہے پھر کسی پر بھی جبر کی کیا ضرورت ہے۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ

(پارہ:۱۵- سورۃ الکھف- آیت:۲۹)

اور آپ صاف فرما دیجئے کہ یہ حق ہے تمہارے پروردگار کی طرف سے
اب جس کا جی چاہے مان لے اور جس کا جی چاہے انکار کر دے۔

کس قدر صاف اور واضح ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ کفر یا اسلام دونوں میں سے ایک کا انتخاب کرے اللہ تعالیٰ نے انسان کو اختیار دیا ہے جبر نہیں کیا اور نہ ہی جبر کرنے کا حکم دیا ہے۔ اگر کوئی شخص فرض کیجئے جبر سے اسلام کو قبول بھی کر لیتا ہے لیکن دل سے ان چیزوں کی تصدیق نہیں کرتا جن پر ظاہر میں ایمان لایا ہے تو اس کا یہ ایمان قیامت میں اسے ہرگز کوئی نفع نہ دے گا۔ یہ تو اعتقادی منافقت ہے اگرچہ ظاہراً اقرار کی وجہ سے اس پر مسلمان ہونے کا حکم دیا جائے وہ مرجائے تو اس کا جنازہ بھی پڑھا جائے۔ مسلمانوں کے قبرستان میں اسے دفن کیا جائے۔ اس کا نکاح درست قرار دیا جائے اور ظاہراً جو فرائض اور حقوق مسلمان کے مسلمانوں پر بنتے ہیں وہ سب کے سب ادا اور وصول کئے جائیں مگر درحقیقت اللہ تعالیٰ کی نظر میں تو یہ کافر ہی ہے بلکہ منافق ہے کہ ظاہر میں اسلام اور باطن میں کفر ظاہر و باطن کا یہ تضاد ہی اسے اللہ تعالیٰ کی نظر سے گرانے اور جہنم کا ایندھن بنانے کو کافی ہے۔ ایسے جبری اسلام کا اسے کوئی نفع نہ ہوا اور اسی لئے جبراً مسلمان

کرانے کی اجازت بھی نہیں دی گئی۔ اس سلسلے میں عبداللہ بن ابی اور اس کے گروہ کی مثال بہت واضح ہے جبراً مسلمان کرنا ہوتا تو کیا رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ کے یہودیوں کو مسلمان نہ کر لیتے؟ خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا تمام دور اسی طرح گزرا ہے کہ انہوں نے ہر ایک کو مذہبی آزادی دی اور جبراً مسلمان نہیں بنایا۔ حضرت امیر المومنین سیدنا عمر فاروقؓ دینی صلابت اور اپنی طبیعت کی شدت میں مشہور تھے اور یہ خاص اللہ تعالیٰ کا انعام اور احسان تھا جو اس سعید روح پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا مگر اس شدت و صلابت کے باوجود ان کے اپنے غلام "اسبق" کا بیان ہے کہ میں ان کا غلام تھا اور عیسائی تھا۔ انہوں نے مجھے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو میں نے انکار کر دیا میرے انکار پر امیر المومنین رضی اللہ عنہ فرمانے لگے۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ

دین کو قبول کرنے میں کوئی جبر نہیں۔

یعنی ہم تمہیں جبراً تو مسلمان نہیں بنا سکتے اور پھر فرمایا

اسبق اگر تو مسلمان ہو جاتا تو (تیری غیر معمولی صلاحیتوں کی وجہ سے)
ہم تجھ سے مسلمانوں کے خاص کاموں میں (جو حکومت سے متعلق ہیں)
مدد لیتے۔

یہ تو خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم میں سے ایک کا ذکر ہے ورنہ تو سبھی ایسے تھے کہ ان کے بعد بھی کسی نے کسی کو جبراً مسلمان کبھی بھی نہیں بنایا۔ دور کیوں جائیں اگر جبراً مسلمان بنانے کا اسلام نے حکم یا اجازت دی ہوتی تو برصغیر میں ہندوؤں کی اکثریت نہ ہوتی۔ مسلمانوں نے صدیوں اس خطے میں حکومت کی ہے لیکن اس کے باوجود اکثریت ہندوؤں ہی کی اب تک پائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کفر

[1] تفسیر ابن کثیر ج- ۱، ص- 311

www.ahnafmedia.com

کو مغلوب اور اس کی شان و شوکت ختم کرنے کیلئے پہلا حکم تو یہ ارشاد فرمایا ہے کہ کافروں پر اسلام پیش کیا جائے اگر وہ مسلمان ہو جاتے ہیں تو ان کی قوت اور تعداد میں فرق پڑ جائے گا۔

دوسرا قانون یہ ہے کہ

جزیہ ادا کر دیں

جزیہ کا حکم قرآن کریم کی اس آیت کریمہ سے لیا گیا ہے

حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ

(پارہ: ۱۰- سورۃ التوبۃ آیت: ۲۹)

(ان سے لڑتے رہو) یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں۔

جزیہ کے معنی لغت میں "بدلہ" اور "جزا" کے آتے ہیں شریعت کی اصطلاح میں اس کا مطلب یہ ہے کہ "کافروں سے وہ رقم لی جاتی ہے جس کے عوض میں وہ قتل ہونے سے محفوظ رہیں" کفر اور شرک کی اصل سزا تو یہی تھی کہ چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی بغاوت ہے اس لئے باغی کو قتل کر دینا چاہئے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ سے یہ اجازت مرحمت فرمادی کہ کافر اگر مسلمانوں کے شہری بن کر اسلامی قانون کے تحت زندگی بسر کرنا چاہیں تو ایک معمولی سی رقم کے عوض اپنے جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کر سکتے ہیں۔ ایک بات تو یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ جزیہ اسلام کا معاوضہ نہیں ہے کہ کافروں کو اجازت دی جا رہی ہو وہ اپنے کفر کے عوض میں پیسے ادا کرتے رہیں بلکہ یہ تو معاوضہ اس سزا کا ہے جو کفر کے عوض میں ان پر نافذ ہونی چاہئے تھی یعنی قتل۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان پر احسان فرمایا کہ انہیں قتل سے محفوظ کر دیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ جزیہ ادا کر دینے کے بعد اسلامی حکومت میں ان کافروں کو جان و مال کی مکمل حفاظت فراہم کی جائے گی۔

امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایک جملے میں پوری بحث کو سمیٹ دیا ہے[1]

انما بذلوا الجزیۃ لتکون دماؤھم کدمائنا واموالھم کاموالنا۔

کفار جزیئے کی ادائیگی اس لئے کرتے ہیں کہ ان کا خون (یعنی جان) ہمارے خون کی طرح ہو جائے اور ان کے اموال ہمارے اموال کی طرح۔

یعنی ان سے جو جزیئے میں رقم وصول کی جاتی ہے اور ادائیگی کروائی جاتی ہے اس لئے ہے کہ جس طرح مملکت میں ایک مسلمان شہری کی جان اور مال کو تحفظ حاصل ہے بالکل اسی طرح اس غیر مسلم کی جان مال کا بھی تحفظ فراہم کیا جائے گا جبکہ وہ جزیہ ادا کر چکا ہو اور حتیٰ کہ ان کے اپنے مذہبی تہوار اور رسومات انہیں منانے دی جائیں گی اور اسلامی حکومت ان کے مذہبی معاملات میں دخل نہ دے گی۔ تیسری بات یہ ہے کہ جزیہ کی رقم مسلمان اور کافر اگر باہمی رضامندی سے طے کر لیں تو پھر ان کافروں سے اتنا ہی لیا جائے گا جو طے ہو چکا ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے نجران کے عیسائیوں سے یہ طے کر لیا تھا کہ وہ سالانہ دو ہزار کپڑوں کے جوڑے مدینہ طیبہ بھیجا کریں گے اور ایک جوڑا تقریباً ساڑھے گیارہ تولے چاندی کا ہو گا۔ حضرت امیر المومنین سیدنا عمر فاروقؓ نے بنی تغلب کے عیسائیوں سے یہ معاہدہ کر لیا تھا کہ وہ زکوٰۃ سے دگنی رقم ہر سال بیت المال میں جزیہ کے طور پر جمع کروائیں گے۔ اسی طرح امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمادیا کہ اگر کوئی مملکت جنگ کے بعد فتح ہوتی ہے تو وہاں کی زمینیں وہاں کے باشندوں ہی کی رہیں گی اور اگر وہ ہماری رعایا بن کر غیر مسلم رہنا چاہیں تو ہم انہیں جزیئے کی ادائیگی کے بعد تحفظ فراہم کریں گے

---

[1] شامی ج 4، ص 129 مطلب فی ان الکفار مخاطبون بفروع الشریعۃ

www.ahnafmedia.com

اور جزیہ جو وصول کیا جائے گا سرمایہ دار سے چار درہم عام متوسط شہری سے دو درہم اور غریب محنتی یا مزدور یا چھوٹی تجارت کرنے والے سے ایک درہم ماہانہ لیا جائے گا[1] بالکل مفلس قلاش، عورتوں، بچوں، بوڑھوں معذوروں اور تارک الدنیا مذہبی پیشواؤں سے کچھ بھی نہ لیا جائے گا۔

اسی بناء پر بعض آئمہ کی رائے تو یہ ہے کہ جزیہ کی کوئی خاص مقدار شریعت نے متعین نہیں کی بلکہ امیر المومنین کی رائے پر اس بات کو چھوڑا ہے کہ وہ جسے مناسب سمجھیں حالات کو دیکھ کر اس رقم کا تعین کر لیں۔

چوتھی بات یہ بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ اس قدر کم رقم لے کر ایک غیر مسلم کو جان و مال کا تحفظ فراہم کیا جا رہا ہے۔ کوئی مسلمان اسے تنگ نہیں کر سکتا۔ اس کی مذہبی رسومات میں دخل نہیں دے سکتا۔ اس کی عزت و آبرو محفوظ رہے گی اور سب سے بڑھ کر تو یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے جزیئے کی ادائیگی کر دی اور پھر بھی اسلامی مملکت میں اس کو کسی نے تنگ کیا تو[2]

فانا حجیجه یوم القیمة۔

پھر قیامت میں میں اس غیر مسلم کی طرف سے مسلمان کے خلاف وکیل بن جاؤں گا۔

پانچویں بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے الفاظ یہ ارشاد فرمائے ہیں کہ "وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں" اپنے ہاتھ سے جزیہ دینے کا مطلب یہ کہ اسلام کی طاقت اور غلبے کو تسلیم کریں کفر کو غالب کرنے کا سودا ان کے دل دماغ میں نہ سمائے۔ وہ ماتحت بن کر اسلامی حکومت کے قوانین کے تحت زندگی بسر کریں۔ یہ کوئی چندہ یا خیرات نہیں ہے کہ وہ خواہ دیں یا دل نہ چاہے تو نہ

---

[1] ایک درہم سے مراد ساڑھے تین ماشے چاندی ہے اس تمام بحث کو تفصیل سے دیکھنا مطلوب ہو تو شامی ج-4، کتاب الجہاد کی فصل الجزیۃ ملاحظہ کی جائے

[2] تفسیر مظہری ج4، ص187

دیں۔ یہ لازمی رقم ہے۔ جس کی ادائیگی انہیں کرنی پڑے گی تاکہ انہیں اسلام کا رعب اس کی ہیبت اور دبدبہ معلوم ہو سکے۔

چھٹی بات یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وہ چھوٹے بن کر رہیں" تو مراد یہ ہے کہ جہاد کا یہ مقصد نہیں ہے کہ وہ ضرور اسلام کو قبول کر لیں۔ اس کے مقاصد میں سے ایک بڑا مقصد یہ بھی ہے کہ کفر کا جو مسلسل جرم وہ کر رہے ہیں اس کی سزا انہیں ملنی چاہئے۔ اللہ کے باغیوں اور سرکشوں کی سزا یہی ہے کہ وہ "چھوٹے" بن کر رہیں۔ زمین پر اگر انہیں سلطنت مل جائے تو وہ کفر کو عملاً رائج کر دیں۔ ظلم کے اڈے آباد ہونے لگیں تباہی و بربادی کی داستانیں رقم ہونے لگیں اس لئے

اسلامی حکومت اور اسلامی قوانین کے تحت جو عدل اور رحمت پر مبنی ہیں اپنی جان، مال، عزت اور زندگی ہر چیز کو محفوظ کریں اور ان کی اس خدمت اور حفاظت کی یہ ایک مختصر سی قیمت ہے۔

فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ جزیہ دینے کیلئے کافر خود آئے گا اپنے کسی نائب کو بھی نہیں بھیج سکتا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اسے بار بار ہر ماہ یا ہر سال یہ احساس ہوتا رہے کہ وہ کس ذلت میں مبتلا ہے اگر وہ اللہ کا دین قبول کر لیتا مسلمان ہو جاتا تو اس ذلت سے نکل کر ہر سال اللہ تعالیٰ کی راہ میں زکوٰۃ، قربانی، عشر اور صدقات خیرات دینے کی عزت اور ثواب سے بہرہ ور ہوتا۔

کفر کو مغلوب رہنا چاہئے اور اسلام کو غالب اس مغلوبیت کے سلسلے میں یہی دوسرا قانون "جزیہ" کا ہے۔ تیسری صورت میدان جنگ میں آمنے سامنے آجانے کی ہے جس کی تفاصیل اس کتاب میں کچھ تو گزر چکی ہیں اور

کچھ مزید آگے آرہی ہیں۔ ان تین احکامات کے بعد کفر کی مغلوبیت کیلئے جو ایک طریقہ شریعت نے وضع کیا ہے وہ یہ ہے کہ

www.ahnafmedia.com

غلاموں اور باندیوں کا مسئلہ

کافر جب مسلمانوں کے خلاف میدان جنگ میں نبرد آزما ہوں تو کفر کو مغلوب کرنے کی غرض سے جب وہ قیدی ہو کر آئیں تو انہیں غلام بنالیا جائے۔

غلاموں اور باندیوں کا مسئلہ ایسا ہے کہ اب بھی کچھ "دانشور" حضرات اسلام کے اس مسئلہ پر بہت معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان کی "روشن خیالی" انہیں یہ بتلاتی ہے کہ اس مسئلے میں تو بہت شرم اور عار کی باتیں ہیں اعتراضات اٹھیں گے۔ اسلام پر پھبتیاں کسی جائیں گی۔ لہٰذا عافیت اسی میں ہے کہ اس سلسلے میں معذرت کر لی جائے اور گویا کہ عملاً یہ تسلیم کر لیا جائے اسلام میں یہ ایک خامی رہ گئی تھی۔ ان کی عقل یہ تقاضا کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو نبوت کے فوراً بعد یہ اعلان کر دینا چاہئے تھا کہ غلامی کرنا یا غلام بنانا حرام اور ناجائز ہے تاکہ آج ہم فخر سے یہ کہہ سکیں کہ غلامی کو ہم نے ختم کیا ہے۔ اسی طرح کا رویہ ان حضرات کا "جزیے" کے مسئلے میں بھی نظر آتا ہے۔ جب ان سے یہ پوچھا جائے کہ جناب اسلام میں جزیہ دینے کا کیا تصور ہے۔ اس صدی کے ابتدائی دور میں ان اور ان سے ملتے جلتے اعتراضات کی ایک یلغار تھی جو یورپ سے برصغیر میں آرہی تھی اور اس وقت بھی بہت سے لوگوں نے یورپی پادریوں اور عیسائیوں کے جواب میں جو کچھ تحریر کیا تھا وہ اسی شرمسازی اور ندامت کے احساسات کے ساتھ تھا۔ جس صاحب نظر نے اس دور کے لٹریچر کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتا ہے کہ ہر آنے والی صبح میں عیسائی پادری کس قدر جرأت سے اعتراض کرتے تھے اور برصغیر میں بھی کتنے ہی ایسے تھے جو پوری پوری کتابیں اس موضوع پر لکھ رہے تھے کہ غلامی اور جزیہ تو گویا کہ ایک عیب تھا جس کی کماحقہ اصلاح نہیں ہو سکی تھی۔ اور مسلمان جہاد کا آغاز کریں یعنی اقدامی جہاد مسلمانوں نے کیوں کئے تھے؟ اس کا جواب تو اور بھی شدید معذرت سے دیا گیا بلکہ یہ ثابت

کرنے کیلئے تمام زور قلم صرف کیا گیا کہ ہم مسلمان تو ہمیشہ دفاعی جنگیں لڑتے رہے ہیں اقدامی جہاد تو ہم نے کیا ہی نہیں حالانکہ اس موقف کی گواہی سے تاریخ یکسر انکار کرتی ہے۔

آج بھی بعض "جدید فکر" کے مالک حضرات کا یہی حال ہے کہ وہ اپنے آپ کو "غلام اور باندی" کے سوالات پر "جزیہ کیوں جائز تھا" کے سوال پر بے بسی سی محسوس کرتے ہیں اور جواب نہ دے پانے کی صورت میں اس مسئلے سے انکار ہی تہذیب وثقافت کی علامت سمجھ لیا جاتا ہے۔ سوچا جائے کہ اگر یہ تمام مسئلے "عیب" ہیں اور اسلام میں انہیں نظر آتے ہیں تو ایسے "پر عیب اسلام" کے ساتھ منسلک رہنے اور پھر اس کی وکالت کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں کفر کس قدر شدید نوعیت کا جرم ہے اس کا اندازہ اس آیت کریمہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ قیامت میں جب تمام روئے زمین کے انسانوں کو حساب کیلئے جمع کیا جائے گا تو ان کافروں سے کہا جائے گا۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللَّهِ أَكْبَرُ مِن مَّقْتِكُمْ أَنفُسَكُمْ إِذْ تُدْعَوْنَ إِلَى الْإِيمَانِ فَتَكْفُرُونَ

(پارہ:۲۴- سورۃ المومن -آیت:۱۰)

جن لوگوں نے کفر کیا ہے قیامت کے روز ان کو پکار کر کہا جائے گا۔ آج تمہیں جتنا شدید غصہ اپنے اوپر آرہا ہے اللہ تم پر اس سے زیادہ غضب ناک ہوتا تھا جب تمہیں ایمان کی طرف بلایا جاتا تھا اور تم کفر کرتے تھے۔

یہ ہے اس جرم کی شدت (کہ اللہ تعالیٰ تمام عمران سے ناراض رہا) جسے شریعت کفر سے تعبیر کرتی ہے۔ جہاد کی ابتداء ہی میں یہ حکم ہے کہ انہیں اسلام کی طرف دعوت دی جائے۔ پھر جزیہ کی بات اور پھر جہاد۔ جب وہ اسلام قبول کرنے

www.ahnafmedia.com

کی بجائے کفر پر اڑتے ہیں تو یہ جرم انہیں سزا کا مستحق نہیں بنا دیتا؟ اور اس جرم کے بعد انسان کی حالت کس قدر بدل جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ۔

(پارہ: ۲۶- سورۃ محمد ﷺ آیت: ۱۲)

اور کفر کرنے والے بس دنیا کی چند روزہ زندگی کے مزے لوٹ رہے ہیں۔ جانوروں کی طرح کھا پی رہے ہیں اور ان کا آخری ٹھکانہ جہنم ہے۔

یعنی جس طرح جانور کسی قاعدہ اور ضابطے کا پابند نہیں ہوتا اسی طرح کافروں کو بھی زندگی میں کسی اصول وضابطے کی پابندی کا احساس نہیں ہوتا بس کھاتے جا رہے ہیں بغیر یہ سوچے کہ اس رزق کا کوئی مالک وخالق بھی ہے یا نہیں؟ اس کی بندگی اور شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے یا نہیں؟ اور مزے لوٹ رہے ہیں۔ جس طرح حیوانات کو کھانے پینے اور جنسی تسکین کے علاوہ اور کوئی کام نہیں ہوتا یہی حال کافروں کا ہے۔ یورپ کے (NIGHT CLUBS) کو تصور میں لا کر پھر سوچا جائے تو کیا کافروں کی یہی حالت آج بھی نہیں ہے؟

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۔

پارہ: ۱۰ سورۃ الانفال - آیت: ۵۵

یقیناً اللہ کے نزدیک زمین پر چلنے والی مخلوق میں سب سے بدتر وہ لوگ ہیں جنہوں نے حق کو ماننے سے انکار کر دیا۔ پھر کسی طرح وہ اسے قبول کرنے پر تیار نہیں ہیں۔

زمین پر چلنے والی مخلوق حشرات الارض بھی ہیں چوپائے بھی اور درندے بھی مگر

کافر اپنے کفر کی وجہ سے ان تمام سے نیچے گر جاتا ہے۔ کفر پر مشتمل زندگی اور موت حیوانات کی زندگی اور موت سے زیادہ بدتر قرار دی جا رہی ہے۔ یہ کفر جسے اتنا آسان سمجھا جاتا ہے انسان کو کس قدر ذلت آمیز گہرائیوں میں گرا دیتا ہے اور سورۃ الفرقان میں تو بالکل صاف صاف الفاظ میں فرما دیا گیا ہے۔

اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا۔

(پارہ: ۱۹- آیت: ۴۴)

کیا تم سمجھتے ہو کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے اور سمجھتے ہیں؟ یہ تو جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے۔

سو جانوروں سے بدتر مخلوق انسان بن جاتا ہے جب وہ کفر کا ارتکاب کرتا ہے۔ شیطان اور اپنے نفس کی پیروی کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اسی لئے یہ بات ارشاد فرمائی کہ ان کے دیکھنے اور سننے سے دھوکہ نہ کھانا چاہئے وہ بھی چل رہے ہیں لیکن شیطان کے پیچھے اور اپنی آخری حشر گاہ جہنم کی طرف۔ سو یہ کافر جنہیں اللہ تعالیٰ نے "بدترین مخلوق" قرار دیا جب اسلام کے خلاف اور مسلمانوں کو نیچا دکھانے کیلئے سازشیں کریں اپنی نوعیت جرم میں کس قدر شدید اضافے کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ جس طرح شخصی معاہدوں کی پابندی شریعت کی نظر میں ضروری ہے اسی طرح بین الاقوامی طور پر جو معاہدے مختلف ممالک کے درمیان طے پا جائیں ان کی پابندی بھی ضروری ہے۔ دنیا بھر کے ملکوں نے آپس میں یہ معاہدہ کر رکھا ہے کہ کہیں بھی جنگ کے بعد ایک دوسرے کے قیدی غلام نہیں بنائے جائیں گے۔ اس طرح اس معاہدے کی پابندی بھی شرعاً ضروری قرار پاتی ہے۔ ہمارے زمانے میں اس معاہدے کی وجہ سے غلام بنانا درست نہیں۔ سو

www.ahnafmedia.com

جب اس زمانے میں اس مسئلے پر عمل کی صورت نہیں رہی تو پھر کیوں اس مسئلے پر بحث کی جائے۔ انسان اپنی صلاحیتیں کسی اور تعمیری کام کیلئے کیوں نہ استعمال کرے ؟

اسلام میں کسی کو غلام بنانے کی صرف ایک ہی صورت تھی اور وہ یہ کہ کوئی کافر میدان جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھ آجائے اس کے علاوہ تمام صورتوں کو شریعت نے ناجائز قرار دیا تھا۔ کوئی کسی کو غلام بنا نہیں سکتا تھا۔ آزاد آدمیوں کو غلام بنانے سے روک دیا گیا تھا بلکہ صحیح حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آزاد آدمی کو غلام بنا کر بیچنے والے پر لعنت فرمائی اس لئے غلام بنانے کی صرف ایک صورت تھی جو اوپر ذکر کی گئی۔ اس دور میں جو غلام نسلی طور پر چلے آرہے تھے ان کا مسئلہ الگ ہے شریعت نے جس ایک صورت کی اجازت دی تھی اس کی بات چل رہی ہے۔ کافر جو میدان جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھ آتے تھے کبھی ان میں خوبیاں بھی ہوتی تھیں۔ کوئی کافر پڑھا لکھا ہوتا تھا' کوئی کافر لکڑی کا کام اچھا کر لیتا تھا کسی کا دماغ تیز چلتا تھا الغرض کافروں میں بھی صلاحیتیں ہوتی تھیں۔ اب اس باصلاحیت کافر کے تین مصرف ہوسکتے تھے ایک تو یہ کہ اسے قتل کر دیا جائے مگر اس صورت میں انسانیت کو جو فائدہ اس سے پہنچ سکتا تھا وہ ختم ہو جاتا۔ لوگ اس کے فن سے استفادہ نہ کر سکتے۔ بدر کے قیدیوں میں جو لوگ فدیہ ادا نہیں کر سکتے تھے رسول اللہ ﷺ نے ان کے پڑھا سکنے کی صلاحیت سے فائدہ اٹھایا تھا اور یہ بات ہر اس انسان کو معلوم ہے جس نے بدر کے قیدیوں کے سلسلے میں فدیئے کا باب پڑھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھانا ان کا فدیہ مقرر فرمایا تھا۔ قتل کی صورت میں تو ان قیدیوں کی صلاحیتیں برباد ہو جاتیں اس لئے اگرچہ ابتداء میں اجازت تھی مگر بعد میں منسوخ کر دی گئی۔

دوسرا مصرف یہ ہو سکتا تھا کہ ان قیدیوں کو واپس بھیج دیا جائے تو یہ معاملہ بھی خطرناک تھا وہ لوگ واپس جا کر کفر میں اور زیادہ جری ہو جاتے اور اسلام کے خلاف مزید کام کرنے کے مواقع انہیں دے دیئے جاتے۔

تیسرا مصرف یہ تھا کہ ان کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھایا جائے انہیں زندہ رکھا جائے مگر انہیں غلام بنا لیا جائے تاکہ وہ کہیں طاقتور ہو کر پھر اسلام کو نقصان نہ پہنچانے لگیں۔ سو شریعت نے اس صورت کو اختیار کر لیا تاکہ ان کی صلاحیتیں کام میں لائی جائیں اور زندگی کی مزید مہلت مل جائے مگر جب تک وہ کافر ہیں اپنے کفر کی وجہ سے مغلوب رہیں۔ عقلاً قیدیوں کیلئے یہی تین صورتیں ممکن تھیں شریعت نے سب سے بہتر صورت کا انتخاب کر دیا۔ چوتھی بات اس سلسلے میں یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے غلامی کی صورت میں ان کافروں کیلئے مسلمانوں کو قریب سے دیکھنے کا موقع عنایت فرمایا تاکہ وہ مسلمان گھرانوں کے چال چلن کو دیکھیں ان کے معاملات اللہ تعالیٰ کا خوف آخرت میں جوابدہی کا احساس دیانت وامانت' شرم وحیا یہ تمام معاملات وعبادات جب ان کی نظر میں آئیں گے تو تین ممکن ہے انہیں اسلام کی توفیق مل جائے اور اس طرح ان کی عاقبت سنور جائے۔ تفصیل کا موقع نہیں وگرنہ تاریخ میں کتنے ہی غلاموں کا نام ملتا ہے جن کی غلامی ان کے حق میں باعث رحمت ثابت ہوئی اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور پھر یہی نہیں کہ وہ مسلمان ہو گئے بلکہ آگے چل کر مسلمانوں کی حکومت کے اہم عہدے بھی ان کے پاس چلے گئے۔

مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو جنگ موتہ میں لشکر کی سپہ سالاری عطا کی تھی اللہ تعالیٰ نے اس نظام میں بھی تدریجاً اصلاح فرمائی۔ جتنے بھی غلام تھے ان کی تین ہی قسمیں تھیں۔

www.ahnafmedia.com

(1) جنگی قیدی جو غلام بنائے گئے تھے۔

(2) آزاد آدمی جنہیں جبراً غلام بنایا گیا تھا۔

(3) نسل در نسل چلے آنے والے غلام جن کے متعلق کچھ معلوم نہیں تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری صورت کو بالکل حرام قرار دیا جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے تیسری صورت کے جو غلام اب تک چلے آ رہے تھے ان کی آزادی کی ترغیب دی گئی اور کفارے میں ان کی آزادی رکھی گئی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ثواب کی خاطر اور کبھی کسی کفارے میں بھی غلام آزاد کرتے تھے۔ ان غلاموں کو آزاد کرنا ان حضرات کے نزدیک کس قدر پسندیدہ اور عظیم نیکی بن گئی تھی کہ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ معمول نقل کیا ہے کہ وہ اپنے دور خلافت میں (جو تقریباً بارہ سال پر مشتمل تھا) ہر جمعہ کو ایک غلام خرید کر اسے آزاد کر دیا کرتے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے تہتیس ہزار (30'000) غلام خرید کر آزاد کئے تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ غلام تھے جنہیں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے خرید کر آزاد کر دیا تھا۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ستر (70) کے قریب غلاموں کو رہائی بخشی اور خود رسالت مآب علیہ الصلوۃ والسلام نے تقریباً 63 غلام آزاد فرمائے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کیلئے یہ ایک عام ذوق تھا جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں اتنا ترقی کر گیا تھا کہ سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کا دور آتے آتے اس قسم (قسم نمبر 3) کے تمام غلام آزاد ہو چکے تھے۔

شریعت نے مزید دو سہولتیں غلاموں کو اور بھی دے رکھی تھیں ایک تو یہ کہ ان کا مالک وصیت کر دے کہ میرے مرنے کے بعد میرا غلام آزاد ہو جائے گا

تو یوں مالک کے انتقال پر غلام خود بخود آزاد ہو جایا کرتے تھے فقہاء نے اپنی اصطلاح میں اس طریقے کو "تدبیر" سے تعبیر کیا ہے اور دوسری سہولت یہ تھی کہ غلام اپنے آقا کے ساتھ طے کر لیتا تھا کہ وہ اسے اتنے پیسے کما کر دے گا تو رہا ہو جائے گا رقم کی مکمل ادائیگی پر وہ رہا ہو جایا کرتے تھے۔ شریعت نے اسے اپنی اصطلاح میں مکاتبت سے تعبیر کیا ہے اب مسئلہ رہ گیا ان غلاموں کا جو میدان جنگ میں آکر قیدی ہو جانے کے بعد بنتے تھے تو شریعت نے مندرجہ بالا دونوں سہولتیں انہیں بھی دی تھیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین انہیں بھی تجرید کر آزاد کر دیتے تھے۔ ان کی صلاحیتوں سے اسلامی مملکت میں فائدہ اٹھایا جاتا تھا اور کبھی اسلامی فوج مسلمان قیدیوں کے عوض میں انہیں چھوڑ دیتے تھے گویا کہ قیدیوں کا تبادلہ کر لیا جاتا تھا۔ اور اس کے علاوہ بھی کئی ایک صورتیں تھیں جن کی آزادی کیلئے شریعت نے طے کی تھیں۔ پھر سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اسلام نے انہیں غلام بنانے کی اجازت دی تھی یہ حکم نہیں دیا تھا اسی مسئلے کا دوسرا پہلو لونڈیوں یا باندیوں سے متعلق ہے۔

باندیوں کے سلسلے میں بھی ایک حیثیت تو ان کے جرم یعنی کفر کی ذہن میں رکھنی چاہئے جیسا کہ اس سے قبل تشریح کی جا چکی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ شریعت نے یہ طریقہ درست قرار نہیں دیا کہ میدان جنگ میں جس سپاہی کے ہاتھ کوئی عورت آئے وہ اسے اپنی باندی بنا لے یہ فعل حرام ہے اور اس سے مباشرت بھی حرام طریقہ یہ تھا کہ ان عورتوں کو امیر کے پاس لے جایا جاتا تھا اور پھر اس کے بعد وہ شرعی طریقہ کے مطابق ان کی تقسیم کرتے تھے۔ دار الحرب سے جب وہ دار الاسلام میں منتقل ہوتی تھیں تو ان کا نکاح ٹوٹ جاتا تھا۔ اور جس طرح نکاح میں والدین کو اولاد کا اختیار ہوتا ہے ایسے ہی یہاں کمانڈر کو اختیار شریعت نے دیا ہے کہ وہ شرعی تقسیم کے مطابق باندیوں کو

www.ahnafmedia.com

تقسیم کر دے۔ اور نکاح "ایجاب وقبول کا گواہوں کی موجودگی میں" نام ہے۔
اسی طرح کمانڈر کا باندی کو عطا کرنا یہ نکاح کے قائم مقام تھا۔ حکومت کا قانونی طور پر کسی کو باندی عطا کر دینا ایسے ہی تھا جیسے کہ حکومت کے کاغذات میں نکاح کی رجسٹریشن ہو جاتی ہے اس لئے باندی سے مباشرت کا تعلق قائم کرنا بھی حرام نہیں تھا۔ تیسری بات یہ تھی کہ باندی اگر امید سے ہوتی تھی تب بھی اس سے مباشرت نادرست تھی جب تک وہ بچے کو جنم نہ دے لے اور اگر وہ امید سے نہ بھی ہو تو بھی ایک مرتبہ اس کے ایام گزر جانے سے پہلے اس کی قربت حرام تھی۔

چوتھی بات یہ تھی کہ وہ باندی جس کی ملکیت میں ہوتی تھی بس صرف وہی اس سے فائدہ اٹھا سکتا تھا اور کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہوتا تھا۔

پانچویں یہ کہ اس سے پیدا شدہ اولاد کو صحیح اور حقیقی اولاد شریعت نے قرار دیا ہے ماں کو اس کی اولاد سے جدا نہیں کیا جا سکتا تھا اور اس آدمی کی دیگر اولاد کی طرح باندی سے ہونے والی اولاد کو بھی برابر کے حقوق حاصل ہوتے تھے۔

چھٹی بات یہ کہ باندیوں کی کوئی تعداد شریعت نے مقرر نہیں کی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ حالات جنگ کا کچھ پتہ نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ کتنے لوگ مارے جائیں کافروں کے کتنے قیدی اور باندیاں ہاتھ آئیں۔ چونکہ یہ غیر یقینی بات تھی اس لئے شریعت نے اس کا تعین نہیں کیا۔

اور ساتویں بات یہ کہ بین الاقوامی معاہدوں کی پابندی شریعت نے ضروری قرار دی ہے جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا۔ اس دور میں تمام قومیں ان معاہدوں کی پابند ہیں جو ان کے درمیان طے پا چکے ہیں اور ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی بھی ملک کے افراد کو غلام نہیں بنایا جائے گا اس لئے اس معاہدے کی پابندی کرتے ہوئے یہ امر موجودہ حالات میں درست نہیں۔

غلاموں اور باندیوں کے سلسلے میں اس سے زیادہ تفصیلات یہاں تحریر

کرنا دشوار ہے اگر تفصیل مطلوب ہو تو مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی مرحوم کی کتاب "اسلام کا نظام غلامی" یا "غلامی اسلام کی نظر میں" کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

شریعت نے چونکہ جہاد کو ہر زمانے میں فرض قرار دیا ہے اس لئے یہ ایک فطری سی بات ہے کہ عورتوں کی تعداد بڑھ جائے گی اور مرد کم ہو جائیں گے۔ اس کا حل شریعت نے یہ دیا ہے کہ مرد کو چار شادیاں کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔ تعدد ازواج (POLYGAMY) میں جہاں اور بہت سی حکمتیں ہیں ان میں سے ایک حکمت یہ بھی ہے۔

دوسری صورت میں اگر ایک ہی شادی کی اجازت ہوتی اور عورتوں کی تعداد بڑھ جاتی تو پھر وہی حشر ہوتا جو پہلی جنگ عظیم کے بعد یورپ کا ہوا کلیسا نے ایک سے زیادہ شادی کو روا نہ رکھا اور پہلی جنگ عظیم میں لاکھوں افراد مارے گئے۔ عورتوں کی تعداد بڑھ گئی اور فحاشی و عریانی پھیلنا شروع ہو گئی۔ ابھی تیس سال نہ گزرنے پائے تھے کہ دوسری جنگ عظیم شروع ہو گئی اور پھر لاکھوں افراد موت کے گھاٹ اتر گئے عورتوں کی تعداد مزید بڑھ گئی اور سب جانتے ہیں کہ شرم وحیا نام کی کوئی چیز اس کے بعد یورپ کے معاشرے میں نہ رہی۔ عورت کی جو حیثیت اب وہاں ہے اسے دیکھ کر انسانیت کی پیشانی پسینے سے تر ہو جاتی ہے اور آدمیت منہ پھیر لیتی ہے یہ سب کچھ کیوں ہوا اور ہو رہا ہے اس کی اور وجوہات کے علاوہ ایک وجہ عورتوں کا زیادہ ہو جانا اور مردوں کا جنگوں میں مارا جانا بھی ہے۔

پرانے زمانے میں بھی یہ مسئلہ پیش آیا کرتا تھا۔ یورپ نے عورتوں کی عزتوں کو داؤ پر لگا دینا سہل تصور کیا اور ہندوؤں نے "ستی" کی رسم ایجاد کی تھی کہ شوہر کے مرنے کے بعد اس کی بیوہ "چتا" جلا کر اپنے آپ کو آگ کے حوالے کر دیتی تھی۔ یوں عورتوں کا جل کر مر جانا انہوں نے حل نکالا تھا۔

www.ahnafmedia.com

اس کے مقابلے میں اسلام نے ایک مرد کو چار شادیوں کی نہ صرف اجازت دی بلکہ ان کے درمیان عدل وانصاف قائم کرنے کا بھی حکم دیا تاکہ نہ تو معاشرے میں بے حیائی اور فحاشی کا عنصر پھیلے اور نہ ہی عورتوں کے حقوق کو نظرانداز کیا جاسکے کفر کے مغلوب رہنے کیلئے چوتھا قانون جو شریعت نے دیا وہ غلاموں اور باندیوں کا مسئلہ تھا۔

پانچواں طریقہ یہ ہے کہ

امان طلب کرنا

کافر مسلمانوں سے امان طلب کرے اور ان کی پناہ میں آنا چاہئے تو اسے امان دے دی جائے۔ اور اگر وہ اسلام کے احکامات کو سمجھنا چاہتا ہو تو اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ اسے وہ احکامات سمجھائے جائیں۔ قرآن کریم میں آتا ہے۔

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۔

(پارہ:۱۰- سورۃ التوبہ- آیت:٦)

اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص پناہ مانگ کر تمہارے پاس آنا چاہے (تاکہ اللہ کا کلام سنے) تو اسے پناہ دے دو یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے پھر اسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دو۔ یہ اس لئے کرنا چاہئے کہ یہ لوگ علم نہیں رکھتے۔

فقہاء کی اصطلاح میں اس شخص کو جو خود امان طلب کر کے دارالاسلام میں آئے مستامن کہا جاتا ہے۔ تفصیلی احکامات تو فقہ کی کتابوں میں ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں[1] مگر کفر کی شان وشوکت کم کرنے کیلئے ایک یہ بھی طریقہ ہے جو شریعت نے مقرر

[1] شامی ج-4، ص166 باب المستامن

کیا ہے۔

جتنے بھی طریقے شریعت نے کفر کو مغلوب کرنے کے سلسلے میں بیان کئے ہیں ان میں سے چند ایک کا ذکر یہاں کیا گیا ہے حقیقتاً کفر اس قدر قبیح وشنیع جذبہ ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو اس کی سرکوبی کرنی چاہئے۔ اور ہر ممکن طریقے پر اللہ تعالیٰ کے خلاف ہونے والی اس بغاوت کو کچل دینا چاہئے مومن ہے ہی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے قوانین کو عملاً اس زمین پر نافذ کرے اور دست قدرت کا آلہ بن کر کام کرتا رہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس نکتے کو سمجھ گئے تھے اور ان کے تمام کام اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہوتے تھے۔ وہ جہاد کرتے تھے تو بھی اللہ تعالیٰ کیلئے کسی کو قتل کرتے تھے تو بھی للہ تعالیٰ کے لئے کسی کو غلام بناتے تھے تو بھی اسی کیلئے اور کسی کو چھوڑ دیتے تھے تو بھی اسی کیلئے بس مومن کی مثالی زندگی یہی ہونی چاہئے۔ ان کے افعال کو اللہ تعالیٰ نے اپنا فعل قرار دیا ہے اور انہیں اپنی رضا اور ان سے ہمیشہ خوش رہنے کی سند عطا فرمائی ہے بدر میں صحابہ رضی اللہ عنہ نے جن کافروں کو قتل کیا تھا ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۔

(پارہ:۹- سورۃ الانفال -آیت :۱۷)

پس حقیقت یہ ہے کہ تم نے انہیں قتل نہیں کیا۔ بلکہ اللہ نے ان کو قتل کیا اور تو نے (ریت کی مٹھی) نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی۔

اسی طرح جب مسلمان صحیح معنی میں اللہ تعالیٰ کا مطیع وفرماں بردار بن جاتا ہے تو تصحیح نیت کی وجہ سے اس کے تمام افعال واعمال اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہو جاتے ہیں۔

www.ahnafmedia.com

جہاد کے فوائد

انسان کی طبیعت کچھ اس طرح تخلیق کی گئی ہے کہ وہ عموماً ان کاموں کی طرف لپکتا ہے جن کاموں میں اسے نفع نظر آتا ہے اور جب کسی چیز کی منفعت سمجھ میں آجاتی ہے تو پھر اس کے لئے قربانی کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ چوکیدار سردی کی طویل راتوں میں بھی چکر لگاتا رہتا ہے اور پورے محلے کا چوکیدارہ اس لئے کرتا ہے کہ اسے اس مشقت اٹھانے کا نفع (جو لوگوں کی حفاظت اور اس کی اپنی تنخواہ ہے) سمجھ میں آجاتا ہے اسی طرح کسی مزدور کو دیکھیں تو اپنے وزن سے زیادہ بوجھ اٹھالیتا ہے اور مشقت بھی برداشت کرتا ہے کیونکہ اسے اس اٹھانے کا نفع سمجھ میں آجاتا ہے۔

اسی طرح جہاد میں بھی اللہ تعالیٰ نے کچھ منافع رکھے ہیں۔ اگر مسلمان کی سمجھ میں وہ آجائیں تو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جان دینا اور جہاد کے اہم فریضے کو زندہ کرنا مزید آسان ہو جاتا ہے۔ جہاد میں کس قدر منافع ہیں بجائے اس کے کہ اپنی طرف سے کچھ اضافہ کیا جائے۔ اس سلسلے میں نہایت مفید اور اسی مقصد کے تحت لکھی گئی ایک پراثر تحریر پڑھیئے جو حضرت اقدس امیر المومنین، داعی الی اللہ، مجاہد کبیر سید احمد شہید نور اللہ مرقدہ کی گفتار شیریں ہے اور جسے ان کے خلیفہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے پوتے، قرآن و حدیث کے حافظ اپنے دور کے یکتا حضرت مولانا محمد اسمٰعیل شہید رحمتہ اللہ علیہم نے قلمبند کر لیا تھا۔ جہاد کے منافع کسی قدر زیادہ ہیں اور کس کس طبقے کو اس سے فائدہ پہنچتا ہے اس سے عمدہ تحریر کہیں نظر نہیں آتی جو اس جامعیت اور اختصار کی نمایاں نشان بھی اپنے اندر رکھتی ہو۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی الندوی مدظلہم نے اس کا صرف اردو ترجمہ اور تلخیص ہی نہیں کی بلکہ اس پر بہت عمدہ عنوانات بھی قائم کر دیئے ہیں جن کی وجہ سے ایک طرف تو قارئین کیلئے اس متاع گراں مایہ سے استفادہ آسان ہو گیا ہے

اور دوسری طرف اس تحریر کی افادیت کو بھی چار چاند لگ گئے ہیں ان تمام فوائد کے پیش نظر قارئین کے استفادے کیلئے اس اصل تحریر کا ترجمہ یہاں نقل کیا جا رہا ہے۔[1]

جہاد کے عمومی و خصوصی منافع

جس طرح بارش سے نباتات اور حیوانات اور انسانوں کو بکثرت فوائد پہنچتے ہیں اسی طرح جہاد سے عامہ خلائق کو نفع پہنچتا ہے ایک نفع تو وہ ہے جو اہل ایمان فرمانبردار اور منکروں اور سرکشوں اور فاسقوں اور منافقوں کو یکساں پہنچتا ہے بلکہ جن وانس، حیوانات اور نباتات بھی اس میں شریک ہوتے ہیں اور ایک یہ کہ بعض خاص خاص جماعتوں اور بعض خاص خاص اشخاص کو ایک طرح کا نفع حاصل ہوتا ہے، اور دوسری جماعتوں اور دوسرے اشخاص کو دوسری طرح کا۔

منفعت عامہ

عمومی نفع کی تفصیل یہ ہے کہ تجربہ بتاتا ہے کہ اہل حکومت کے انصاف، اہل معاملات کی دیانتداری، اہل دولت کی سخاوت وفیاضی اور عام لوگوں کی نیک نیتی سے آسمانی برکتیں نازل ہوتی ہیں وقت پر بارشیں ہوتی ہیں۔ پیداوار کی بہتات ہوتی ہے، فصلیں اچھی ہوتی ہیں، تجارت کا فروغ ہوتا ہے، سامان تجارت کا چلن اچھا ہوتا ہے، بلائیں ٹلتی ہیں، مالوں میں ترقی اور نمو ہوتا ہے، اہل سیر اور ارباب کمال بہت کثرت سے پیدا ہوتے ہیں، دین حق کی قوت و شوکت، دیندار سلاطین کے عروج اور اطراف ممالک میں ان کی حکومت کی ترقی، ملت حقہ کے عساکر و افواج کی وقعت اور احکام شریعت کی اشاعت و عمومیت سے بدرجہا زیادہ نتائج و برکات ظاہر ہوتے ہیں۔

ہندوستان اور آزاد اسلامی ممالک کا مقابلہ

آسمانی برکتوں کے نزول کے سلسلے میں روم اور ترکی سے

---

[1] اصل تحریر فارسی زبان میں ہے اس کے دیکھنے کو ملاحظہ کیجئے صراط مستقیم ہدایت ثانیہ فصل چہارم، افادہ پنجم ص90 اور اس ترجمہ و عنوانات کی مراجعت کیلئے ملاحظہ ہو۔ تاریخ دعوت و عزیمت حصہ ششم سیرت سید احمد شہید نور اللہ مرقدہ۔ ص409

www.ahnafmedia.com

ہندوستان کا مقابلہ کر کے دیکھ لو۔ بلکہ موجودہ ہندوستان (1233ھ) جس کا بڑا حصہ دارالحرب بن چکا ہے' اس کا مقابلہ دو سو تین سو برس پہلے کے ہندوستان سے کرو' آسمانی برکتوں کا کیا حال تھا اور اولیائے عظام اور علمائے کرام کی کتنی بڑی تعداد پائی جاتی تھی۔

منفعت مخصوص بمجاھدین

باقی رہے خصوصی فوائد تو شہدائے مومنین' مسلمان مجاہدین صاحب اقتدار سلاطین اور میدان کارزار کے جوانمردوں کو جو فوائد پہنچتے ہیں' ان کی تفصیل کی ضرورت نہیں۔

اصحاب باطن

ان کے علاوہ ارباب باطن کو تھوڑے تھوڑے وقت میں بڑی بڑی ترقیاں حاصل ہوتی ہیں اور معمولی ریاضتوں سے مراتب ولایت اور مناصب وجاہت پر فائز ہوتے ہیں۔

علماء

علوم حقہ کی اشاعت ہوتی ہے' معلمین وطلبہ کی کثرت ہوتی ہے' علماء احتساب وقضا اور اجتہاد وافتاء کے عہدوں پر فائز اور امامت باطنی کے منصب سے سرفراز ہوتے ہیں' یعنی دین حق کی طرف کھلی ہوئی عمومی دعوت اور عقائد حق اور احکام شریعت کی اشاعت اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ذریعے انبیاء علیہم السلام کی نیابت کا شرف حاصل ہوتا ہے۔

عوام صلحاء

عام اہل صلاح بھی اس کے برکات سے محروم نہیں رہتے نیکو کاری اور خداترسی کا شوق ترقی کر جاتا ہے' اس لئے کہ نیکو کار انسانوں کا اعزاز ہوتا ہے بداخلاق اور فاجر انسانوں کی تذلیل کا زمانہ ہوتا ہے۔ مستحسن اور شرعی باتوں کا فروغ ہوتا ہے' مذموم اور ممنوع امور کا عام زوال ہوتا ہے' مسلمان سلاطین کی اطاعت اور علمائے کرام کی عزت اور اولیائے عظام کی عقیدت اور مسلمانوں کے سواد اعظم میں شمولیت کی برکت سے ان کی اطاعت کا ثواب بڑھ جاتا ہے۔

عوام مومنین

عام مسلمان بھی اس کے برکات سے محروم نہیں رہتے' معاملات میں درستی' نیت اور اطاعت کی طرف عام رغبت اور شوق دلوں میں پیدا ہو جاتا ہے جس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ دین کے انوار ہر طرف پھیلے ہوتے ہیں' اللہ تعالیٰ کے خاص الطاف وعنایات کا زمانہ ہوتا ہے۔ شرعی رسوم وعادات کا ایسا چرچا اور رواج ہوتا ہے کہ لوگ (خواہ تقلیدی طور پر) ان کے پابند ہوتے ہیں۔ آسمانی برکتوں کے نزول' سلاطین کے انصاف اور اہل سخاوت کی فیاضی کی وجہ سے فارغ البالی اور خوش حالی عام ہوتی ہے اور قوانین شریعہ کی پابندی کی وجہ سے دنیوی واخروی امور ومعاملات درست اور باقاعدہ ہو جاتے ہیں۔

فساق

فساق وفجار بھی اس کی برکات سے خروم نہیں رہتے ملت حقہ کے انوار بنی آدم کے قلوب میں اس طرح ساری ہو جاتے ہیں اور ملت حق کی شہرت کی وجہ سے مذموم افعال کی قباحت عوام کے دماغوں میں اس طرح راسخ اور جاگزیں ہو جاتی ہے اور منکرات اور بدعات کی قباحت ایسی مشہور ومسلم ہوتی ہے کہ حدود وتعزیرات کے خوف یا ہم چشموں اور ہمسروں کے طعن وملامت کے اندیشے اور بدنامی کے خطرے سے فساق وفجار منکرات وبدعت کے اظہار سے دستکش ہو جاتے ہیں۔

منافقین

اہل نفاق بھی اس کے برکات سے محروم نہیں رہتے' وہ قتل کے خوف سے یا اہل ایمان کے دبدبے اور غلبے اور سرکشوں کی ذلت ونکبت کو دیکھ کر ظاہری طور پر دین حق پر قائم رہتے ہیں اور کھلے ہوئے کافروں کے زمرے میں شامل نہیں ہوتے نیز دین کی روشنی کے پھیل جانے اور آسمانی برکتوں کے نزول اور مسلمانوں کی عظمت وشوکت دیکھ دیکھ کر اولیائے عظام اور علمائے کرام کے ساتھ اختلاط اور رہنے سہنے کی وجہ سے ان کے انوار کا ان کے قلوب پر عکس اور ان کے مواعظ کا ان

www.ahnafmedia.com

کے دلوں پر اثر پڑنے سے اس کی بھی امید کی جاتی ہے کہ دین کا نور ان کے دلوں کی گہرائی میں اتر جائے گا۔

ذمی کفار

ذمی کافر بھی، جو مسلمانوں کی رعیت بن کر رہیں اور جزیہ دیں، اس کے برکات سے محروم نہیں رہتے، آسمانی برکتوں، تجارت کے فروغ، بادشاہوں کے انصاف اور رہزنوں سے امن واطمینان کی وجہ سے وہ اسلامی ممالک میں فارغ البال اور خوش حال رہتے ہیں۔ اہل حق کے ساتھ رہنے سہنے اور شہری زندگی گزارنے اور ان کے رسوم وعادات کے رواج وشہرت کی وجہ سے مصالحی واخروی امور ومعاملات کی درستی اور باقاعدگی دیکھ دیکھ کر وہ متاثر ہوتے ہیں اور اس کی امید کی جا سکتی ہے کہ ان کے دل میں دین حق کی طرف میلان ہو جائے گا۔

اہل حرب

اہل حرب بھی اس کے برکات سے محروم نہیں رہتے۔ جو لوگ جہاد میں اہل اسلام کے ہاتھ سے مقتول ہوتے ہیں اگرچہ وہ اقل قلیل ہوتے ہیں، اس لئے کہ جھگڑوں میں بھاگ جانے والوں کے مقابلے میں قتل ہونے والے (خصوصاً جانب مخالف کی شوکت وقوت کے ظہور کے زمانے میں) کہیں کم ہوتے ہیں پھر بھی جو مقتول ہوتے ہیں، ان کے حق میں ان کا قتل ہونا عذاب خداوندی کی تخفیف اور سزا کی تقلیل کا سبب ہوتا ہے، اس لئے کہ اگر وہ مقتول نہ ہوتے تو اپنے کفر پر مدت تک باقی رہتے اس طرح ان کا کفر بڑھتا ہی رہتا اور کفر جتنا بڑھتا اور جتنے دنوں قائم رہتا اس کی سزا بھی اتنی ہی زیادہ ہوتی۔

کافروں کی اولاد

اہل حرب کی نسل واولاد کے حق میں بھی وہ نفع اور برکت سے خالی نہیں چونکہ غلامی کی وجہ سے ان کو اہل حق کے ساتھ اختلاط ومعاشرت کا موقع ملتا ہے اس لئے اہل حق کی صحبت کے فوائد ان کو حاصل ہو سکتے ہیں۔

جہاد کی مثال بارش کی سی ہے

خلاصہ یہ ہے کہ اہل ایمان پر جہاد کا وجوب اور قیامت تک اس کو

قائم رکھنے کا حکم کارخانہ تشریع میں وہی حیثیت رکھتا ہے جو بارش کے نازل کرنے اور نہروں کے جاری کرنے کی حیثیت کارخانہ تکوین میں ہے، باقی چند ایسے اشخاص کی ہلاکت جو اپنی استعداد کھو چکے ہیں مثلاً بعض مسلمان جو جہاد کے راستے میں رکاوٹ بنتے ہیں اور اپنی باطنی خرابی حسد اور کفار سے محبت کی بناء پر مجاہدین کی مخالفت اختیار کرنے میں اور ہلاکت ابدی میں اپنے کو مبتلا کرتے ہیں اور بدترین منافقین کے زمرے میں داخل ہوتے ہیں تو ان لوگوں کی ہلاکت وبربادی جہاد کے عمومی منافع میں مخل نہیں اس لئے کہ یہی بارش ہے جس کا نفع عام انسانوں کے حق میں بدیہی ہے گو بعض آدمی عمارتوں کے انہدام یا میلاپ اور نہروں کی طغیانی سے تلف ہو جاتے ہیں لیکن اس کے باوجود بارش کی برکت اور نفع میں کلام نہیں۔

جہاد کن کے خلاف ہو؟

اگرچہ مومن کی تمام عمر ہی جہاد میں گزرتی ہے ہر ظلم کے خلاف آواز بلند کرنا اس کا شیوہ ہوتا ہے ہر برائی کو وہ مٹانے کے درپے ہوتا ہے جہاں بھی وہ اللہ تعالیٰ کے قوانین کے خلاف کوئی حرکت دیکھتا اس کی غیرت ایمانی جاگ اٹھتی ہے وہ اس قانون الٰہی کو بحال کرانے کیلئے اپنی تمام تر قوتیں صرف کر دیتا ہے لیکن انسانی معاشرے میں بنیادی طور پر کتنے عناصر پائے جاتے ہیں جن سے برائیاں پھیلتی ہیں؟ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور سرکشی کو عام کرنے والے گروہ کون کون سے ہیں جن کے خلاف شریعت جہاد کو فرض قرار دیتی ہے؟ تمام گمراہیوں کے سرغنے، تمام شرور وفتن کی جڑ اور ہر خرابی کی اصل دو گروہ ہیں جن سے جہاد فرض ہے۔

کفار

جن سے جہاد کرنا فرض ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ

(پارہ: ۲۔ سورۃ البقرۃ ۔ آیت ۲۱۶)

www.ahnafmedia.com

تمہیں جہاد کا حکم دیا گیا ہے اور وہ تمہیں ناگوار ہے۔

اور صرف یہی نہیں کہ ان کفار کے خلاف جہاد فرض ہے تو کسی نے زندگی میں ایک مرتبہ جہاد کر لیا تو یہ فریضہ اس سے ساقط ہو جائے گا جیسے حج ہے کہ جب فرض ہو جائے اور زندگی میں ایک مرتبہ کر لیا جائے تو پھر فرضیت ختم ہو جاتی ہے' بلکہ یہ جہاد تو بار بار فرض ہوتا رہے گا جب بھی موقع ہوا اور ضرورت پیش آئی اور کب تک جہاد ہو گا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۔

(پارہ ۲ سورۃ البقرۃ آیت ۱۹۳)

اور تم ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لئے ہو جائے۔

کفار کے خلاف جہاد کرنے کے سلسلے میں اس سے قبل بھی آیات گزر چکی ہیں اور آئندہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے واقعات آ رہے ہیں جن سے معلوم ہو گا کہ پہلا گروہ جس کے خلاف جہاد ہونا چاہئے وہ "کفار" ہیں۔

اور شریعت کی نظر میں دوسرا گروہ جس کے خلاف جہاد فرض ہے۔

منافقین

کا گروہ ہے۔ چالیں چلنے میں اور دھوکہ دینے میں یہ کفار سے زیادہ بدتر دشمن ہیں ان کے ظاہر پر اسلام کا لبادہ ہے لیکن باطن کے عزائم کافروں سے بھی بڑھ چڑھ کر ہیں۔ کافر دشمن ہے ممکن ہے اسے مسلمانوں کی اندرونی کمزوریوں کا صحیح علم نہ ہو۔ وہ دور رہتا ہے لیکن یہ منافق اسلامی معاشرے ہی میں رہتے ہیں اندرونی کمزوریوں سے واقف ہیں اور لحہ بہ لحہ کفار کو مسلمانوں کی اطلاعات دیتے رہتے ہیں۔

تاریخ اس بات پر گواہ ہے اور بار بار پکار کر اس حقیقت کا اعلان کر رہی ہے کہ مسلمانوں کو کافروں نے اتنا نقصان نہیں پہنچایا جتنا اس گروہ منافقین

نے۔ یہ دھوکہ دیتے ہیں' غداری کرتے ہیں' مسلمانوں کی صفوں میں بیٹھ کر کافروں کی حمایت کرتے ہیں اور ہر وہ منصوبہ جس میں مسلمانوں کی بھلائی ہو انہیں ناگوار گزرتا ہے اس لئے اس گروہ کے خلاف بھی جرم ثابت ہو جانے پر سزا دینا اور جہاد کرنا فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً

(پارہ: ۱۱- سورۃ التوبہ - آیت: ۱۲۳)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو جہاد کرو ان منکرین حق سے جو تم سے قریب ہیں اور چاہئے کہ وہ تمہارے اندر سختی پائیں۔

مفسرین کا ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ یہ آیت کریمہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور آیات کا سباق بھی یہی بتلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو منافقین کے خلاف نہ صرف یہ کہ جہاد کرنے کا حکم دیا بلکہ یہ بھی ضروری قرار دیا کہ منافقین کے خلاف سخت رویہ اختیار کیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ کو اور ان کے بعد انکی تبع میں اس امت کو حکم دیا جا رہا ہے کہ

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ

(پارہ: ۲۸- سورۃ التحریم- آیت: ۹)

اے نبی ﷺ کفار اور منافقین سے جہاد کیجئے اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آیئے۔ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

یہاں بھی یہی حکم دیا جا رہا ہے کہ

کفار اور منافقین دونوں کے خلاف جہاد ہونا چاہئے اور دونوں پر سختی ہونی چاہئے۔ اس لئے کفار کے ساتھ ساتھ منافقین کے خلاف بھی جہاد کرنا مومن کا شیوہ

www.ahnafmedia.com

ہے۔ یہ جہاد خواہ بندوق سے ہو' خواہ زبان سے یا دل سے برا جاننے کی حد تک لیکن مومن انسان کو اس جہاد سے بھی غفلت نہ اختیار کرنی چاہئے۔ اس آخری دور میں برصغیر کی ایک نابغہ روزگار ہستی' ایک دریتیم اپنے دور کا مجاہد اور اسلاف کی روایات کا امین قرآن کریم پر گہری نگاہ اور پورا پورا سنت نبوی کا پیرو کار شریعت کے رنگ میں رنگا ہوا جس کی محبت ایمان کی نشانی' مجاہدو مہاجر فی سبیل اللہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب فاروقی شہید نور اللہ مرقدہ نے منافقین کے خلاف جہاد کی فرضیت پر بہت عمدہ باتیں تحریر فرمائی ہیں[1]۔ جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں اور منافقین کی جس روش کا ذکر حضرت نور اللہ مرقدہ نے فرمایا ہر دور میں ان کا وجود رہا ہے اور ہر دور میں اللہ کے نیک بندے ان کے خلاف جہاد کا علم بلند کرتے رہے ہیں۔

اقدامی جہاد

اس صدی کے آغاز میں برصغیر میں انگریزوں کی حکومت تھی اور حکومت بھی وہ جو اپنے پاؤں اچھی طرح جما چکی تھی۔ یورپ سے پادری آتے تھے اور ہر گلی محلے میں لوگوں کو عیسائی بنانے کی غرض سے لیکچرز دیتے تھے۔ ان میں عیسائیت کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ اسلام پر اعتراض کرنا بھی لازمی کام تھا۔ شریعت مطہرہ کے جن کاموں پر شدید اعتراض کئے جاتے تھے ان میں سے ایک اعتراض یہ بھی ہوتا تھا کہ مسلمان اقدامی جنگ کرتے رہے ہیں اور یہ ظلم تھا یہ بات کسی حد تک حقیقت پر مبنی تھی اور اس سے گھبرانے کی بھی کوئی ضرورت نہ تھی۔ کہ درحقیقت یہ کوئی ظلم نہ تھا مگر غلامی اس بری طرح دماغوں پر مسلط ہو چکی تھی اور دل و دماغ انگریزی تہذیب سے اس قدر مرعوب تھے کہ بے شمار مصنفین نے اقدامی جہاد کا انکار ہی کر دیا اور صاف صاف لکھا کہ ہم مسلمانوں نے تو ہمیشہ اس وقت جہاد کیا

[1] اس مقصد کیلئے ملاحظہ ہو حضرت رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب "منصب امامت" زیر عنوان سلطنت کفر درجہ چہارم ص194

ہے جب ہم پر جنگ مسلط کر دی گئی تھی اور قرآن و حدیث کی بے شمار تصریحات اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے رسول اللہ ﷺ نے دونوں قسم کی لڑائیاں لڑی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے صرف دفاعی ہی نہیں اقدامی جہاد کی بھی اجازت دی ہے۔

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَ احْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۔

(پارہ:۱۰- سورۃ التوبہ- آیت:۵)

مشرکین کو قتل کرو جہاں انہیں پاؤ اور انہیں پکڑو اور ان کا گھیراؤ کرو اور ہر گھات میں ان کی خبر لینے کیلئے بیٹھو۔

اس آیت کریمہ میں صاف طور سے مشرکین پر حملہ کرنے کا حکم ہے یہ نہیں فرمایا گیا کہ جب وہ تم پر حملہ آور ہوں تو پھر دفاع کرو بلکہ جہاد کا قدم خود لینے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ان کے گھیراؤ اور ان کی جاسوسی کرنے کے لئے بھی احکامات صادر فرمائے جا رہے ہیں۔ تاکہ کفر کی شان و شوکت ٹوٹ جائے اور اس کی عزت' ذلت میں تبدیل ہو جائے۔

ایک اور مقام پر ارشاد ربانی ہے۔

قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ ۝ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ ۔

(پارہ- 10 سورہ التوبہ آیت 14' 15)

ان سے لڑو' اللہ تمہارے ہاتھوں سے ان کو سزا دلوائے گا اور انہیں ذلیل و خوار کرے گا اور ان کے مقابلہ میں تمہاری مدد کرے گا اور بہت سے مومنوں کے دل ٹھنڈے کرے گا اور ان کے قلوب کی جلن مٹا دے گا اور جسے چاہے گا توبہ کی توفیق بھی دے گا۔

یہاں بھی اسی اقدامی جہاد کا حکم دیا جا رہا ہے کہ تمہارا جہاد کرنا دراصل انہیں

www.ahnafmedia.com

سزا دینا ہے اس لئے اقدامی جہاد کا انکار کرنا درست موقف نہیں تھا۔ جسے بہت سے نادان دوستوں نے اختیار کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کیا ہمیشہ دفاعی جنگیں لڑتے رہے ہیں؟ بدر، احد اور خندق اگر بالفرض دفاعی جنگیں تھیں تو فتح مکہ کیا تھی؟ فتح مکہ اگر ایک عہد توڑنے کے نتیجے میں ظہور پذیر ہوئی تھی تو حنین، موتہ اور تبوک میں کیا فلسفہ تھا پھر رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جہاد کو ہمیشہ جاری رکھا ان تمام جنگوں کو دفاعی قرار دینا تاریخ کے ساتھ سینہ زوری ہے اقدامی جنگیں ہوئی ہیں اور ایسی جنگیں کر کے مسلمانوں نے ذرہ برابر بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کی وہ جو شرافت، تقویٰ، نیکی اور دیانت کے مجسمے تھے بھلا ان سے ظلم کا صدور ہوتا یہ کیسے ممکن تھا؟ مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مقام پر اس نقطہ نظر پر بحث فرماتے ہوئے چند جملے نہایت عمدہ تحریر فرمائے ہیں لکھتے ہیں۔[1]

جب دشمنوں کی طرف سے خطرہ ہو تو احتیاط اور حفظ ماتقدم کا مقتضا یہی ہے کہ تم ان پر جارحانہ اقدام کرو تاکہ اسلام اور مسلمان کفر اور شرک کے فتنہ سے محفوظ ہو جائیں اور بغیر کسی خوف و خطر کے امن و عافیت کے ساتھ خداوند ذوالجلال کے احکام کو بجالا سکیں اور کوئی قوت و طاقت ان کو ان کے سچے دین سے نہ ہٹا سکے اور نہ پھیر سکے اور نہ کوئی طاقت قانون خداوندی کے اجراء و تنفیذ میں مزاحم ہو سکے۔ ایسے موقع پر عقل اور فراست تدبیر اور سیاست کا یہی مقتضی ہے کہ خطرہ کو پیش آنے سے پہلے ختم کر دیا جائے۔ اس انتظار میں رہنا کہ جب خطرہ سر پر آجائے گا اس وقت مدافعت کریں گے یہ اعلیٰ درجہ کی حماقت اور سفاہت ہے جس طرح شیر اور چیتے کو حملہ کرنے سے پہلے ہی قتل کر دینا اور کاٹنے سے پہلے ہی سانپ اور بچھو کا سر کچل دینا ظلم نہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کا تدبر اور انجام بینی ہے اسی طرح کفر اور شرک کا سر اٹھانے

[1] سیرۃ المصطفیٰ ﷺ ج-2، ص24

سے پہلے ہی سر کچل دینا اعلیٰ درجہ کا تدبر ہے چور اور قزاق یا درندے اگر کسی جنگل اور بیابان میں جمع ہوں تو عقل اور دانائی کا مقتضی یہ ہے کہ قبل اس کے وہ شہر کا رخ کریں ان کو آبادی کا رخ کرنے سے پہلے ہی ختم کر دیا جائے۔ درندوں کے قتل میں اقدام ہی عقل اور دانائی ہے۔

دفاعی جہاد

جب کوئی کافر قوم مسلمانوں پر حملہ کر دے اور مسلمان اپنی جان مال عزت و آبرو کو بچانے کیلئے اپنا دفاع کریں اور اس حملے کے مقابلے میں اپنی مدافعت کریں تو اسے دفاعی جہاد کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت کریمہ جو جہاد کی اجازت کے سلسلے میں نازل فرمائی ہے اس میں کفار کے مظالم ہی کا ذکر فرما کر جہاد کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ۔

(پارہ:۱۷- سورۃ الحج آیت:۳۹،۴۰)

اجازت دے دی گئی ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جارہی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دیئے گئے، صرف اس قصور پر کہ وہ کہتے تھے "ہمارا پروردگار اللہ ہے"۔

یہاں جہاد کی اجازت دینے کی وجہ بیان کی جارہی ہے کہ وہ مظلوم ہیں تو ظلم کے خلاف جب اپنا دفاع کیا جائے تو ایسی لڑائی کو دفاعی جہاد کہتے ہیں۔ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ۔

(پارہ:۲- سورۃ البقرۃ- آیت:۱۹۰)

www.dharmadiaan.com

اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو، جو تم سے لڑتے ہیں مگر زیادتی
نہ کرو کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اس آیت کریمہ میں بھی ان سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے جو مسلمانوں سے لڑتے ہیں۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو مسلمانوں سے لڑتے نہیں ان سے لڑنا حرام ہے۔ ان سے بھی کچھ اصول و قوانین کے تحت جہاد کیا جاسکتا ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے دونوں قسم کے جہاد کی اجازت مرحمت فرمائی ہے اقدامی جہاد کی بھی اور دفاعی جہاد کی بھی۔

جہاد ـــــ قوت کے ساتھ

اللہ تعالیٰ نے کافروں کے خلاف جہاں جہاد کرنے کا حکم دیا ہے وہاں مسلمانوں کو یہ بھی حکم ہے کہ کافروں کے مقابلے میں پوری پوری قوت اور طاقت کو تیار رکھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے

وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ .

(پارہ: ۱۰- سورۃ الانفال- آیت: ۶۰)

اور تم لوگ جہاں تک تمہارا بس چلے زیادہ سے زیادہ طاقت
اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان (کافروں) کے مقابلہ کیلئے
مہیا رکھو۔ تاکہ اس کے ذریعہ سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور ان
دوسرے دشمنوں کو خوف زدہ کر دو جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا
ہے۔

مراد یہ ہے کہ دشمنوں کے مقابلے میں مسلمانوں کو پوری پوری تیاری کرنی چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پلے ہوئے گھوڑے بہترین جنگی سواریاں شمار کی جاتی تھیں۔ اور جب تک دنیا جدید اسلحہ سے روشناس نہیں ہوئی تب تک بھی گھوڑوں کی قوت مسلمہ قوتوں میں سے ایک شمار کی

جاتی رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دور کے اعتبار سے اس قوت کا ذکر فرمایا ہے۔ وگرنہ مراد یہ ہے دشمن کے مقابلے میں قوت کی فراہمی کا زیادہ سے زیادہ بندوبست ہونا چاہئے۔ ہمارے زمانے میں ٹینک، توپیں، بکتر بند گاڑیاں اور اس قسم کا فوجی اسلحہ اس طاقت کا متبادل ہے۔ مسلمان قوموں کو ان میدانوں میں پوری پوری ترقی کرنی چاہئے۔ فضائیہ کو جنگ جیتنے میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ جدید ترین طیارے مسلمان ممالک کو خود بنانے چاہئیں اور چاہئے تو یہ کہ جب مختلف ممالک سے ایسا سازوسامان لیا جائے تو اگر ممکن ہو سکے ٹیکنالوجی (TECHNOLOGY) بھی حاصل کر لینی چاہئے۔ تاکہ کل کو مسلمان ایک طاقت بن کر ابھریں اور ایسی مضبوط طاقت کہ دنیا کے جس پلڑے میں وہ اپنا وزن ڈال دیں طاقت کا توازن ادھر کو جھک جائے۔

گھوڑوں کے علاوہ "قوت" کا بھی ذکر آیت کریمہ میں کیا گیا ہے۔ اس قوت کے ضمن میں ہر وہ چیز آجاتی ہے جس سے دشمن کو نقصان پہنچایا جا سکے۔ "اسلحہ" ہر قسم کا اس میں شامل ہے۔ فوج کو جدید ترین اسلحہ سے مسلح کرنا چاہئے۔ مورچے اور چھاؤنیاں تعمیر ہونی چاہئیں۔ عسکری تربیت کو عام کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس "قوت" کا اس قدر خیال تھا کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ عنقریب تم روم کو فتح کر لو گے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی مدد سے نوازے گا۔ لہٰذا تم میں سے کوئی ایسا نہ ہو جو اپنے تیراندازی کے مشغلے کو چھوڑ دے۔ [1]

مطلب یہ تھا کہ اس عظیم الشان فتح کے بعد اپنی تیاری سے غافل نہ ہو جانا۔ تیراندازی جو اس زمانے کے بہترین فنون میں سے ایک فن تھا اس کی طرف

---

[1] رواہ مسلم

www.ahnafmedia.com

توجہ مبذول کرائی کہ کہیں یہ فن غفلت کا شکار نہ ہو جائے۔ تیر اندازی میں نشانے کا صحیح رکھنا بھی بہت بڑا کمال تھا۔ اور آج بھی نشانے کا درست ہونا اور اسے سیکھتے رہنا اس نیت سے کہ جب بھی موقع ہوا اللہ تعالیٰ کیلئے لڑیں گے، نیکی اور ثواب کی بات ہے۔ صحیح نشانہ ہونا بھی ایک قوت ہے۔ بندوقوں، ٹینکوں، توپوں اور مختلف جہازوں سے جو فائر کئے جاتے ہیں ان میں بھی نشانہ درست لینا بہت کمال کی بات ہے۔ وگرنہ نشانہ خطا ہونے کی صورت میں کبھی نفع کی بجائے نقصان بھی ہو جاتا ہے

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ ہی کی ایک اور روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا دشمنوں کیلئے جہاں تک ممکن ہو قوت تیار رکھو۔ اور اچھی طرح سن لو قوت تو نشانہ بازی ہے۔ آگاہ رہو قوت تو نشانہ بازی ہے اور اچھی طرح سن لو قوت تو نشانے کا درست ہونا ہے۔ [1]

یہاں بھی قوت کے اس پہلو پر خاص اہتمام سے زور دے کر سمجھایا گیا ہے کہ انسان اپنی تمام صلاحیتوں کو کافروں کے مقابلے میں کام میں لائے۔ اور اس دور میں تو اور بھی محنت کی ضرورت ہے کہ مسلمان ممالک اسلحہ، ٹینک، میزائل، توپ خانہ، آبدوزیں، بم، ہوائی جہاز، بحری بیڑے، اور ہر قسم کا فوجی سامان جس سے دشمن پر رعب پڑ سکے اسے زیادہ سے زیادہ اپنے ہاں تیار کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترکے میں کیا چیزیں چھوڑی تھیں؟ سیرت کی کتابوں میں کہیں یہ ذکر نہیں ملتا کہ آپ نے اتنے پلاٹ، اتنی دکانیں، اتنے مکانات یا اتنا سونا چاندی چھوڑا تھا۔ حالت تو اس کے برعکس تھی کہ رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا اور وہ مقروض تھے۔ لیکن آپ کے اسلحہ کا ذکر آتا ہے کہ اسلحہ میں آپ نے کیا کیا چیزیں چھوڑی تھیں۔

وقت کتنا بدل گیا اور لوگوں کے معیار کتنے تبدیل ہو گئے۔ وہ حضرات

[1] رواہ مسلم

نرم و گداز بستروں، زیبائش و آرائش سے پُر گھروں اور لذیذ غذاؤں سے اجتناب کر کے اسلحہ خریدتے تھے اور اب ہر ہر گھر میں ہزاروں لاکھوں روپے کا تعیش کا سامان مل جائے گا مگر جہاد کیلئے اسلحہ کا وجود تک نہیں۔ صبح و شام کیلئے کھانے اور لباس سونے کی جگہیں علیحدہ علیحدہ ہیں مگر کافروں کے مقابلے کیلئے کوئی سامان نہیں۔ جب اپنی حالت قومیں خود نہیں بدلا کرتیں تو اللہ تعالیٰ بھی ان کو بدلنا چھوڑ دیا کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو ان "تعیشات" کی تلقین نہیں فرمائی۔ انہوں نے تو وہ بات ارشاد فرمائی ہے جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں آتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "اللہ تعالیٰ پر ایمان لا کر، اس کے وعدوں کو سچا سمجھ کر، اس کی راہ میں جہاد کیلئے جس نے ایک گھوڑا پال لیا گھوڑے کا کھانا پینا اور حتیٰ کہ لید اور پیشاب کرنا ہر چیز قیامت میں اللہ تعالیٰ سے اپنے مالک کو اجر اور ثواب دلائے گی۔" [2]

جہاد کی تیاری میں وہ اپنے گھوڑے کا خیال رکھے گا اور اپنا مال اس پر خرچ کرے گا ظاہر ہے کہ صحیح نیت کے ساتھ اسے اس گھوڑے پر اجر و ثواب بھی ملے گا۔ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کیلئے گھوڑے اتنے عزیز تھے کہ حضرت جریر بن عبداللہؓ بیان فرماتے تھے میں نے اپنی آنکھوں سے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ گھوڑے کی گردن کے بالوں (ایال) کو اپنی دونوں انگلیوں سے بل دے رہے تھے اور یہ فرما رہے تھے کہ گھوڑوں کی پیشانیوں میں خیر ہی خیر ہے۔ آخرت میں ان کے ذریعے سے اجر و ثواب ملے گا اور دنیا میں غنیمت کا مال حاصل ہو گا۔

گھوڑوں سے اتنی رغبت کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کا

[1] رواہ البخاری [2] مسند احمد

www.ahnafmedia.com

بہترین ذریعہ تھے اور مسلمانوں کیلئے یہ بہترین جنگی قوت تھی۔ قوت کا حصول اللہ تعالیٰ نے ضروری قرار دیا تھا مسلمانوں نے اس میں کوئی کمی یا کوتاہی نہیں کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قوت کا اتنا خیال تھا کہ آپ کے دور میں جو عیسائی شام میں بستے تھے ان کے ہاں ایسی جنگی گاڑیاں بنائی جاتی تھیں جن سے منجنیق (توپ) کے ذریعے بھاری بھرکم پتھر پھینکے جاتے تھے اور پھر وہ جہاں بھی جاکر گرتے تھے تباہی مچ جاتی تھی۔ بڑے بڑے مضبوط قلعوں کی دیواریں توڑنے کے لئے یہ طریقہ استعمال ہوتا تھا۔ دمشق کا مشہور صنعتی شہر "جرش" اس صنعت کیلئے مشہور تھا۔ حضرت عروہ بن مسعود اور حضرت غیلان بن اسلم رضی اللہ عنہما دونوں کو شام بھیجا گیا تاکہ وہ ان چیزوں کو دیکھیں اور سیکھ کر آئیں۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی پر اکتفا نہیں فرمایا کہ دو صحابہ رضی اللہ عنہما اس صنعت کو سیکھ کر آگئے ہیں تو یہ کافی ہے بلکہ خود اپنے ہاں منجنیقوں کو تیار کرنے کا بھی حکم ارشاد فرمایا۔ [1]

اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس مملکت خداداد پاکستان سے بھی لوگ بیرونی ممالک میں فوجی تربیت حاصل کرنے جاتے ہیں مگر اسی حدیث کے آخر پر رسول اللہ ﷺ کا جو عمل نقل کیا گیا اس کے مطابق کیا ہی اچھا ہو کہ جو چیزیں وہاں دیکھ کر اور ان کے استعمال کا طریقہ سیکھ کر یہاں آتے ہیں۔ ان چیزوں کو بھی اگر ممکن ہو تو یہاں تیار کیا جائے۔ اس عنوان کو اس حدیث پر مکمل کیا جارہا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مردانہ قسم کے کھیلوں میں رسول اللہ ﷺ کو بچوں کی تربیت کا بھی کس قدر خیال رہتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن حارثؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت عباسؓ کے دو بیٹوں عبداللہ اور عبیداللہ کو ایک قطار میں کھڑا کر دیتے تھے اور پھر کچھ فاصلے پر جاکر بیٹھ جاتے تھے کبھی بچوں کی

---

[1] غزوہ حنین

طرف چہرہ اقدس کر کے اور کبھی پشت مبارک کر کے بچوں سے فرمادیتے تھے کہ تم میں سے جو بھاگ کر پہلے مجھے چھولے گا میں اسے انعام دوں گا۔ تو میں نے دیکھا یہ دونوں بچے بھاگتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ جاتے اور آپ کی پشت مبارک یا سینہ اطہر کے ساتھ جاکر چمٹ جاتے اور آپ انہیں چوم لیتے۔

جہاد ـــــ زبان سے

جہاد کی قوت کے استعمال کے بعد ایک قسم یہ بھی ہے کہ زبان سے جہاد کیا جائے۔ کافروں کے خلاف ایسے اشعار پڑھے یا کہے جائیں جن سے انہیں تکلیف پہنچتی ہو اور اسلام کے متعلق جوش وجذبے کا اظہار ہوتا ہو۔ اسی طرح زبان سے کفار کے خلاف منصوبے بنائے جائیں۔ اچھے مشورے دیئے جائیں۔ یہ تمام کام جہاد باللسان (زبان سے جہاد) کرنے میں شمار ہوتے ہیں۔ اہل علم جنہیں اللہ تعالیٰ نے زور خطابت سے نوازا ہے یا جن کی زبان میں اللہ تعالیٰ نے تاثیر رکھی ہے وہ حضرات اس شعبے میں نہایت عمدہ کام کر سکتے ہیں۔ اپنی خطابت کے بل بوتے پر دشمن کے خلاف آگ لگا سکتے ہیں۔ جوانوں کے شوق شہادت کو اجاگر کر سکتے ہیں اور شہادت وجہاد کے فضائل ومناقب بیان کر سکتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے خود بھی اس محاذ کی نشاندہی فرمائی ہے۔ [1]

حضرت انسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مشرکین سے جہاد کرو اپنے مالوں سے، اپنے ہاتھوں سے اور اپنی زبانوں سے۔

جہاد کرنے کا گویا کہ ایک آسان طریقہ رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی بتلادیا کہ زبان سے جہاد کیا جائے۔ خدانخواستہ اس کا مطلب یہ نہ سمجھا جائے کہ آدمی زبان سے باتیں کرتا رہے اور عملاً کچھ نہ کرے تو بھی جہاد ہو جائے گا بلکہ وقت آنے پر اگر وہ معذور نہیں ہے تو اسے جہاد میں شرکت کرنی چاہئے۔

---

[1] ابوداؤد

www.ahnafmedia.com

نبی کریم ﷺ 6ھ میں حدیبیہ کا معاہدہ کر کے واپس تشریف لے گئے تھے اور آپ کو عمرہ ادا کرنے سے روک دیا گیا تھا۔ آپ اس عمرہ کی قضا کے سلسلے میں 7ھ میں دوبارہ تشریف لائے تھے۔ اس موقع پر جب آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ کے اونٹ کی مہار پکڑ کر حضرت عبداللہ بن رواحہؓ آگے آگے چل رہے تھے۔ اور یہ شعر پڑھ رہے تھے [1]

خلوا بنی الکفار عن سبیلہ

الیوم نضربکم عن تنزیلہ

ضربا یزیل الھام عن مقیلہ

ویذھل الخلیل عن خلیلہ

کافروں کے بچو! طور سول اللہ ﷺ کا راستہ چھوڑ دو۔ آج اس ہستی کی یہاں تشریف آوری کی خاطر ہم تمہاری گردنیں اڑا دیں گے۔ ایسی ضرب لگائیں گے کہ سر تن سے جدا ہو جائے گا اور دوست دوست کو بھول جائے گا

یہ اشعار حضرت عمرؓ بھی سن رہے تھے۔ انہوں نے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں اور اللہ تعالیٰ کے حرم میں بھی تم شعر پڑھ رہے ہو۔ تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی جگہ جواب دیا اور فرمایا

عمر اسے چھوڑ دے۔ اس کے شعر دشمنوں کے دل میں تیروں کی پیکان سے زیادہ گہرے زخم کر رہے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کفار کے خلاف ہر طرح جہاد فرماتے تھے۔ چنانچہ اس موقع پر جہاد بالسیف تو ہو نہیں سکتا تھا۔ آپ نے زبانی جہاد کو نہ صرف سنا بلکہ تائید بھی فرمائی۔

زبان پر قدرت اور اپنے ما فی الضمیر کو صحیح طور سے بیان کرنا یہ بھی اللہ تعالیٰ کے بہت بڑے انعامات میں سے ایک ہے۔ حضرت حسان ثابتؓ کو اللہ

[1] ترمذی و نسائی

تعالیٰ نے اس دولت سے خوب خوب نوازا تھا۔ اس لئے انہوں نے جہاں بھی کفار مکہ کے خلاف اور رسول اللہ ﷺ کی توصیف میں کلام کیا ہے حق تو یہ کہ حق ادا کر دیا ہے۔ ایک مرتبہ ایک کافر نے رسول اللہ ﷺ کی اپنی شاعری میں توہین کی تو حضرت حسان بن ثابتؓ نے اسے شاعری ہی میں جواب دیا ہے۔ فرماتے ہیں

ھجوت محمدا فاجبت عنہ

وعند اللہ فی ذاک الجزاء

ھجوت محمدا برا تقیا

رسول اللہ شیمتہ الوفاء

اتھجوہ ولست لہ بکفء

فشرکما لخیرکما الفداء

فان ابی و والدتی وعرضی

لعرض محمد منکم وقاء

ارے او کافر تو محمد ﷺ کی توہین کر رہا ہے تو سن میں نے اس کا جواب دیا ہے۔ اور اس جواب دینے میں مجھے اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید ہے۔

تو ان کی مبارک شان میں گستاخی کرتا ہے حالانکہ وہ نیکو کار ہیں، خدا ترس ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور وفاداری ان کی گھٹی میں شامل ہے۔

تو ان کی شان مبارکہ میں زبان دراز کرتا ہے حالانکہ تو کسی طرح بھی ان کے برابر کا نہیں۔ تو تیرے اور محمد ﷺ دونوں میں سے جو برا ہے وہ اپنے اچھے پر صدقے (فدا) لگ جائے۔

سن میرے باپ دادا اور میری عزت و آبرو تمہارے مقابلے میں آئے کیلئے محمد ﷺ کی عزت کے لئے تو ڈھال ہیں

حضرت حسان بن ثابتؓ کی شاعری اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ جب بھی اسلام، دین، شریعت اور نبی کریم ﷺ کی عزت و ناموس کا مسئلہ اٹھے

www.ahnafmedia.com

مسلمان کو ہزار جان سے اپنے آپ کو قربانی کیلئے پیش کرنا چاہئے۔

آج کی دنیا پراپیگنڈے کی دنیا ہے۔ جو انسان اپنا موقف وسیع پیمانے پر پیش کر سکتا ہے۔ اس کی کامیابی کے امکانات اتنا ہی بڑھ جاتے ہیں۔ کافروں کے خلاف پراپیگنڈہ کرنا ان کے خلاف اشتعال کی فضا پیدا کرنا اور شریعت کے حدود و قوانین کی پابندی کرتے ہوئے اپنے موقف کیلئے زبان، قلم اور پریس کی طاقت کو زیادہ سے زیادہ استعمال کرنا اسی زمرے میں آتا ہے۔ ان تمام ذرائع ابلاغ سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ کافروں کا جواب دینے کیلئے بہتر سے بہتر بولنے والے آدمی ہونے چاہئیں جو اپنا نقطہ نظر صحیح اور واضح طور پر پیش کر سکیں۔

جہاد بالنفس

اپنے جی کی نہ مان کر چلنا اور اپنے نفس کی خواہشات پر اللہ تعالیٰ کے احکامات کو ترجیح دینا یہ بھی جہاد کا ایک شعبہ ہے اور در حقیقت یہ بہت ہی مشکل معاملہ ہے۔ کفار سے جہاد کی نوبت تو کبھی کبھی آتی ہے مگر اس دشمن سے دن بھر جہاد کرنا پڑتا ہے۔ نفس کا تقاضا ہے کہ فلاں چیز چکھی جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے حرام کر دیا ہے۔ مومن انسان اپنے من کی خواہش کو رد کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو ترجیح دیتا ہے۔ گناہ سے ہٹ کر نیکی اور تقویٰ کی راہ اختیار کرتا ہے تو یہ اس کا نفس کی خواہشات کے خلاف جہاد ہے۔

عملی زندگی میں نیکی کر لینا آسان ہے اور گناہ سے بچنا بہت مشکل ہے۔ ایک آدمی سے کہا جائے کہ وہ پورے شہر کا چکر لگا کر آئے اور اس تمام عمل کے دوران درود شریف پڑھتا رہے یا استغفار کرتا رہے تو عین ممکن ہے کہ اس گئے گذرے دور میں بھی کچھ لوگ ایسے مل سکیں مگر اسی سے یہ کہا جائے کہ وہ تمام شہر تو نہیں بلکہ اس شہر کا ایک چوتھائی بارونق حصہ گھوم کر واپس آجائے اس حال میں کہ اس کی نگاہ نے کوئی برائی نہ کی ہو تو یہ کام اس کیلئے زیادہ کٹھن اور بسا اوقات

ناممکن ہو جائے گا۔ وجہ یہی ہے کہ عام طور سے لوگ اپنے نفس کے خلاف جہاد کرنے کے عادی نہیں ہوتے رسول اللہ ﷺ جب غزوہ تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے تو آپ نے مدینہ طیبہ پہنچنے پر فرمایا[1]

رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر (نسائی)

ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف آئے ہیں۔

تو سمجھانا یہی مقصود تھا کہ کفار سے تو ایک مرتبہ جہاد ہوتا ہے مگر اپنے نفس سے کئی بار جہاد کرنا پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر ارشاد فرمایا ہے۔

وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا۔

(پارہ: ۱۵، سورۃ الکہف آیت: ۲۸)

کسی ایسے شخص کی اطاعت نہ کرو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے۔ اور جس نے اپنی خواہش نفس کی پیروی اختیار کر لی ہے اور جس کا کام افراط و تفریط پر مبنی ہے۔

خواہش نفس کی پیروی سے نہ صرف یہ کہ اجتناب کرے بلکہ اس کے مضر اثرات بھی بتلائے ہیں کہ جو آدمی بھی اپنے نفس کی پیروی کرتا ہے اس کا کام اعتدال سے ہٹ کر کوئی اور راہ اختیار کر لیتا ہے۔ وہ گناہ کرنے پر آئے گا تو بھی عروج پر پہنچ جائے گا اور نیکی کرے گا تو اس کی انتہا تک پہنچنے کی کوشش کرے گا۔ یہاں تک کہ جب خواہش نفس کی وجہ سے نیکی کی جاتی ہے تو سنت کو فرض پر اور مستحب کو واجب پر ترجیح دی جانے لگتی ہے۔ اعتدال کی راہ سے ہٹے ہوئے لوگ ہمیشہ اپنے نفس کے پھندے میں گرفتار اور اپنی خواہشات کے غلام ہوتے ہیں۔ ان کیلئے بسا اوقات کافروں سے جہاد آسان ہو جاتا ہے لیکن اپنے نفس کے

---

[1] (نسائی)

www.ahnafmedia.com

خلاف جہاد زیادہ گراں گذرتا ہے۔ اگر تمام لوگ اپنے نفس کی خواہش پر عمل کرنا چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے طریقے کے مطابق زندگی بسر کرنے لگیں تو یہ دنیا جنت نظیر بن جائے۔

جہاد بالنفس کو سب سے زیادہ اچھے طریقے پر اگر کسی نے سمجھا ہے تو مسلمان معاشرے کے صوفیاء کرامؒ نے سمجھا ہے وہ ہر ہر موقع پر اپنے نفس کے خلاف جدوجہد سکھلاتے تھے اور ان کی تعلیمات کا خلاصہ یہی ہے کہ اپنے دل کے اتباع کی بجائے رسول ﷺ کے طریقوں پر عمل کیا جائے اور اتباع سنت سے سرمو انحراف نہیں ہونا چاہئے۔ یہ فکر ان حضراتؒ کی اپنی بھی ہوتی تو بھی قابل اتباع تھی۔ معاملہ اس سے بالا تر ہے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی مخالفت نفس کی تعلیم ارشاد فرماتے تھے۔ ازالۃ الخفاء میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھا کہ ان کے سامنے گوشت رکھا ہوا ہے۔

آپ نے دریافت فرمایا یہ گوشت کیسے رکھا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا "گوشت کھانے کو جی چاہ رہا تھا"

اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا "کیا جب بھی کسی چیز کی خواہش ہوا کرے گی تو تم اس کو کھایا کرو گے۔ ایک شخص کی فضول خرچی کیلئے یہ بات کافی ہے کہ وہ ان چیزوں کو کھانے لگے جن چیزوں کو اس کا دل پسند کرے

اسی طرح مخالفت نفس کے سلسلے میں حضرت عمرؓ کی ایک بہت عمدہ نصیحت بھی نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا

"پیٹ بھر کر کھانے پینے سے پرہیز کرو کیونکہ یہ عادت جسم کو خراب کر دیتی ہے۔ بیماری کو جنم دیتی ہے نماز میں سستی ہونے لگتی ہے۔ تمہارے لئے یہ ضروری ہے کہ کھانے پینے میں اعتدال اور درمیان کی راہ اختیار کرو کیونکہ کھانے پینے میں اعتدال جسم کو اچھا بنا دیتا ہے۔ یہ طریقہ درست بھی ہے اور فضول خرچی سے بھی آدمی بچتا ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے عالم و فاضل سے بھی نفرت کرتا ہے جو کھا کھا کر موٹا تازہ ہو گیا ہو۔ اور ایک آدمی کی ہلاکت اور بربادی شروع ہو جاتی ہے

جب وہ اپنی نفسانی خواہشات کو دین پر ترجیح دینے لگے" (ازالۃ الخفاء شاہ ولی اللہ دہلویؒ)

شہید کے لئے انعامات

جہاد بذات خود جس قدر عظمت کا حامل ہے اسی اعتبار سے اس پر مرتب ہونے والے انعامات بھی اتنے ہی عظیم ہیں۔ انسان کے لئے سب سے زیادہ قیمتی متاع اس کی اپنی زندگی ہے جس کے لئے وہ اس قدر جدوجہد کرتا ہے۔ رات دن محنت کرتا ہے اور اپنے دل کو چین اور آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے کے لئے کیا کیا جتن جھیلتا ہے جب تک کہ اسے جان سے بھی زیادہ قیمتی اور دلکش چیز نظر نہ آئے اس کے لئے قربانی دینا مشکل ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے اسی لئے جان نچھاور کر دینے پر اس قدر بے پایاں انعامات کا وعدہ فرمایا ہے کہ ان کو سن اور پڑھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے اور انسان بے اختیار یہ کہنے لگتا ہے۔

بندہ عیب دار کس نہ خرد
با ہزاراں گنہ خرید مرا

ترجمہ۔ عیب دار چیز (بندہ) کی کوئی قیمت نہیں لگاتا اور آپ نے ہزارہا عیوب کے باوجود مجھے خرید لیا۔

قرآن کریم میں مردہ کہنے تک سے منع کیا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن ایک جنتی کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس سے دریافت فرمائیں گے کہ آدم کے بیٹے تیرا ٹھکانہ کیا رہا؟ وہ کہے گا میرے اللہ مجھے بہت اچھی جگہ ملی پھر اللہ تعالیٰ اس سے دریافت فرمائیں گے کہ تیری اور کوئی آرزو؟ تو وہ کہے گا میرے اللہ اس کے علاوہ کوئی تمنا نہیں ہے کہ آپ مجھے دس مرتبہ دنیا میں بھیج دیجئے اور میں ہر مرتبہ آپ کے راستے میں جان قربان کرتا رہوں"

www.pharmadigest.com

یہ جنتی شہید نہیں ہو گا جنت میں سکھ چین سے وقت گزار رہا ہو گا پھر اسے یہ تمنا کیوں پیدا ہو گی؟ اس سوال کا جواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں دیا۔

لما یریٰ من فضل الشھادۃ[1]

جب وہ شہادت کا عظیم رتبہ دیکھے گا تو اسے یہ آرزو ہو گی

اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل جنت بھی شہید پر رشک کریں گے اور جو کچھ اسے ملے گا اس کی تمنا کریں گے۔ قرآن کریم سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور صدیقین رضی اللہ عنہم کو چھوڑ کر شہید سب سے اعلیٰ درجے کی جنت پائے گا۔ ایک اور روایت میں آتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے پاس شہید کے لئے سات انعامات ہیں۔

(1) خون کی پہلی دھار پر ہی اس کی مغفرت فرما دی جائے گی۔
(2) جنت میں جانے سے پہلے ہی اسے اس کا مقام دکھا دیا جائے گا۔
(3) قبر کے عذاب سے محفوظ رکھا جائے گا۔
(4) قیامت کی انتہائی گھبراہٹ سے اسے اطمینان دے دیا جائے گا۔
(5) عزت واکرام کا تاج اس کے سر پر رکھا جائے گا جس کا ایک یاقوت اس تمام کائنات سے اچھا ہو گا۔
(6) بہتر (72) بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں اسے دی جائیں گی۔
(7) اور اپنے ستر (70) رشتہ داروں کے بارے میں اس کی شفاعت قبول کر لی جائے گی۔[2]

---

[1] (رواہ النسائی) [2] ترمذی۔ ابن ماجہ

مرتبہ شہادت

ان تمام انعامات میں سے ایک سے ایک بڑا انعام ہے سچ تو یہ ہے کہ قیامت میں انسان سے اس کی لغزشوں اور گناہوں کے بارے میں سوال نہ کیا جائے اور معافی دیدی جائے تو اس سے بہتر اور کیا انعام ہے جس کی بندہ تمنا کرے مگر اللہ تعالیٰ کا خاص انعام اور فضل ہے کہ اس نے اپنی رحمت کاملہ سے شہید کو خود اتنے انعامات کا مستحق ٹھہرایا ہے۔ اس کی اپنی مغفرت تو ایک انعام ہے وہ شہید تو اس شان کا آدمی ہے کہ اپنے ستر (70) رشتہ داروں کے لئے بھی باعث رحمت ثابت ہو گا۔

اور یہ تمام انعامات اس لئے مرحمت فرمائے جا رہے ہیں کہ انہوں نے ایثار وقربانی سے کام لیا اس قدر ایثار کہ اپنی جان بھی اللہ تعالیٰ کے راستے میں فنا کر دی۔ مجاہدین کس قدر ایثار وقربانی دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں جنگ یرموک کا ایک مشہور واقعہ اس بات پر روشنی ڈالتا ہے۔ تین بہادر (1) حضرت عکرمہ (2) حضرت سہیل (3) حضرت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہم شدید زخمی ہو چکے تھے اور ان کے آخری سانس چل رہے تھے۔ نزع کا عالم طاری تھا اور تینوں کو شدید پیاس لگی ہوئی تھی اتنے میں ایک صاحب میدان جنگ میں پانی لے آئے اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کو پانی پلانا چاہا انہوں نے باوجود طلب اور شدت پیاس کے اپنے ایک اور مجاہد بھائی کو ترجیح دی اور حضرت سہیل رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا کہ پانی انہیں پلایا جائے وہ صاحب جب حضرت سہیل رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو انہوں نے بھی اسی قربانی کا مظاہرہ کیا اور اپنے ایک اور مجاہد بھائی حضرت حارث رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا۔ وہ صاحب جب حضرت حارث رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو ان کی شہادت ہو چکی تھی۔ یہ واپس پلٹے تو حضرت سہیل رضی اللہ عنہ بھی شہید ہو چکے تھے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کو

www.ahnafmedia.com

پانی پلانا چاہا تو ان کی روح بھی پرواز کر چکی تھی تینوں کے تینوں پانی پیئے بغیر دنیا سے رخصت ہو گئے مگر ایثار اور قربانی کا ایک نادر نمونہ اپنے بعد آنے والے مسلمان مجاہدین کے لئے چھوڑ گئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس مقدس فریضے کے احیاء کی توفیق ارزاں فرمائے۔ ان انعامات کا ہمیں بھی مستحق بنائے اور زندگی اپنے دین کے کام کیلئے اور موت اپنی راہ کی ہمارا مقدر کر دے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب 2 دوم

شہادت مقصود مومن

آخرت کے ساتھی

نبی کریم ﷺ کی بعثت نے فکر انسانی میں جو حیرت انگیز انقلاب برپا کیا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ فکر و نظر کے پیمانے بدل گئے ان کے نام لیوا زندگی پر موت کو ترجیح دینے لگے۔ اور "فکر دنیا" کی جگہ فکر آخرت نے لے لی۔ موت نے حیات کی جستجو شروع کر دی اور شوق شہادت ابدی زیست کا سامان فراہم کرنے میں سرگرداں رہنے لگا۔

حضرت بشر بن عبد المنذر رضی اللہ عنہ شہداء بدر میں سے تھے۔ غزوہ احد سے قبل عبداللہ بن عمرو بن حرامؓ کو خواب میں ملے اور کہنے لگے۔

"عبداللہ تم جلد ہی ہمارے پاس آجاؤ گے"۔

عبداللہ بن عمرو فرماتے تھے، میں نے پوچھا تم کہاں ہو؟ کہا، جنت میں جہاں چاہتے ہیں سیر و تفریح کے لئے چلے جاتے ہیں۔ میں نے کہا کیا تم بدر میں شہید نہیں

www.sabaafoundation.com

ہو گئے تھے؟ مبشر بولے

"بے شک میں شہید ہو گیا تھا لیکن دوبارہ زندگی عطا کی گئی ہے۔"

عبداللہ بن عمرو بن حرامؓ کے لئے یہ خواب تعجب کا باعث بنا اور اس صاحب مجلس کے پاس تشریف لے گئے جس کی مجلس زندگی کی الجھی ہوئی گتھیوں کو سلجھاتی تھی۔ عرض کیا کہ یارسول اللہ میں نے آج رات یہ خواب دیکھا ہے' اس کی تعبیر ارشاد ہو۔ آپؐ نے فرمایا "اس کی تعبیر تو شہادت ہے۔" [1]

تعبیر پوری ہونے کا وقت آ گیا۔ صبح احد کا معرکہ کارزار گرم ہونے والا تھا' اپنے بیٹے حضرت جابرؓ کو بلایا اور وصیت کی

"میرے بیٹے! صبح جو لوگ اللہ کے راستے میں شہید ہوں گے' مجھے امید ہے کہ میں ان میں سے پہلا آدمی ہوں گا۔ تم یقین رکھو اپنے بعد جن لوگوں کو چھوڑ کر میں اس دنیا سے رخصت ہوں گا نبی کریم ﷺ کے بعد سب سے زیادہ پیارے مجھے تم لگتے ہو۔ جو قرض میرے ذمے ہے اسے تم ادا کر دینا۔ اپنی بہنوں کا خیال رکھنا" [2]

ہفتہ کے دن صبح دم رزم حق و باطل میں پہلا وار کھایا' اور صحابہؓ میں پہلا شہید یہی عبداللہ بن عمرو بن حرامؓ تھا۔ اسامہ بن اعور بن عبید نے انہیں شہید کیا تھا۔ [3] خواب کی تعبیر جو زبان رسالت سے ملی تھی' پوری ہو گئی۔ مبشر بن عبدالمنذر نے جو اطلاع دی تھی اس کا وقت آ گیا تھا۔

مشرکین مکہ کو صرف ان کے قتل پر چین کیسے آ سکتا تھا' انہوں نے ان کے ناک اور کان کاٹ کر لاش کو بگاڑ دیا۔ جنازہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے لا کر رکھا گیا۔ جس کو باپ نے شب میں وصیت کی تھی۔ جابر۔ وہ بھی آ گیا' بار بار منہ

[1] زاد المعاد ج2' ص96 [2] صحیح بخاری۔ ج1' ص180 [3] اسد الغابہ۔ ج3' ص233

پر سے کپڑا ہٹا کر اپنے شہید والد کو دیکھتے تھے اور زار و قطار روتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ منظر دیکھ کر کپڑا ان کے چہرے سے ہٹوا دیا۔ ان کی بہن فاطمہ جو پاس کھڑی تھیں' اپنے بھائی کی لاش کو دیکھ کر تڑپ اٹھیں رسول اللہ ﷺ نے پوچھا یہ کون ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا یہ عبداللہ کی بہن فاطمہ ہیں [1] رسول اللہ ﷺ نے جنازہ اٹھانے کا حکم دیا۔ جنازہ جب مدفن کی طرف روانہ ہوا' تو ان کی بہن فاطمہ پھر اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکیں' صبر کا دامن چھوٹ گیا' اور بے اختیار ان کی چیخ نکل گئی۔ فاطمہ جسے اپنے بھائی کی محبت یہاں کھینچ لائی تھی' رو رہی تھی' رسول اللہ ﷺ نے انہیں تسلی دی' بتایا کہ ان کے بھائی کو کس رتبے پر فائز کیا ہے۔ اور فرمایا

"تم کیوں روتی ہو؟ میں نے دیکھا جب تک ان کا جنازہ رکھا رہا اللہ کے فرشتے برابر اس پر اپنے پروں کا سایہ کئے رہے۔" [2]

کس قدر عظمت کا حامل ہے فاطمہ کا بھائی اور جابر کا باپ یہ عظیم شہید جس کے جنازے پر اللہ کے فرشتوں نے سایہ کیا۔

تدفین کا مرحلہ پیش آیا تو انہیں اور ان کے بہنوئی۔ عمرو بن جموح۔ کو ایک قبر میں دفن کیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اکھٹے دفن کرنے کا حکم دیا اور فرمایا [3]

ادفنوا هذين المتحابين في الدنيا في قبر واحد

(زاد المعاد - ج:٣ - ص:٢١٥)

ان دونوں کو دنیا میں ایک دوسرے سے محبت تھی' انہیں ایک ہی قبر میں دفن کر دو۔

اللہ ہی کے لئے محبت کرنا کتنا ثمر بار اور نتیجہ خیز ہے کہ ایسا آدمی اپنے عمل کے نفع سے دنیا اور آخرت دونوں میں بہرہ ور ہے۔

[1] صحیح بخاری۔ ج1' ص172 [2] صحیح مسلم۔ ج2' ص247 [3] زاد المعاد۔ ج3' ص215

www.sirat-e-mustaqeem.net

وہ جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہید ہوئے' رسول اللہ ﷺ نے جن کی تجہیز و تکفین فرمائی' ان کی شہادت کے عنداللہ مقبول ہونے کی ایک کھلی ہوئی دلیل اس وقت سامنے آئی جب جنگ احد کے چھیالیس 46 برس بعد یہ قبر ایک سیلاب کی وجہ سے کھل گئی۔ اس طویل عرصہ میں لاش کے ساتھ کیا کچھ نہیں ہو جاتا' جسم مٹی میں مل جاتا ہے اور نام و نشان مٹ جاتا ہے لیکن دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام اور عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ دونوں کے جسم محفوظ تھے۔ عبداللہ بن عمرو نے اپنا ہاتھ اس زخم پر رکھا ہوا تھا جو احد میں انہیں لگا تھا۔ ان کا ہاتھ زخم سے ہٹا کر چاہا گیا کہ سیدھا کر دیا جائے' تو ہاتھ کے ہٹاتے ہی خون بہنے لگا۔ لوگوں نے ہاتھ کو دوبارہ ان کے زخم پر رکھ دیا تو خون رک گیا۔ [1]

چھیالیس (46) برس کے بعد بھی جسم محفوظ رہے بلکہ شہید کا ہاتھ جب ہٹایا جائے تو خون بہنا شروع ہو جائے' خواہ کسی کی عقل اسے تسلیم کرے یا نہ کرے' حقیقت یہ ہے کہ یہ اس آیت کریمہ کی عملی تفسیر تھی جس میں فرمایا گیا ہے۔ [2]

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں' انہیں ہرگز مردہ مت خیال کرو' بلکہ وہ اپنے پروردگار کے پاس زندہ ہیں' رزق پاتے رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ایک قانون ہے کہ اس نے حرام اشیاء کے کھانے سے انسانوں کو منع فرمایا' اور اللہ کے بہت سے بندے ان چیزوں کے پاس بھی نہیں پھٹکتے۔ اسی طرح زمین بھی اللہ کی مخلوق ہے اگر اس پر شہداء یا انبیاء علیہم السلام یا کسی صالح میت کا جسم کھانا حرام کر دیا گیا ہو' تو اس میں کون سی ایسی بات ہے جسے تسلیم کرنے میں "جدید تہذیب" اور "روشن خیالی" کو شرم محسوس ہوتی ہے۔

[1] زادالمعاد۔ ج3' ص216 [2]

حضرت جابرؓ کو والد کی شہادت پر طبعاً دکھ تھا' ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا جابر! کیا ہوا' بہت پریشان دکھائی دیتے ہو؟ عرض کیا اللہ کے رسول والد کی شہادت' قرض اور اہل و عیال کی ذمہ داری سے پریشان ہوں۔

فرمایا! جابر تجھے ایک خوشخبری سناؤں۔ عرض کیا کیوں نہیں اللہ کے رسول ﷺ ضرور سنایئے۔ تو فرمایا سن۔ اللہ تعالیٰ نے کسی شخص سے بغیر پردے کے کلام نہیں فرمایا لیکن تیرے والد کو اللہ تعالیٰ نے زندہ کیا اور بالمشافہ گفتگو کی۔ فرمایا میرے بندے کوئی تمنا ہو تو بتاؤ؟ تمہارے باپ نے عرض کیا کہ واپس دنیا میں لوٹا دیجئے' آپ کی راہ میں دوبارہ مارا جاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ یہ طے ہو چکا مرنے کے بعد دوبارہ دنیا میں نہیں لوٹایا جاتا۔ [1]

اس شہید پر اللہ نے جو کرم فرمایا ہے' حق تو یہ ہے کہ اس کی شہادت کی موت پر ہزار زندگیاں قربان۔ جس کے جنازے پر فرشتوں نے پر بچھائے ہوں' رسالت مآب علیہ الصلوۃ والسلام نے جنازہ پڑھایا ہو' تدفین کا حکم فرمایا ہو' شہادت مقبول ہونے کی حسی علامات تک ظاہر کر دی گئی ہوں اور اللہ سے بالمشافہ گفتگو کا اعزاز بخشا گیا ہو گا' اس کی عظمتوں کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔ موت سے کس کو مفر ہے؟ جو بھی زندہ ہے' مرنے ہی کے لئے ہے اور جس نے زندگی گزاری ہے انجام کار موت سے کیسے بچ سکتا ہے۔ جب یہ قدرت کا اٹل اور طے شدہ **قانون** ہے تو کیوں نہ اچھی سے اچھی موت کا انتخاب کیا جائے؟ اپنا بس جہاں تک چل سکے زندگی اللہ کی اطاعت میں گزارنے کے بعد موت بھی اسی کی راستے کی مانگی جائے۔ اہل صدق و صفا کی شہادتیں آج بھی رہنمائی کے لئے مینارہ نور ہیں۔ یہ ہمارا ماضی تھا جس سے ہمیں زندگی گزارنے کے ڈھنگ مل رہے ہیں لیکن آج جو ہمارا "حال" ہے وہ مستقبل کی نسلوں کا "ماضی" ہو گا۔ ہم آنے والی نسلوں

[1] ترمذی ج2' کتاب التفسیر' سورہ آل عمران۔

www.ahnafmedia.com

کے لئے ایک درخشندہ ماضی جبھی فراہم کر سکتے ہیں جب ہم صدق دل سے اس پر عمل پیرا ہو جائیں۔ [1]

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ۔

آپ کہہ دیجئے کہ میری نماز اور میری (ساری) عبادتیں اور میری زندگی اور میری موت (سب) جہانوں کے پروردگار اللہ ہی کے لئے ہیں۔ کوئی اس کا شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم ملا ہے' اور میں مسلموں میں سب سے پہلا ہوں۔

مولانا نصر اللہ خاں عزیز نے ان آیات قرآنی کا مفہوم کس خوب صورت انداز میں درج ذیل شعر میں سمو دیا ہے۔

میری زندگی کا مقصد تیرے دین کی سرفرازی
میں اسی لئے مسلماں میں اسی لئے غازی

[1] ... 162۔

اللہ کے حضور جان کا نذرانہ

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں اور حضرت سعد بن ربیعؓ کو بھائی بنا دیا۔ سعد بن ربیع بیعت عقبہ ثانیہ میں شریک تھے اور رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنے قبیلے "خزرج" کا نقیب قرار دیا تھا۔ [1]

سعد بن ربیع نے اسلامی اخوت کا مظاہرہ کیا۔ اپنے مہاجر عبدالرحمٰن بن عوف کو ہر چیز میں حصہ دار بنایا اور مال و متاع' جائیداد اور زمین تمام اشیاء آدھی آدھی کر کے عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو دے دیں۔ یہاں تک کہ اپنی بیویوں کو بھی بلایا اور اپنے اس مہاجر بھائی سے کہنے لگے آپ ان میں سے جسے پسند کر لیں میں اسے طلاق دے دیتا ہوں۔ [2] یہ تھی وہ سخاوت جس کا اسلام تقاضا کرتا ہے اور جو اللہ نے سعد بن ربیع کو عطا کی تھی۔ یہی سعد بن ربیع غزوہ احد میں حاضر تھے۔ جو شخص تمام دنیوی چیزوں کو اللہ کے راستے میں قربان کر سکتا تھا بھلا اپنی زندگی مالک حقیقی کی راہ میں قربان کرنے سے دریغ کرتا۔ نہایت جانبازی سے لڑے اور جب جنگ ختم ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے زید بن ثابت کو حکم دیا کہ سعد بن ربیع کو ڈھونڈھ کر لاؤ۔ وہ کہاں ہیں؟ اگر مل جائیں تو انہیں میرا اسلام کہنا اور یہ دریافت کرنا کہ کیا حال ہے؟ کشتگان راہ حق کی لاشیں پڑی تھیں' انہوں نے جا کر دیکھا بھالا' نام لیکر آواز دی۔ شہر خموشاں آباد تھا' ہر طرف سناٹا' کوئی جواب نہ ملا۔

زید بن ثابت نے دوبارہ سعد بن ربیع کا نام لیکر پکارا کہ نبی کریم ﷺ نے اس کے پاس بھیجا ہے تو ایک ہلکی سی آواز ایک طرف سے آئی۔ دوڑتے

[1] اسد الغابہ ج2 ص277۔ [2] اسد الغابہ ج2 ص278۔

www.ahnafmedia.com

ہوئے وہاں پہنچے۔ ابھی زندگی کے کچھ سانس باقی تھے، جسم پر تیر اور تلواروں کے بے شمار زخم تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا سلام و پیام پہنچا تو سعد بن ربیع دم توڑ رہے تھے۔ زبان میں لڑکھڑاہٹ آچکی تھی، ان کے آخری الفاظ یہ تھے۔

"تم پر بھی سلام ہو، اور رسول اللہ ﷺ پر بھی سلام ہو، میرا تو حال یہ عرض کر دینا کہ اس وقت جنت کی خوشبو سونگھ رہا ہوں، اور میری قوم انصار سے یہ کہہ دینا ہم نے لیلۃ العقبہ میں رسول اللہ ﷺ پر جان قربان کر دینے کا وعدہ کیا تھا، اگر انہیں کوئی تکلیف پہنچی اور تم میں سے ایک بھی زندہ بچ گیا تو یاد رکھو اللہ کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہو گے۔ اور رسول اللہ ﷺ سے عرض کرنا کہ اس وقت اللہ کے حضور جان کا نذرانہ پیش کر رہا ہوں، میرا اسلام کہنا، اور یہ بھی کہہ دینا کہ سعد کہتا تھا آپ نے ہمیں اللہ کا راستہ بتلایا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے اور تمام امت کی طرف سے بہترین جزاء سے نوازے"۔

زید بن ثابتؓ کھڑے تھے کہ روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ لیلۃ العقبہ میں بیعت کرنے والا اپنی بیعت اور عہد وفا کر گیا۔ نبی کریم ﷺ تک جب خبر پہنچی تو فرمایا۔

"اللہ سعد پر رحم فرمائے، زندگی اور موت دونوں حالتوں میں اللہ اور اس کے رسول کا وفادار اور خیر خواہ رہا"۔ [1]

آپ نے غور کیا کہ اس نے جو عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا مرتے دم تک کس طرح اس پر قائم رہا۔ جان پر کھیل گیا لیکن بات میں فرق نہیں آنے دیا ہم شب و روز کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہیں اور بارہا عہد کرتے ہیں کہ زندگی اور موت دین کے مطابق بسر کریں گے۔ لیکن اپنے عہد و پیماں کو پورا نہیں کرتے۔

[1] استیعاب ابن عبدالبر ج2، ص35

نبی کریم ﷺ نے دفن کے وقت ایک ایک قبر میں دو دو آدمی دفنانے کا ارشاد فرمایا تھا جب انہیں رکھا گیا تو ان کے چچا خارجہؓ کو بھی ان کے ساتھ ہی لٹا دیا گیا کہ جس طرح دنیا میں اکٹھے رہے تھے آخرت میں بھی اکٹھے ہی رہیں۔ [1]

ان کی بیٹی ام سعید ایک مرتبہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملنے آئیں تو آپؓ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ اپنی چادر ان کے لئے بچھا دی، اور انتہائی اعزاز و اکرام فرمایا۔ جب وہ تشریف لے گئیں تو حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ یہ کون تھیں جن کا آپ نے اتنا احترام کیا؟ فرمایا یہ اس شخص کی بیٹی ہے جو مجھ سے اور تم سے بہتر تھا۔ انہوں نے پھر پوچھا کہ کون؟ فرمایا سعد بن ربیع جو بیعت عقبہ کے وقت نقیب بنائے گئے تھے، غزوہ بدر میں شریک ہوئے اور احد میں شہادت پائی۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ ہی میں جنت کی راہ لی اور ہم اور تم یہیں رہ گئے۔ [2]

آپ نے دیکھا خلیفہ رسول حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ایک مجاہد سعد بن ربیع کی بیٹی ام سعیدؓ کی کیسی عزت کی۔ کیا ہم بھی مجاہدین کی بیٹیوں کو ایسی ہی عزت اور ناموس و تحفظ فراہم کرتے ہیں؟۔

[1] صحیح بخاری ج1، ص560 [2] سیرۃ ابن ہشام ج2، ص86، اصابہ ص77۔

www.ahnafmedia.com

مجاہد کی قسم

رعل، ذکوان، عصیہ، بنی لحیان اور بنوعامر چند قبائل کے نام تھے جن کا سردار عامر بن طفیل تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے نام ایک خط تحریر فرمایا اور اسے عامر بن طفیل تک پہنچانے کیلئے تین حضرات کا انتخاب فرمایا۔

1۔ حضرت حرام بن ملحانؓ

2۔ حضرت کعب بن زیدؓ

3۔ حضرت منذر بن محمدؓ

تینوں حضرت گرامی نامہ لیکر روانہ ہوئے، حضرت حرام بن ملحان کو امیر مقرر کیا، حضرات حرامؓ عامر بن طفیل کے مزاج سے واقف تھے جب آبادی کے پاس پہنچے تو اپنے دونوں ساتھیوں سے کہنے لگے تم لوگ ٹھہرو میں اکیلا عامر بن طفیل کے پاس جاتا ہوں اگر اس نے کوئی شرارت کی تو وہ مجھ تک محدود ہوگی تم بچ جاؤ گے اور مدینہ منورہ اطلاع ہو سکے گی۔

اس خدشے کے پیش نظر وہ اکیلے ہی تشریف لے گئے اور عامر کو مکتوب گرامی پیش کیا اور کھڑے ہو کر رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے بارے میں کچھ بیان فرمانے لگے۔ عامر خط تو کیا پڑھتا، اس نے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے لوگوں کو اشارہ کیا، ایک اٹھا اور حضرت حرامؓ کی پیٹھ میں نیزہ اس قدر شدت سے مارا کہ وہ پیٹ سے باہر نکل آیا۔ خون فوارے کی طرح ابلنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ کے یہ قاصد اور نامہ بر زخمی ہو کر زمین پر گر پڑے اور پہلا جملہ جو زبان سے ادا کیا وہ یہ تھا۔

فزت ورب الکعبۃ

کعبہ کے پروردگار کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔

اس شہادت پر ان کی خوشی اور شادمانی کا کیا عالم تھا اس کی تصویر حضرت انسؓ نے کھینچی ہے، فرماتے ہیں[1]

قال بالدم هكذا فنضحه على وجهه ورأسه ثم قال فزت ورب الكعبة۔

جب خون فوارے کی طرح اُبلنے لگا تو ہاتھ کو خون میں ڈبو کر اس کا چھینٹا اپنے منہ پر مارا، پھر سر پر خون کا چھینٹا مارا اور کہنے لگے رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔

صحیح مسلم میں ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت کثرت سے کرتے تھے اور رات کے وقت اس کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے ان کا لقب قاری پڑ گیا تھا۔

آپ نے دیکھا یہ "قاری" مجاہد فی سبیل اللہ رسول ﷺ کا معتمد نامہ بر کس چیز پر اتنا خوش ہو رہا ہے؟ اور اسے اپنی کامیابی کہاں نظر آ رہی ہے؟ قسم اٹھا رہا ہے رب کعبہ کی کہ شہادت کامیابی ہے۔ ہمیں اس مجاہد کی قسم کا یقین کیوں نہیں آتا۔؟

---

[1] بخاری - ص ۵۸۶

www.ahnafmedia.com

بہترین سودا

ابو طالب، رسول ﷺ کے چچا تھے اور اپنے بھتیجے کی شان میں کہا کرتے تھے

ونسلم حتی نصرع حولہ

ونذھل عن ابنائنا والحلائل

"ہم محمد ﷺ کو دشمنوں کے حوالے اسی صورت میں کر سکتے ہیں
کہ جب ہم سب ان سے پہلے قتل کر دیئے جائیں اور ہم اپنے بچوں
اور بیویوں سے بے خبر ہو جائیں"

نبی کریم ﷺ کے دوسرے چچا حارث کے بیٹے حضرت عبیدہؓ مسلمان ہو گئے تھے، وہ ہجرت کر کے عازم مدینہ ہوئے۔ حق و باطل کے پہلے معرکہ میں کفار مکہ کے سردار شیبہ نے حضرت عبیدہؓ پر تلوار کا وار کیا، حضرت عبیدہؓ کا پاؤں کٹ گیا۔ پنڈلی سے خون جاری تھا، اٹھا کر بارگاہ رسالت مآب علیہ الصلاۃ والسلام میں لائے گئے۔ آپ نے ان کا سر اپنے زانوئے مبارک پر رکھ لیا۔ شہید راہ حق نے یہ ناز برداری دیکھی تو کہنے لگے۔ اے اللہ کے رسول! اگر ابو طالب زندہ ہوتے تو تسلیم کر لیتے کہ ان کے شعر

ونسلم حتی نصرع حولہ

ونذھل عن ابنائنا والحلائل

ہم محمد ﷺ کو دشمنوں کے حوالے اسی صورت میں کر سکتے ہیں کہ
جب ہم سب ان سے پہلے قتل کر دیئے جائیں اور ہم اپنے بچوں اور
بیویوں سبھی سے بے خبر ہو جائیں۔

کا صحیح مصداق میں ہوں۔ پھر یہ اشعار پڑھے۔

فان یقطعوا رجلی فانی مسلم

ارجی بہ عیشا من اللہ عالیا

"اگر ان کافروں نے میرا پاؤں کاٹ دیا ہے تو کوئی پرواہ نہیں
کہ میں مسلمان ہوں، اور اللہ تعالیٰ سے امید کرتا ہوں کہ مجھے اس
کے بدلے آخرت کی بہترین اور پرسکون زندگی عطا
فرمائیں گے"

والبسنی الرحمن من فضل منہ

لباسا من الاسلام غطی المساویا

"اور میں کیوں نہ اللہ سے اس بات کی امید رکھوں جبکہ اس نے
محض اپنے فضل و کرم سے مجھے اسلام کا لباس پہنایا، اسلام
کا لباس جس نے تمام برائیوں کو ڈھانپ دیا۔

اور پھر اس کے بعد آخرت کی بلندیوں کی طرف روانہ ہو گئے، اس کی شہادت کی گواہی زبان نبوت نے دی، اور فرمایا۔ [1]

اشھد انک شھید

"میں گواہی دیتا ہوں کہ تم شہید ہو"

آج بھی ایسے مجاہدوں کی ضرورت ہے جو ابو طالب کے شعر کا صحیح مصداق بن سکیں۔ اپنی جانیں دیوانہ وار رسول ﷺ کی عزت و ناموس کی خاطر، ان کے لائے ہوئے دین کو سربلند کرنے اور دشمن کی حریص نگاہوں اور ناپاک ارادوں سے اسلامی مملکت کو محفوظ کرنے کیلئے قربان کر کے حیات جاوداں کو پا سکیں۔

---

[1] البدایہ والنہایہ ج3 ص274۔

www.ahnafmedia.com

جذبہ جاں نثاری

سید الشہداء حضرت حمزہؓ کے بھانجے عبداللہ بن جحش اور سعد بن ابی وقاصؓ دونوں گہرے دوست تھے۔ جنگ احد شروع ہونے سے پہلے عبداللہ نے سعد سے کہا' آؤ دونوں کہیں الگ تنہائی میں بیٹھ کر اللہ سے کچھ مانگیں اور ایک دوست دوسرے کی دعا پر آمین کہے۔

سعد فرماتے ہیں کہ ہم دونوں نے ایک گوشہ تنہائی تلاش کیا اور ایک طرف جاکر بیٹھ گئے۔ پھر میں نے دعا مانگی کہ اے اللہ آج ایسے دشمن سے مقابلہ ہو جو نہایت شجاع' دلیر اور بہادر ہو' بہت غصیلا بھی کہ غصہ میں آکر مجھ پر حملہ کرے' پھر میں اس کا اور وہ میرا مقابلہ کرے پھر اس کے بعد مجھے اس پر غلبہ عنایت فرما یہاں تک کہ میں اسے قتل کر دوں۔ عبداللہ سعد کی دعا پر آمین کہتا رہا۔

پھر عبداللہ نے دعا مانگنا شروع کی کہ اے اللہ آج ایسے دشمن سے میرا مقابلہ ہو جو نہایت سخت ہو' زور آور اور غصے کا تیز ہو۔ وہ مجھ پر حملہ کرے اور اے اللہ میں محض تیری ذات کیلئے اس پر حملہ کروں۔ آخر کار وہ مجھے قتل کر دے۔ میری ناک کاٹ لے۔ میرے کان کاٹ دے اور میرے پروردگار جب میری اور تیری ملاقات ہو تو' مجھ سے پوچھے عبداللہ' تیری ناک اور تیرے کان کہاں گئے؟ تو میں عرض کروں تیری اور تیرے پیغمبر علیہ السلام کی راہ میں کاٹ دیئے گئے تھے' اور اے اللہ تو کہہ دے کہ عبداللہ تو نے سچ کہا۔

سعید بن مسیبؒ رحمتہ اللہ علیہ کی روایت میں یہ لفظ ہے کہ عبداللہ بن جحش نے دعا مانگی اور کہا۔

اے اللہ میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ میں تیرے دشمنوں کا مقابلہ کروں پھر وہ مجھے قتل کر دیں۔ میرا پیٹ چاک کر دیں' میری ناک کاٹ دیں اور کان کاٹ لیں اور پھر جب آپ سے ملاقات ہو اور آپ مجھ سے پوچھیں ایسا کیوں ہوا؟ تو میں کہہ دوں محض تیری خاطر[1]

سعد اس دعا پر آمین کہتے رہے۔

عبداللہ کو اپنی اس دعا کی قبولیت کا اس قدر یقین ہو گیا تھا کہ وہ تھوڑی دیر بعد یہ کہنے لگے۔ میرے اللہ میں تیری قسم کھاتا ہوں کہ میں ضرور تیرے دشمنوں سے لڑوں گا یہاں تک کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے اور پھر میرے ناک اور کان کاٹ لیں۔[2]

معرکہ کارزار شروع ہوا' اور پہلے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی دعا کے آثار قبولیت نمایاں ہوئے۔ انہوں نے مکہ مکرمہ کے ایک قریشی سردار کو قتل کیا۔[3]

پھر عبداللہ بن جحش نے جو کچھ مانگا تھا' پورا ہوا' وہ اس جوش سے لڑے کہ تلوار ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی' دیر تک لڑتے رہے۔ پھر ابوالحکم ابن اخنس ثقفی سے مقابلہ ہوا اور اس کے ایک وار نے تمنائے شہادت کی تکمیل کر دی۔ مشرکین نے ناک کاٹی پھر کان کاٹ ڈالے اور دھاگے میں پرو دیئے۔ سعد رضی اللہ عنہ نے یہ منظر دیکھا تو بے اختیار کہنے لگے۔ اللہ کی قسم عبداللہ تیری دعا میری دعا سے اچھی تھی۔[4]

اس دعا کی قبولیت اللہ تعالیٰ کے ہاں اس قدر بھرپور طریقے سے ہوئی کہ مسلمانوں میں ان کا نام ہی عبداللہ بن جحش المجدع فی سبیل اللہ (عبداللہ بن جحش' وہ جس کے ناک اور کان اللہ کے راستے میں کاٹے گئے) پڑ گیا۔ نبی

---

[1] مستدرک حاکم ج3 ص200۔ [2] اسد الغابۃ ج3 ص131۔ [3] روض الانف ج2 ص143۔ [4] اسد الغابۃ ج3 ص132۔

www.ahnafmedia.com

کریم ﷺ نے جنازہ پڑھایا اور اس "المجدع فی سبیل اللہ" کو اپنے چچا سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ایک ہی قبر میں دفن کر دیا۔ [1]

اللہ کے راستے میں جہاد اور شہید ہونے کی تمنا نے اس دنیا اور اس کی تمام آرائشوں سے اس مجاہد کو بے نیاز کر دیا تھا۔ اس کی نیت کا اخلاص دیکھئے۔ وہ کہتا ہے قیامت میں میرے اللہ آپ مجھ سے دریافت کریں کہ یہ سب کیوں ہوا؟ تو میں کہوں تیری راہ میں، تیرے لئے، اور تو کہہ دے کہ تو نے سچ کہا۔ کیسا خالص اور پختہ عقیدہ توحید ہے کہ اپنی جان محض اللہ ہی کیلئے قربان کر رہا ہے۔ غیر کے وجود کا شائبہ بھی گوارا نہیں۔ مولانا محمد علی جوہر نے اسی جذبہ کو شعر کے قالب میں ڈھالا ہے۔

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دوعالم سے خفا میرے لئے ہے

مجاہد کو اب بھی اخلاص کی ضرورت ہے، خالص توحید جو اس کے عقیدے اور عمل ہر جگہ ممتاز حیثیت سے نظر آئے، جس کی دعائیں حصول شہادت کیلئے ہوں اور زندگی اور موت دونوں کا نصب العین اللہ کی ذات اور اس کی رضا ہو۔

[1] اسد الغابۃ ج ص 132۔

شوق شہادت

بیعت عقبہ ثانیہ کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے انصار سے بارہ نقیب چنے، جن میں سے نو (9) کا تعلق خزرج سے تھا اور تین (3) کا اوس سے۔

قبیلہ بنو اوس کے ان سرداروں میں سے ایک سعد بن خیثمہ بھی تھے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے اپنی قوم کے تمام معاملات کا کفیل ٹھہرایا تھا۔ مدینہ منورہ میں تبلیغ دین کیلئے ان کی مساعی شب و روز جاری رہیں حتیٰ کہ وہ موقع آپہنچا جس پر آپ نے ایمان و ایقان کے محضر پر اپنی جان قربان کر کے مہر شہادت ثبت کر دی۔

سعد خود رسول ﷺ کے صحابہ میں سے تھے اور یہی شرف و منزلت ان کے والد حضرت خیثمہ رضؓ کو بھی حاصل تھی۔ غزوہ بدر کیلئے جب صحابہ کرام مدینہ منورہ سے نکل رہے تھے تو ان کے والد نے کہا۔

"بیٹا عورتوں اور بچوں کی حفاظت کیلئے ہم میں سے ایک کا گھر پر ٹھہرنا ضروری ہے تم یہ قربانی دو اور مجھے رسول ﷺ کے ہمراہ جانے دو"

اس پر حضرت سعدؓ نے اپنے والد محترم کو جو جواب دیا وہ ان کے ایمان اور اللہ سے گہرے تعلق کی روشن دلیل ہے۔ سعد نے بالکل انکار کر دیا اور کہنے لگے۔

"ابو جنت کے علاوہ اگر کوئی اور معاملہ ہوتا، تو میں یہ قربانی دیتا، لیکن مجھے اللہ سے پوری امید ہے کہ وہ اس سفر میں مجھے شہادت نصیب فرمائے گا"

باپ نے بیٹے کی یہ بات سننے سے انکار کر دیا اور بحث شروع ہو گئی۔ دونوں موت کی آغوش میں جانے کیلئے بے قرار ہیں اور پھر ہر ایک کی تمنا یہ ہے کہ کسی بھی طور وہ حق بندگی ادا کرے، قضیہ پھیلتا چلا گیا اور آخر کار باپ اور بیٹے نے قرعہ اندازی کا فیصلہ کر لیا کہ جس کا بھی نام نکلے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھ

www.ahnafmedia.com

کر قبول کر لیا جائے۔ قرعہ اندازی ہوئی تو حضرت سعدؓ کا نام نکل آیا۔ شاداں و فرحاں "بدر" کی طرف روانہ ہوئے۔

اس پہلی رزم حق و باطل میں جن حضرات کو شہادت کی عظمت سے سرفراز فرمایا گیا ان میں سے ایک یہ بھی تھے۔ بدر میں پہنچے تو طعیمہ بن عدی سے مقابلہ ہوا۔ جس چیز پر قرعہ اندازی کی وہ مل گئی اور جس جنت کو وہ دیکھ رہے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں وہاں پہنچا دیا۔

کوئی آدمی اللہ تعالیٰ کیلئے اس قدر آسانی سے نہ صرف یہ کہ جان دے دے بلکہ اس مقصد کیلئے باپ بیٹے میں قرعہ اندازی ہونے لگے۔ اس دور میں یہ معاملہ سمجھنا اور سمجھانا بہت مشکل ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ہم نے زندگی کو موت پر ترجیح دے رکھی ہے، جبکہ انہوں نے موت کو زندگی پر ترجیح دی تھی۔ ہمیں تو زندگی گزارنے کا ڈھنگ نہیں آتا انہیں جینے اور مرنے کے اصول و قواعد، اسباب و علل تمام حقیقتیں معلوم تھیں، جن عظیم مقاصد کی تکمیل وہ کرنا چاہتے تھے۔ ان کا یقین اس راہ کی دشواریاں آسان کر دیتا تھا۔ ہم اس یقین کا ذکر تو کیا کریں ان مقاصد ہی کی خبر نہیں جن کیلئے وہ اپنی جان پر کھیل گئے۔ علامہ اقبال نے ایسے ہی حضرات کے بارے میں کہا تھا۔ ؎

اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دل فریب اس کی نگہ دل نواز

نرم دم گفتگو گرم دم جستجو
رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاک باز

نقطہ پرکار حق مرد خدا کا یقین
اور یہ عالم تمام وہم و طلسم و مجاز

حضرت سعدؓ بدر میں شہید ہوئے اس کے ایک سال بعد احد کا کارزار گرم ہوا۔ باپ خیثمہ رضی اللہ عنہ جو قرعہ اندازی میں رہ گئے تھے، اپنے بیٹے کو خواب میں دیکھا اور نبی کریم ﷺ کی خدمت مبارکہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔

اللہ کے رسول میں نے کل رات اپنے بیٹے کو خواب میں دیکھا، نہایت حسین و جمیل شکل میں ہے جنت کے باغات اور نہروں میں سیر و تفریح کر رہا اور کہتا ہے ابو آپ بھی یہیں آ جائیں۔ دونوں جنت میں اکٹھے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جو مجھ سے وعدہ کیا تھا وہ پورا ہو گیا۔

پھر اپنی بات مکمل کی اور عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! مجھے بدر میں شرکت کی تمنا تھی، اس سعادت کو حاصل کرنے کیلئے مجھ میں اور میرے بیٹے میں قرعہ اندازی ہوئی، وہ جیت گیا، اس کے نام قرعہ نکلا اور وہ شہید ہو گیا، میں رہ گیا، اس کا بہت افسوس ہے"

پھر اپنی عمر کا حال بیان کیا اور تمنا کی وہی عرض کی کہ

"اللہ کے رسول اب بیٹے سے ملنا چاہتا ہوں۔ بوڑھا ہو گیا ہوں، ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں اور اب تمنا یہ ہے کہ کسی طرح اپنے پروردگار سے جا ملوں۔
یا رسول اللہ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ شہادت نصیب فرمائے اور میں اپنے بیٹے سعد سے جنت میں جا کر مل لوں"۔

اس سچی طلب، جہاد کی تڑپ اور شہادت کی تمنا کیلئے رسول اللہ ﷺ کو دعا کرنے میں کیا چیز مانع ہو سکتی تھی۔

ابن قیم فرماتے ہیں[1]

سو رسول اللہ ﷺ نے ان کیلئے دعا فرما دی اور وہ احد میں شہید ہوئے۔

باپ جو بوڑھا ہو چکا تھا، جس کی ہمت جواب دے رہی تھی اپنے بیٹے سعد کے پاس جنت میں پہنچ گیا۔ وہ خود بوڑھا تھا مگر شوق شہادت جوان تھا۔ جسم کمزور تھا مگر عزائم مضبوط تھے۔ جان سے باپ بیٹا دونوں گزر گئے مگر آن قائم رکھی۔

[1] زاد المعاد۔ ج 3، ص 208

www.ahnafmedia.com

اپنے بعد میں آنے والوں کو یہ نصیحت سکھانے کیلئے کہ

؎

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے اس جان کی تو کوئی بات نہیں

قبلہ رو شہید

حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ اصحاب بدر میں سے تھے۔ اس عظیم الشان معرکے میں انہوں نے حارث بن عامر کو کیفر کردار تک پہنچایا تھا۔ قبیلہ عضل اور قارۃ کے لوگوں نے اس بدری مجاہد کو دھوکہ دے کر قید کر لیا اور مکہ مکرمہ لے جا کر حارث کے بیٹوں کے ہاتھ بیچ دیا۔ عقبہ بن حارث نے انہیں اپنے گھر لا کر قید کر دیا تاکہ بدر میں قتل ہونے والے باپ کے خون کا بدلہ چکا سکے۔ [1]

حالانکہ یہ بدلہ کیسے اتارا جا سکتا تھا۔ وہ آزاد تھا جب قتل ہوا تھا اور آج خبیب قید میں تھے۔ خبیب کے جوہر اس دن کھل کر سامنے آئے تھے اور آج اس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے اور سب سے بڑھ کر تو یہ کہ وہ قتل ہو کر جہنم کا ایندھن بن گیا جب کہ جنت خبیب کی راہ تک رہی تھی۔

اشہر حرم [2] کے احترام کے باعث حارث کے اہل خانہ نے انہیں قید کر رکھا تاکہ ان حرمت والے مہینوں کے گزرنے کے بعد اس مجاہد کی پھانسی کا جشن منایا جا سکے۔

خبیب رضی اللہ عنہ نے اپنے خریداروں سے کہا کہ قید میں تم سے صرف تین سہولتیں چاہتا ہوں۔ [3]

1۔ پینے کے لئے صاف اور ٹھنڈا پانی دینا۔
2۔ کھانے میں ایسے جانور کا گوشت مت کھلانا' جو کسی بت کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔
3۔ جب قتل کرنا ہو تو پہلے مجھے بتا دینا۔

---

[1] استیعاب۔ ج 1' ص 168۔
[2] اشہر حرم یعنی قابل احترام مہینے۔ رجب' ذی قعدہ' ذی الحجہ اور محرم یہ چار مہینے تھے جن میں عرب قتل و خون اور جنگ و غارت گری سے اجتناب کیا کرتے تھے۔ [3] طبقات ابن سعد۔ ج' ص 40۔

www.ahnafmedia.com

اس مجاہد کی شرائط کہہ رہی ہیں کہ اسے حرام حلال کی کس قدر تمیز ہے۔ جس صحبت میں اس نے پرورش پائی ہے اس کے گہرے اثرات اس کی شخصیت پر اپنا نقش جمائے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ ان اشیاء کو جو دراصل حلال تھیں مگر اللہ کے علاوہ کسی اور کیلئے نامزد ہونے کی وجہ سے حرام ٹھہریں ان کا استعمال بھی درست نہیں سمجھتا۔ کجا وہ چیزیں جنہیں اصل کے اعتبار سے ہی اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہو۔ مثال کے طور پر شراب کو لے لیجئے اللہ تعالیٰ نے شراب کو اصلاً حرام قرار دیا ہے۔ نیت درست ہو یا غلط' شراب پینے سے بہرحال گناہ ہو گا مجاہد اپنے کردار کی تعمیر میں ان اشیاء سے بھی پرہیز کرتا ہے جو کسی عارضی علت کی وجہ سے ناجائز ہوں کجا یہ کہ وہ منع کردہ اشیاء کا ارتکاب کرنے لگے۔ جس یوسف ثانی کو مکہ مکرمہ میں لاکر فروخت کیا گیا تھا اس قدر اعلیٰ اخلاق و کردار کا مالک تھا کہ حارث جس کے عوض انہیں قتل کرنے کو رکھا گیا تھا' اس کی بیٹی زینب' جو بعد میں مسلمان ہو گئی تھیں۔ فرماتی تھیں کہ خبیب نے صفائی کے لئے استرا طلب کیا جو انہیں دے دیا گیا۔ میرا ننھا سا بیٹا وہاں کھیل رہا تھا' مجھے خیال نہیں رہا اور بچہ اس کے پاس پہنچ گیا۔ پلٹ کر دیکھا تو میں سہم گئی۔ میرا بچہ اس نے اپنے زانو پر بٹھا رکھا تھا اور دوسرے ہاتھ میں استرا تھا۔ گھبراہٹ کے آثار مجھ پر نمایاں ہو گئے۔ تو خبیب بولے۔ تمہیں اس بات کا ڈر ہے کہ میں بچے کو قتل کر دوں گا۔ اس سے انتقام لوں گا۔ مجھ سے ممکن ہی نہیں کہ ایسا کر سکوں۔

وہ جو دنیا میں ظلم کو مٹانے آئے تھے خود کیسے ظلم کا ارتکاب کر سکتے تھے۔ کمزوروں اور لاسہارا لوگوں کے جو ملجا و ماویٰ تھے' کسی کمزور' ضعیف اور وہ بھی بچہ پر کیسے ہاتھ اٹھاتے' یہ ان کے لئے ممکن ہی نہ تھا۔ ہیرے پر کیسی ہی مٹی اور دھول پڑ جائے' اس کی آب و تاب کیسے ماند پڑ سکتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کا

تربیت یافتہ انسان خواہ کیسے ہی کٹھن حالات سے گزر رہا ہو وہ اپنے اخلاق اور کردار کو کیسے تج دے سکتا ہے؟

یہ تو اس کے اخلاق اور کردار کی بلندی کا حال تھا۔ اللہ کی کس قدر رحمتیں اور شفقتیں اس کے شامل حال تھیں' اللہ تعالیٰ اپنی صفت ربوبیت کا کس قدر شاندار مظاہرہ اپنے کسی بندے پر فرما رہے تھے' اس کا اندازہ اس بیان سے کسی حد تک لگایا جا سکتا ہے' جو زینب بنت حارث نے بعد ازاں ذکر کیا۔ وہ فرماتی تھیں۔

"میں نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ سے بہتر قیدی آج تک نہیں دیکھا۔ میں نے دیکھا ایک دن وہ انگور کا خوشہ لئے' کھا رہے ہیں حالانکہ مکہ میں انگور ڈھونڈے کو نہیں ملتے تھے' اور وہ خود لوہے کی بیڑیوں میں جکڑے ہوئے تھے' کہیں جا کر نہیں لا سکتے تھے۔ یہ رزق ان کے پاس اللہ کی جانب سے آیا تھا جسے وہ تناول فرما رہے تھے۔"[1]

ہم کوتاہ عقل عالم اسباب سے ماوراء کا تصور نہیں کر سکتے اور وہ جو اس ذات مقدسہ پر مر مٹا تھا' اس کی پذیرائی کیسے خزانہ غیب سے کی جا رہی تھی' جس راہ پر یہ حضرات چل رہے تھے' وہ بہت ہی عقل اور سمجھ بوجھ کے بعد اختیار کی گئی تھی۔

؎ اتنے ناداں بھی نہ تھے جاں سے گزرنے والے
ناصحو' پند گرو' راہ گزر تو دیکھو

آخر کار حرمت والے مہینے گزر گئے اور وہ وقت آ گیا جس دن کے لئے انہیں لوہے کی زنجیروں میں جکڑا گیا تھا۔ بہت اہتمام سے مقتل کی طرف لے جایا گیا۔ مشرکین مکہ تنعیم' حدود حرم سے باہر یوں جمع ہونے لگے گویا کہ میلہ ہے۔ بچے' بوڑھے' عورتیں سبھی تماشائی بنے ہوئے تھے' اور خبیبؓ زبان

[1] صحیح بخاری ج2' ص 580

www.ahnafmedia.com

حال سے کہہ رہے تھے۔

؎ بہ جرم عشق توام می کشند کہ غوغا نیست
تو نیز بر سر بام آ کہ تماشا نیست

ترجمہ تیرے عشق کے جرم میں پھانسی پر چڑھایا جارہا ہوں تو بھی آکر دیکھ کہ عجیب تماشا ہے۔

فرمایا مجھے اتنی مہلت دے دو کہ دو رکعتیں پڑھ لوں۔ اجازت مل گئی' نماز مکمل کی' اور کہنے لگے دل چاہتا تھا کہ لمبی نماز پڑھوں مگر سوچا تم کہو گے کہ موت سے گھبرا کر بہانہ ڈھونڈ رہا ہے۔ [1]

قتل ہونے سے پہلے نماز پڑھنے کا طریقہ سب سے پہلے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے ہی شروع کیا تھا۔

فقہ کی کتابوں میں یہ مسئلہ جو آتا ہے کہ جب مسلمان کو قتل کیا جانے لگے تو چاہیئے کہ اگر ممکن ہو تو دو رکعتیں پڑھ لے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے تاکہ اس کا آخری عمل نماز اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا ہو جائے۔ [2] اس کی ابتداء اسی مجاہد' شہید فی سبیل اللہ سے ہوئی ہے۔

آپ نے غور کیا اس مجاہد نے نماز طویل کیوں نہیں کی؟ اس وجہ سے کہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ یہ موت سے گھبراتا ہے۔ موت کے نام سے ہم کیوں گھبراتے ہیں' وہ کیوں استقبال کے لئے تیار رہتے تھے؟ اس لئے کہ ہم نے دنیا کو آباد کر رکھا ہے اور آخرت موہوم ہے اور انہوں نے اپنی عقبیٰ آباد کر لی تھی' سرسبز و شاداب باغات لگا لئے تھے اور اپنے مالک کو راضی کر لیا تھا اس لئے وہاں جانے سے گھبراہٹ کیسی۔

---

[1] صحیح بخاری ج2' ص + 569

[2] چنانچہ شامی میں لکھا ہے اذا ابتلی المسلم بالقتل یستحب ان یصلی رکعتین یستغفر اللہ تعالی بعد ھما لیکون آخر عملہ الصلاۃ والاستغفار۔ ج2' ص28۔

پھر دعا مانگی اور دعا بھی مظلوم کی تھی۔ [1]

اللھم احصھم عددا واقتلھم بددا ولا تبقی منھم احدا

اللہ انہیں ایک ایک کر کے گن لے۔ پھر انہیں الگ الگ کر کے موت دے اور ان میں سے کسی ایک کو بھی باقی نہ رہنے دے۔

یہ بد دعا انہوں نے کس درد سے مانگی تھی' اس کا اندازہ اس بات سے کیجیے حضرت سعید بن عامر جو اس موقع پر موجود تھے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں شام کے ایک علاقے کا امیر مقرر کیا۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کسی کو امیر مقرر کرنے کے لئے یہ ضروری سمجھتے تھے کہ وہ کسی دماغی بیماری میں مبتلا نہ ہوں۔ سعید بن عامر کو یہ شکایت تھی کہ وہ بیٹھے بیٹھے بے ہوش ہو جایا کرتے تھے۔ لوگوں نے اسے مرگی سمجھا اور امیر المومنین رضی اللہ عنہ تک شکایت پہنچی مگر جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خود ان سے دریافت کیا تو یہ کہنے لگے۔ "امیر المومنین جب حضرت خبیبؓ کو پھانسی دی جارہی تھی' تو میں بھی وہیں تھا۔ اس وقت ان کی دعا کے کلمات کچھ ایسے پر درد تھے کہ جب بھی مجھے ان کا خیال آتا ہے' میں اپنے قابو میں نہیں رہتا' بے ہوش ہو جاتا ہوں"۔

عربوں میں یہ بات مشہور تھی کہ جب کسی کو بد دعا دی جائے اور وہ فوراً زمین پر لیٹ جائے تو بد دعا کا اثر نہیں ہوتا۔ حضرت معاویہؓ فرماتے ہیں کہ جب حضرت خبیب کو پھانسی دی جارہی تھی تو میں اس وقت بچہ تھا' اپنے والد ابو سفیان کے ہمراہ وہاں موجود تھا' جب بد دعا کے کلمات حضرت خبیبؓ نے کہنے شروع کئے تو میرے والد کی حالت یہ تھی کہ وہ گھبرا کر جلدی جلدی مجھے زمین پر لٹا رہے تھے کہ کہیں خبیب کی بد دعا مجھے نہ لگ جائے۔

---

[1] صحیح بخاری۔ ج2' ص569

www.ahnafmedia.com

جس بد دعا سے لوگ ڈر کر بچوں کو زمین پر لٹانے لگیں اور حاضرین میں سے ایک صاحب کو یاد آجاتا تھا تو بے ہوشی کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی' وہ بد دعا ایک غازی کی تھی جو بدر کا معرکہ جیت چکا تھا اور ایک ایسے صحابی رسول کی تھی جو ظلم سے شہید کیا جا رہا تھا' اثر دکھائے بغیر کیسے رہتی۔ ایک سال کے اندر اندر اس کے اثرات ظاہر ہونا شروع ہو گئے اور جن جن کے لئے وہ بد دعا کی تھی' انتہائی کسمپرسی کے عالم میں مارے گئے۔ [1]

؎ دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را
چنداں اماں نہ داد کہ شب را سحر کند

ترجمہ تم نے دیکھا کہ پروانے کے ناحق خون نے شمع کو بالکل مہلت نہ دی کہ وہ رات سحر میں بدل سکے۔

سولی تیار ہو چکی تھی۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے شعر پڑھنے شروع کئے۔

لقد اجمع الاحزاب حولی والبوا قبائلهم واستجمعوا کل مجمع
وقد قربوا ابناءهم ونساءهم وقربت من جزع طویل ممنع
الی الله اشکو غربتی بعد کربتی وما جمع الاحزاب لی عند مضجعی
فذا العرش صبرنی علی ما یرا ربی فقد بضعو لحمی وقد یئس مطمعی
وقد خیروني الکفر والموت دونه فقد ذرفت عیناي من غیر مدمع
ولست ابالی حین اقتل مسلما علی ای شق کان الله مضجعی
وذلك فی ذات الالٰه وان یشاء یبارك علی اوصال شلو ممزع

[1] فتح الباری - ج 7' ص 295۔

لوگ گروہ در گروہ میرے گرد جمع ہو گئے ہیں اور اپنے قبیلوں کو بھی اکٹھا کر لیا ہے۔ اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بھی (اس پھانسی کو تماشا سمجھ کر) قریب لے آئے ہیں اور مجھے بھی ایک لمبے اور مضبوط تنے کے قریب (پھانسی دینے کے لئے) کر دیا ہے۔ اے اللہ میں آپ سے فریاد کرتا ہوں' اپنے گھر سے دور ہونے کی' اپنی بے کسی کی اور میری پھانسی کی جگہ کے پاس جو گروہ جمع ہیں ان سے ملنے والی مصیبتوں کی۔ اے عرش والی ذات میرے خلاف جو عزائم میرے دشمنوں کے ہیں' ان پر مجھے صبر کی توفیق دے۔ انہوں نے مجھے (دکھ دے دے کر) بوٹی' بوٹی کر دیا ہے اور میرا کھانا پینا خراب ہو گیا ہے۔ یہ مجھے کفر (قبول کرنے) کا اختیار دے رہے ہیں حالانکہ (کفر اختیار کرنے سے تو) موت کم درجہ کی چیز اور آسان ہے۔ میری آنکھیں آنسوؤں کے بغیر رو رہی ہیں۔ (میرے اللہ) میں مسلمان ہونے کی حالت میں مارا جاؤں تو کوئی پروا نہیں کہ پھانسی میں میری لاش اللہ کی راہ میں کس پہلو پر قتل کی جائے گی۔ یہ مرنا تو اللہ کے لئے ہے اور وہ ذات مقدسہ چاہے تو ٹکڑے ٹکڑے کئے ہوئے اعضاء کے جوڑ جوڑ پر برکت نازل فرما دے۔

وہ یہ اشعار پڑھ رہے تھے کہ سولی کی طرف لے جایا گیا۔ تلوار سے گردن اتار دینے میں ان کے جوش انتقام کی تسکین کے سامان نہیں تھے اس لئے یہ وحشت ناک طریقہ چنا گیا۔ سولی مکہ مکرمہ میں یہ تھی کہ ایک کھمبے میں اوپر کی طرف لکڑی جوڑ دیتے تھے پھر مجرم کی کمر کو کھمبہ سے اور دونوں آڑی لکڑیوں سے باندھ دیتے تھے' پھر کمر' ہاتھ اور پاؤں میں کیلیں ٹھوک دی جاتی تھیں اور مجرم تڑپ تڑپ کر جان دے دیتا تھا۔

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو سولی پر باندھنا شروع کر دیا گیا۔ جب یہ باندھ رہے تھے تو انہوں نے زندگی کی آخری دعا کی۔

انا قد ابلغنا رسالة رسولك فبلغه الغداة ما یصنع بنا۔

[1] سیرۃ ابن ہشام ج 2' ص 132۔

www.ahnafmedia.com

اے اللہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کا پیغام لوگوں تک پہنچا دیا۔ اب جو ہمارے ساتھ کیا جا رہا ہے اس کی خبر تو اپنے رسول ﷺ کو پہنچا دے۔

عقبہ اپنے باپ کا انتقام لینے کے لئے آگے بڑھا مگر اس قدر کم عمر تھا کہ قتل کرنا اس کے بس کی بات نہ تھی۔ بنو عبدالدار کا ایک شخص "ابو میرہ" آگے بڑھا۔ خنجر اس بچے کے ہاتھ میں پکڑا کر خود اس کا ہاتھ چلانے لگا یہاں تک کہ خبیب ذبح کر دیئے گئے [1]۔ اور آخری سانس چل رہے تھے۔ مکہ مکرمہ کے جو لوگ بدر میں مارے گئے تھے ان کے بچوں کو بھی اکٹھا کیا گیا تھا' اور ان کی تعداد چالیس تک جا پہنچی تھی۔ ہر ایک نے نیزہ پکڑ رکھا تھا ان سب کو یہ سبق سکھلایا گیا تھا کہ اس نے تمہارے باپ کو مارا ہے' ہر ایک اپنے باپ کا یہ انتقام حضرت خبیب رضی اللہ عنہ سے لینا چاہ رہا تھا۔ ایک کے بعد ایک کی باری آتی چلی گئی اور خبیب کی لاش نیزوں سے چھلنی کر دی گئی۔ [2]

کیا عجیب منظر تھا' جو اپنے گھر سے اللہ کا دین سکھانے کے لئے نکلا تھا' غریب الوطنی میں کس سفاکی کا شکار ہوا۔ وہ جس نے بدر میں اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر حق کی آواز بلند کی' اور کفر کی صورت میں ہونے والے ظلم کے خلاف لڑا' آج خود ظلم کا شکار ہو گیا تھا۔

آخری دعا قبول کر لی گئی اور بذریعہ وحی رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے اس واقعہ کی تفصیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سنائی اور فرمایا۔

اے خبیب تجھ پر سلام۔ [3]

اہل مکہ نے خبیب کو سولی پر چڑھانے سے پہلے قبلہ رخ نہیں رکھا تھا کیونکہ وہ اپنے آپ کو قبلہ اور کعبہ کا سب سے زیادہ اہل سمجھتے تھے۔ مگر جو اپنے دل کو رب البیت کے عشق میں فنا کر چکا تھا' اسے "بیت" کی مواجہت سے روکنا کسی کے بس کی بات نہیں تھی۔ شہادت کے بعد ان کا سر خود بخود قبلہ کی طرف

[1] ایضاً ص 133 [2] سیرت الحبیب۔ ج ص 186۔ [3] فتح الباری

پھر گیا۔ مشرکین مکہ نے اسے برا خیال کیا' حرم کی توہین سمجھی اور کوشش کرنے لگے کہ چہرہ قبلہ سے پھیر دیا جائے مگر ناکام ہو گئے چہرہ بار بار قبلہ کی طرف پھر جاتا تھا۔ [1]

زندگی میں جو قبلہ رہا وہی موت کے بعد اللہ نے نصیب فرمایا۔ اس مجاہد اور غازی کی شہادت بھی عجیب تھی اور اللہ کے ساتھ تعلق بھی عجیب۔ جس مقصد اور دین کے لئے اس نے یہ سب کچھ کیا وہی ہمارا دین ہے۔ اس کے تقاضے آج بھی وہی ہیں' جو اس وقت تھے۔ اسے آج بھی ایسے جیالوں کی ضرورت ہے جو اپنی جان کی نذر پیش کر سکیں۔ اپنا جوان اور گرم خون اس کی رگوں میں دوڑا سکیں۔ جو آج بھی یہ ثابت کر سکیں کہ زندہ رہنے کا حق انہیں حاصل ہے جو اس دین پر پوری طرح عمل پیرا ہیں۔

یہ دور آج بھی اس خبیب رضی اللہ عنہ کا منتظر ہے' جو اعلیٰ اخلاق و کردار کا مالک ہو۔ جو اللہ کی نصرت کو کھینچ سکے۔ جس کے لئے فطرت کے قوانین کرامت کا رنگ اختیار کر لیں اور وہ یہ دعویٰ کر سکے کہ اس نے اللہ کا دین اور اس کا پیغام اپنی استطاعت کی حد تک پہنچا دیا ہے۔

[1] اصابہ۔ ج2' ص104۔

www.ahnafmedia.com

سعادت۔ دو میں سے ایک

فتح مکہ سے صرف چار ماہ قبل نبی کریم ﷺ نے ایک لشکر بصرہ بھیجنے کا ارادہ فرمایا۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ حضرت حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ رسول اللہ ﷺ نے اس سے قبل بصرہ کے حاکم کے نام ایک خط ارسال فرمایا تھا۔ جس میں اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ بجائے اس کے کہ وہ اس سعادت سے نفع اندوز ہوتا اس نے حضرت حارث بن عمیر کو شہید کر دیا اس طرح رسول اللہ ﷺ کے ایلچیوں میں سے حضرت حارث بن عمیر تنہا ہیں جنہیں شہید کیا گیا۔ [1]

لشکر ترتیب دیا گیا' اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ایک سفید جھنڈا رسول اللہ ﷺ نے عنایت فرمایا جو اس بات کی دلیل تھا کہ امیر لشکر یہ ہیں۔ پھر ارشاد فرمایا کہ اگر زید شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالب کو امیر بنا لیا جائے۔ اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ کو امیر لشکر قرار دیا جائے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو مسلمان باہمی مشورے سے جس کو چاہیں امیر منتخب کر لیں۔ [2]

روانگی کا وقت قریب آیا۔ تین ہزار صحابہ کرامؓ پر مشتمل یہ مقدس گروہ اللہ ہی کے لئے اللہ کے راستے میں مدینہ منورہ سے روانہ ہوا۔ رسول اللہ ﷺ اور مدینہ منورہ کے باشندے ثنیۃ الوداع تک رخصت کرنے آئے اور یہ دعا دی [3]

اللہ تعالیٰ تمہارا دوست ہو۔ تم سے بلائیں دور کرے اور اللہ تمہیں صحیح سلامت' کامیاب و کامران واپس لائے۔

---

[1] فتح الباری۔ ج۔ 7' ص۔ 392 [2] زرقانی۔ ج۔ 2' ص۔ 268۔
[3] السیرۃ النبویہ لابن ہشام۔ ج۔ 4' ص۔ 14

کیسی عمدہ دعا تھی' جو اس لشکر کو دی جا رہی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی فرد یا لشکر جہاد کے لئے روانہ ہو رہا ہو تو رونے کی بجائے' دعا سے رخصت کرنا چاہئے۔ مگر عبداللہ بن رواحہ نے جو تیسرے امیر مقرر کئے گئے تھے۔ جب یہ سنا کہ لوگ "بسلامت روی و باز آئی" کی دعائیں دے رہے ہیں' تو انہوں نے اپنی دلی تمنا کا اظہار شعر کے قالب میں ڈھال دیا اور بولے۔

لکننی اسأل الرحمٰن مغفرۃ
وضربۃ ذات فرع تقذف الزبدا۔
اوطعنۃ بیدی حران مجھزۃ
بحربۃ تنفذ الاحشاء والکبدا
حتیٰ یقال اذا امرّوا علی جدثی
یا ارشد اللہ من غاز وقد رشدا [1]

میں تو بسلامت واپسی کی بجائے خدائے رحمٰن سے اپنی لغزشوں کی معافی کا طلب گار ہوں اور چاہتا ہوں کہ تلوار کا ایک ایسا گہرا زخم لگ جائے جو خون کے جھاگ کو بھی ابال کر رکھ دے۔
یا پھر کسی حتراتی جوان کے ہاتھوں نیزے کی ایک کاری ضرب لگ جائے اور ایسا کاری نیزہ اور ضرب لگے کہ میری آنتوں اور جگر تک میں سوراخ کر دے۔
یہاں تک کہ جب لوگ میری قبر پر سے گزریں تو کہیں کہ واہ واہ کیسا اچھا غازی تھا' جو کامیابی کی منزل کو پا گیا۔

اس کے بعد عبداللہ بن رواحہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور یہ اس شاعر رسول کے' کون جانتا تھا کہ نعت رسول میں زندگی کے آخری شعر ہیں جو وہ اللہ

---

[1] سیرت ابن ہشام ج 4 ص 14'

www.ahnafmedia.com

کے رسول کے سامنے پڑھ رہے ہیں' کہنے لگے۔

انت الرسول فمن یحرم نوا فله

والوجه منه فقد انزی به القدر

فثبت الله ما اتاك من حسن

تثبیت موسیٰ و نصرا کالذی نصروا

انی تفرست فیك الخیر نافلة

فراسة خالفت فیك الذی نظروا

آپ بلاشک وشبہ اللہ کے رسول ہیں' جو شخص آپ کے فیوض و برکات اور چہرہ مبارک کی زیارت سے محروم رہا تو سمجھ لینا چاہئے کہ اس کی شامت اعمال نے اسے اس دولت و نعمت عظمیٰ سے محروم کر دیا۔ اللہ کے رسول۔! اللہ تعالیٰ آپ کی خوبیوں کو ثابت و قائم رکھے اور جیسے آپ سے قبل کے انبیاء علیہم السلام کی مدد کی گئی اسی طرح آپ کی مدد فرمائے۔ میں نے تو خیر اور بھلائی کو آپ میں بہت پہلے ہی محسوس کر لیا تھا' اور میرا یہ مشاہدہ اور احساس وہ ہے جس سے مشرکین ابھی بھی محروم ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے ان کی یہ تعریف و دعا سنی تو خود انہیں دعا دی۔

ابن رواحہ تجھے بھی اللہ تعالیٰ ثابت قدم رکھے۔

اور پھر شوق شہادت کے اس جذبے کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے جس جذبے کی آبیاری رسول اللہ ﷺ' بدر سے اب تک کرتے رہے تھے۔

بظاہر یہ قافلہ شام کی طرف حاکم بصرہ سے مقابلہ کرنے روانہ ہوا تھا مگر ان تین ہزار مقدس و محترم افراد کی اس قدر دھاک شاہ روم پر پڑی تھی کہ وہ دو لاکھ افراد کو ان تین ہزار کے مقابلے میں لے کر میدان جنگ میں اتر آیا۔

اس غیر متوقع صورت حال پر بعض حضرات کی یہ رائے ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ سے مشورہ لیا جائے کہ اب کیا کریں اور شاید اس پر فیصلہ ہو جاتا مگر عبداللہ ابن رواحہ کھڑے ہوئے اور ان کی خطابت کے وہ جوہر جو اللہ تعالیٰ نے پیدائشی طور پر انہیں مرحمت فرمائے تھے کھل کر سامنے آ گئے فرمایا [1]

"لوگو! تم اس چیز سے گھبراتے ہو جس چیز کی تلاش میں خدا کی قسم تم مدینہ منورہ سے نکلے تھے اور وہ ہے شہادت یاد رکھو کہ ہم نے کبھی بھی کوئی جنگ نہ تو اس بنیاد پر لڑی ہے کہ ہم افرادی قوت میں زیادہ ہیں اور نہ اس وجہ سے ہتھیاروں اور گھوڑوں میں ہم کافروں سے بالا و برتر ہیں۔ میں خود بدر میں شریک تھا اور اللہ کی قسم ہمارے پاس صرف دو گھوڑے تھے اور میں احد میں شریک تھا اور اللہ کی قسم ہمارے پاس صرف ایک گھوڑا تھا۔ یہ اللہ کا دین ہے جس کی بنیاد پر ہم ہمیشہ جنگ لڑتے رہے ہیں اور جس کا اعزاز اللہ نے ہمیں بخشا ہے۔ اٹھو! آگے بڑھو۔ دو سعادتوں میں سے ایک یقیناً تمہارا مقدر ہے۔ یا تم دشمن پر غالب آ جاؤ اور یا پھر شہید ہو کر اپنے بھائیوں سے جا ملو۔"

اس مرد قلندر کے خطبے نے جہاد کی نئی روح پھونک دی۔ صحابہ کرامؓ جو انبیاء علیہم السلام کے بعد اللہ کی سب سے زیادہ بزرگ و برتر مخلوق تھی اٹھ کھڑے ہوئے' فیصلہ ہو گیا اور چند مقامات کا سفر کرنے کے بعد "مونۃ" میں پڑاؤ ڈال دیا گیا۔

تین ہزار مجاہدین کا مقابلہ دو لاکھ کی مسلح فوج سے ہو رہا تھا۔ اگر آپ حساب لگائیں تو یہ تقریباً 1 - 67 = 3000 ÷ 200000 کی نسبت بنتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مرد مومن کے سامنے تقریباً 67 کافر صف آرا تھے۔ کفار کی کثرت تعداد نے مسلمانوں کو پست ہمت کیا اور نہ ہی اس کثرت نے دشمنوں کو

[1] مغازی الواقدی - ج2' ص760۔

www.ahnafmedia.com

کوئی فائدہ پہنچایا۔ ان کا مقابلہ اس قوم سے تھا جنہوں نے ایسے معرکے بارہا سر کیے تھے اور اپنے پروردگار پر بھروسے اور اس کی رحمت سے جیتے بھی تھے۔ جنہیں زندگی سے زیادہ موت عزیز تھی اور جو شہادت کے ایسے متمنی تھے جیسے کسی انسان کی جان پیاس کی شدت سے لبوں تک پہنچ جائے اور ایسے میں اسے کوئی ٹھنڈا پانی فراہم کر دے۔

حضرت زیدؓ جو امیر اول تھے' انہوں نے جہاد کا آغاز کیا اور کچھ دیر کے بعد شہید ہو گئے۔ لشکر کا جھنڈا حضرت جعفرؓ امیر دوم نے اٹھایا اور لڑنا شروع کیا۔ جب کفار کا دباؤ بڑھا تو گھوڑے سے نیچے اتر گئے اور پیدل لڑنا شروع کیا۔ کسی رومی نے وار کیا اور ان کا داہنا بازو کٹ گیا۔ پرچم کو اللہ کے اس شیر نے بائیں ہاتھ میں لے لیا اور لڑتا رہا یہاں تک کہ بایاں بازو بھی کٹ گیا۔ بازوؤں کا جو حصہ کٹنے سے بچ گیا تھا جھنڈا ان میں تھام لیا یہاں تک کہ اس 33 سال کے نوجوان مجاہد کو وہ منزل مل گئی جس کی تلاش میں وہ مدینہ طیبہ سے چلا تھا۔ [1]

جس جانبازی سے جعفر لڑے ہوں گے اس کا اندازہ صرف اس بات سے ہی لگایا جا سکتا ہے کہ لڑائی کے بعد جب ان کی لاش دیکھی گئی۔ تو ان کے سینے اور بازوؤں کے درمیان اوپر کے حصے میں نوے (90) زخم تھے جو تلوار اور نیزے کے تھے۔

اللہ کے اس بندے نے اپنی پشت کو بالکل محفوظ رکھا کہ وہ کسی کو دکھائے یا اس پر کوئی زخم لگے۔ [2]

اب جھنڈا عبداللہ بن رواحہ نے سنبھالا جو شاعری اور خطابت کا بھی مرد میدان تھا اور جہاد و داد شجاعت دینا تو اس کی گھٹی میں شامل تھا۔ دشمن کی طرف بڑھنے

[1] زاد المعاد۔ ج۔ 1' ص۔ 415 [2] البدایہ والنہایتہ ۔ ج3' ص474۔ صحیح بخاری میں غزوہ موتہ کے باب میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی بھی یہ روایت آتی ہے کہ ہم نے انہیں مقتولین میں دیکھا تو ان کے جسم پر 90 سے زائد زخم کے نشانات تھے جو نیزہ اور تلوار سے انہیں لگے تھے۔

لگے۔ ان کے چچازاد بھائی دیکھ رہے تھے کہ بھوک کی وجہ سے کچھ نقاہت ہے۔ اللہ ہی کو علم ہے کہ اس غازی نے کتنے وقت سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ بھائی آگے بڑھے اور کہیں سے گوشت کی چند بوٹیاں لے کر پیش کیں۔ درخواست کی کہ ان دنوں آپ نے بہت محنت کی ہے کئی وقت سے کھانا نہیں کھایا' کچھ کھا لیجیئے تاکہ کم سے کم قوت تو جواب نہ دے۔

عبداللہ بن رواحہ نے ایک بوٹی اٹھائی اور منہ میں رکھی ہی تھی کہ ایک طرف سے شور اٹھا۔ مسلمانوں پر شدید دباؤ تھا۔ اپنے آپ سے باتیں کرنے لگے اور فرمایا۔

"اس حالت میں بھی تم دنیا کے کاموں میں لگے ہوئے ہو؟"

گوشت منہ سے نکال کر پھینک دیا تلوار اٹھائی اور اس طرف گھس گئے جہاں سے شور اٹھا تھا۔ پھر اس کے بعد جس نیزے کی تمنا کر رہے تھے۔ انہیں مل گیا اور اللہ نے شہادت کے رتبے پر فائز فرمایا۔

ان کے بعد حضرت ثابت بن اصیرم امیر ہوئے اور ان کے بعد خالد بن ولید نے جھنڈا سنبھالا۔ اسی معرکے میں ان کے ہاتھ پر 9 تلواریں ٹوٹیں اور بالآخر اللہ نے انہیں فتح نصیب فرمائی۔

ادھر مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کو بذریعہ وحی اطلاع مل چکی تھی۔ آپ نے صحابہؓ کو جمع کیا اور فرمایا۔ [1]

"جھنڈا زید نے لیا تھا پھر وہ شہید ہو گئے۔ پھر جھنڈا جعفر نے اٹھایا' وہ بھی شہید ہو گئے' پھر عبداللہ بن رواحہ نے اٹھایا وہ بھی شہید ہو گئے۔" رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ بیان کر کے آب دیدہ ہو گئے اور فرمایا۔

"پھر یہاں تک کہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار (حضرت خالد بن

[1] صحیح بخاری۔ ج۔ 2' ص۔ 611

www.ahnafmedia.com

ولیدؓ) نے جھنڈا لے لیا اور اللہ نے انہیں فتح نصیب فرمائی۔ "

عبداللہ بن رواحہ نے جو تمنا کی تھی وہ انہیں مل گئی تھی۔ خون کا جھاگ جو ابل گیا تھا ' اور وہ جسم جس کی تمام توانائیاں عمر بھر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے جواب دہی میں خرچ ہوئی تھیں ' اللہ کے راستے میں پارہ پارہ ہو گیا۔ اب بھی تلاش ہے ایسے مجاہد کی جس کی زندگی اتباع سنت سے آراستہ ہو' جس کی زبان اسلام کا دفاع کرے۔ جو کم رزق پر قانع ہو جائے ' اس کے مقاصد بہت واضح ہوں۔ شہادت اس کی تمنا اور منزل ہو۔ وہ اسی منزل کے حصول کے لئے جدوجہد کرے اور اپنی نیت کی درستگی کے ساتھ ساتھ قربان ہونے کے سامان کرتا رہے۔

عبداللہ بن رواحہ بدر میں اپنی تلوار کے جوہر دکھا چکے تھے۔ احد میں کفار مکہ کو بھرپور جواب دیا تھا۔ اور خندق میں جو اشعار وہ پڑھ رہے تھے ' کس قدر خوب صورت اور آج بھی کس قدر موثر ہیں۔

اللھم لولا انت ما اھتدینا

ولا تصدقنا ولا صلینا

فانزلن السکینۃ علینا

وثبت الاقدام ان لاقینا

اے ہمارے پروردگار اگر تیری مدد نہ ہوتی تو ہم آج ہدایت پر نہ ہوتے

اور نہ ہم زکواۃ دیتے اور نہ نماز پڑھتے۔

جب تو نے ہدایت دے کر احسان فرمایا ہے تو اے اللہ اب ہم پر اپنی

طرف سے سکون نازل فرما۔

اور جب بھی تیری راہ میں دشمن سے جہاد کرنا پڑے ' ہمیں ثابت قدم رکھ۔

آیئے ہم بھی عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے اس دعائیہ پر اپنی جان اور زبان دونوں سے آمین کہیں۔

لہ زاد المعاد ج 3 ' ص 208۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب 3 سوم

حق و باطل کی پہلی رزم گاہ

(غزوہ بدر)

عاتکہ بنت عبدالمطلب کا خواب

عاتکہ بنت عبدالمطلب رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی تھیں ' لہ ایسی خوش نصیب پھوپھی جن کے بھتیجے کو اللہ نے نبوت و رسالت سے نوازا تھا۔ حضرت محمد ﷺ پر اللہ کا یہ فضل و انعام نہ صرف آپ کے خاندان بنو ہاشم کیلئے بلکہ پوری کائنات کیلئے باعث صد افتخار تھا۔

مکہ مکرمہ کا صبر آزما ' اور جاں گسل دور گزر چکا تھا ' اور بحکم الٰہی آپ کو مدینہ منورہ ہجرت کئے دو سال گزر چکے تھے کہ عاتکہ نے ایک خواب دیکھا ' ؎

لہ سیرۃ الحلبیہ - ج - 2 ' ص - 158 - ان کے اسلام لانے میں اختلاف ہے ' ابن سعد نے طبقات میں ان کے اسلام لانے اور مدینہ منورہ ہجرت کرنے کا تذکرہ کیا ہے جبکہ "اصابہ" میں اختلاف نقل کیا گیا ہے ' ملاحظہ ہو۔ الاصابہ - ج - 4 ' ص - 357

؎ السیرۃ النبویہ - ابن ہشام - ج - 2 ' ص - 258

www.ahnafmedia.com

خواب کیا تھا' ایک اشارہ الٰہی تھا' اور اس بات کا مظہر کہ قدرت کبھی کبھی اپنے فیصلوں کے اظہار کیلئے نیند کو ایک ذریعہ بنا دیتی ہے۔

خواب نہ صرف غیر معمولی نوعیت کا بلکہ چونکا دینے والا تھا۔ عاتکہ گھبرا کر اٹھ بیٹھیں' جو کچھ دکھایا گیا تھا وہ زبان حال سے خود گویا تھا کہ یہ ہر ایک سے کہنے کی بات نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان کیلئے یہ بھی ممکن نہ تھا کہ وہ اسے راز ہی رہنے دیں' اس خواب نے ان کے دل و دماغ میں اضطراب اور بے چینی کی جو کیفیت پیدا کر دی تھی' اس پر وہ زیادہ دیر قابو نہ پا سکیں' اور آخر کار انہوں نے اپنے بھائی حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے اس کے ذکر کا فیصلہ کر لیا۔ انہوں نے خواب کی یہ کیفیت بیان کی۔

"ایک آدمی اونٹ پر سوار چلا آرہا ہے' مکہ مکرمہ کے ایک میدان میں آکر ٹھہر جاتا ہے' اور چیخ چیخ کر کہتا ہے'

الا انفروا یا اھل غدر لمصارعکم فی ثلاث۔

(خبردار۔ اے اللہ سے دھوکہ کرنے والو! تین دن کے اندر اندر تم اپنی قتل گاہوں میں پہنچ جاؤ)

لوگ اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں' وہ بیت اللہ کی طرف روانہ ہوتا ہے' وہاں پہنچ کر اپنا اونٹ کھڑا کرتا ہے' اور پھر بلند آواز سے کہتا ہے

(خبردار۔ اے اللہ سے دھوکہ کرنے والو! تین دن کے اندر اندر تم اپنی قتل گاہوں میں پہنچ جاؤ۔)

یہ آواز لگا کر وہ وہاں سے چلا' اور قریب کے ایک پہاڑ "جبل ابی قیس" پر چڑھ گیا' وہاں چڑھ کر بھی یہی اعلان کیا جو اس سے پہلے دو مرتبہ کر چکا تھا۔ اس کے بعد اس نے پہاڑ کی چوٹی سے ایک بہت بڑا پتھر لڑھکا دیا' جب وہ پتھر زمین کے قریب پہنچا تو اس کے ریزے ہو گئے' اور اس پتھر کے ریزے مکہ مکرمہ کے گلی کوچوں میں پھیل گئے' یہاں تک کہ مکہ مکرمہ کا کوئی گھر ایسا نہ بچا جہاں وہ ریزے نہ پہنچے ہوں۔"

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس خواب نے تعبیر سوچنے پر مجبور کر دیا اور دونوں بہن بھائی نے آپس میں طے کر لیا کہ ہم یہ خواب کسی سے بھی بیان نہیں کریں گے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ پر بنو ہاشم کے ایک باصلاحیت' جہاں دیدہ فرد ہونے کے باوجود اس خواب کا اتنا اثر ہوا کہ وہ اسے چھپا نہ سکے اور انہوں نے اپنی بہن عاتکہ بنت عبدالمطلب کا یہ خواب اپنے دوست ولید بن عتبہ کے سامنے بیان کر دیا۔ لیکن اس کے ساتھ عتبہ کو یہ نصیحت کر دی کہ یہ خواب کسی سے بیان نہ کرنا' مگر عتبہ بھی اسے ضبط نہ کر سکا اور اس نے اپنے بیٹے سے یہ خواب بیان کر دیا۔

آہستہ آہستہ یہ خواب مکہ مکرمہ کے ہر ہر فرد تک پہنچ گیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ حرم محترم میں طواف کیلئے آئے تو عمرو بن ہشام (ابو جہل) کی مجلس جمی ہوئی تھی' کہنے لگا کہ عباس! طواف سے فارغ ہو کر مجھ سے ملنا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ طواف سے فارغ ہو کر ابو جہل کے پاس گئے تو اس نے پہلی بات ہی یہ پوچھی کہ آپ کی بہن کیا کہتی ہیں؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے تجاہل عارفانہ سے کام لیا اور فرمایا کون میری بہن؟ اس نے کہا۔ عاتکہ بنت عبدالمطلب حضرت عباس رضی اللہ عنہ اپنے رویے پر قائم رہے اور ابو جہل سے کہنے لگے کیا کہا ہے عاتکہ نے؟ ابو جہل نے خواب تو بیان نہیں کیا لیکن نہایت سخت الفاظ سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہوا۔ کہنے لگا۔ عبدالمطلب کے خاندان والو تمہارے مردوں نے تو نبوت کا دعویٰ کیا ہی تھا (مرد محمد رسول اللہ ﷺ تھے) اب تمہاری عورتیں بھی نبوت کی مدعیہ بننے لگی ہیں۔ تمہاری بہن نے جو خواب دیکھا ہے اس میں تین دن کی مدت بتلائی گئی ہے

www.ahnafmedia.com

اور اگر ان تین دنوں میں کچھ نہ ہوا تو ہم ایک تحریر لکھ کر لگا دیں گے کہ۔

انکم اکذب اھل بیت فی العرب

عبد المطلب کا گھرانہ پورے عرب میں سب سے زیادہ جھوٹا گھرانہ ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میرے پاس اس کے علاوہ کوئی حل نہیں تھا کہ میں اس خواب کا سرے سے انکار کر دیتا۔ سو میں نے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ غلط ہے عاتکہ نے ایسا کوئی خواب نہیں دیکھا اور میرے دل کا حال یہ تھا کہ رہ رہ کر یہ خیال آتا تھا " کاش! عاتکہ نے یہ خواب دیکھا ہی نہ ہوتا۔" مجلس کی بات تھی، ختم ہوگئی لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے حقیقی چچا جب شام کو گھر لوٹے تو ایک نئی مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کے خاندان کی خواتین آنا شروع ہوگئیں اور ابو جہل نے عاتکہ کے متعلق جو توہین آمیز کلمات کہے تھے، رویہ اختیار کیا تھا، اس پر احتجاج کرنے لگیں کہ ابو جہل ہمارے مردوں کو توستایا کرتا تھا اب اس کی یہ ہمت ہوگئی ہے کہ عورتوں پر بھی زبان درازی شروع کر دی۔ تمہاری غیرت کہاں کھو گئی ہے؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سنتے رہے اور یہ طے کر لیا کہ آئندہ ابو جہل نے کوئی بات کہی تو میں اسے منہ در منہ جواب دوں گا یہاں تک کہ خواب کے تیسرے دن وہ گھر سے یہ طے کر کے چلے کہ اگر ابو جہل نے آج کوئی بات نہ بھی کہی تو بھی میں خود کوئی بات چھیڑ کر اس سے الجھ پڑوں گا اور اس کی خوب خبر لوں گا۔ جب وہ مسجد حرام میں داخل ہوئے تو ابو جہل تیزی سے بھاگ رہا تھا لڑائی اور الجھنا تو کیا ہوتا ضمضم بن عمرو غفاری کھڑا چیخ رہا تھا اور ابو جہل اس کی آواز پر لپکا۔ ضمضم بن عمرو غفاری نے عربوں کے قدیم رواج کے مطابق وہ تمام کام کر رکھے تھے جو

کام عرب اس وقت کیا کرتے تھے، جب انہیں کسی شدید خطرے کی اطلاع دینا ہوتی تھی یا کسی کو اپنی مدد کیلئے فوری طور پر بلانا مقصود ہوتا تھا۔ اس کے اونٹ کی ناک کٹی ہوئی تھی۔ اونٹ پر بیٹھنے کیلئے جو کجاوہ استعمال کیا جاتا ہے 'الٹا رکھا ہوا تھا۔ اپنے کرتے کا گریبان چاک کر رکھا تھا اور چیخ چیخ کر یہ کہہ رہا تھا۔

یا معشر قریش اللطیمہ اموالکم مع ابی سفیان۔ قد عرض لھا محمّد فی اصحابہ لا اری ان تدرکوھا۔ الغوث۔ الغوث۔

قریش والو اپنے قافلہ کی خبر لو۔ اپنے قافلہ کا خیال کرو تمہارے تمام اموال ابو سفیان کے پاس ہیں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھی (رضی اللہ تعالیٰ عنھم) اس قافلے کو لوٹ لیں گے۔ دیر مت کرو نکلو۔ ورنہ تم اس قافلے کی دولت حاصل نہ کر سکو گے۔ مدد کے لئے پکارتا ہوں نکلو۔ نکلو!

ابو سفیان کا تجارتی قافلہ۔

ابو سفیانؓ ایک تجارتی قافلہ لے کر شام کی طرف گئے تھے، واپسی پر ان کی راہ مدینہ طیبہ کے قریب سے ہو کر گزرتی تھی اس لئے انہوں نے اس قاصد کو بھیجا کہ اگر مسلمان اس قافلے پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں تو ہمارے پاس افرادی قوت ہونی چاہئے۔ اس تجارتی قافلے میں قریش کے سرداروں کا حصہ تو تھا ہی طبقات ابن سعد کی روایت کے مطابق تو قریش کے جس مرد یا عورت کے پاس چند تولہ چاندی بھی تھی اس نے بھی ابو سفیان کو جاتے ہوئے دے دی تھی تاکہ وہ تجارت کریں اور نفع میں سب کو شریک رکھیں۔ چنانچہ جب یہ شام سے لوٹے تو ان کے قافلے میں مجموعی اعتبار سے جو رقم تھی وہ پچاس ہزار دینار سے زائد تھی [1]

---

[1] طبقات ابن سعد، ج - 2، ص - 7

www.ahnafmedia.com

جو آج کل کے حساب کے مطابق دو سو تیس سیر سونے سے بھی زیادہ یا ساڑھے چھ کروڑ روپے کے لگ بھگ بنتی ہے[1] (۶،۵۰،۰۰،۰۰۰)

ابو سفیان کی پوری کوشش تھی کہ یہ تمام مال و دولت خیر و عافیت کے ساتھ مکہ مکرمہ میں پہنچ جائے۔ احتیاطی تدبیر کے طور پر انہوں نے قاصد بھیجا تھا تاکہ مکہ سے مدد پہنچ جائے۔

ضمضم بن عمرو غفاری چیخ رہا تھا اور ابو جہل اس کی باتیں سن رہا تھا؛ چیخنے والا اہل مکہ کو مکہ چھوڑنے کو کہہ رہا تھا اور یہ ٹھیک اسی میدان میں کھڑے ہو کر پکار رہا تھا جو میدان عاتکہ صرف تین دن پہلے اپنے خواب میں دیکھ چکی تھی۔ انہوں نے اونٹ سوار کو دیکھا تھا اور بلاشبہ یہ بھی اونٹ پر سوار ہو کر آیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے عاتکہ کا خواب سچ کر دکھایا' اور تیسرے دن اہل مکہ کے جگر گوشے اپنے ساز و سامان سمیت محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں سے لڑنے کیلئے بدر کی طرف رواں دواں تھے۔

ضمضم بن عمرو غفاری نے تو بظاہر انہیں قافلے کو بچانے اور مدد کیلئے ابو سفیان تک پہنچنے کو کہا تھا لیکن بات وہی تھی جو عاتکہ خواب میں دیکھ چکی تھیں کہ

---

[1] اس زمانے میں عموماً ایک دینار ایک مثقال کا ہوتا تھا جو کہ ساڑھے چار (4½) ماشہ سونے سے بنتا تھا۔ اس حساب سے پچاس ہزار (-/50،000) دینار کا اٹھارہ ہزار سات سو پچاس (-/18،750) تولہ سونا بنا۔ پانچ (5) تولہ کی ایک چھٹانک ہوتی ہے' اس طرح (18،750 ÷ 5 = 3،750) یہ تین ہزار سات سو پچاس چھٹانک سونا بن گیا اس کو جب سیر بنایا گیا تو (2،750 ÷ 16 = 234.6) دو سو چونتیس سیر چھ چھٹانک سونا بن گیا۔ اس کی مالیت کا اندازہ کرنا ہو تو فی زمانہ سونے کی قیمت تین ہزار پانچ سو (-/3،500) روپے تولہ ہے۔ تو اٹھارہ ہزار سات سو پچاس تولہ سونے کی مالیت (-/63،56،25،000 = 3،500 × 18،750) چھ کروڑ چھپن لاکھ پچیس ہزار روپے بنتی ہے۔ اس حساب کو بھی زیادہ باریکی سے نہیں کیا گیا اور زوائد بھی حذف کر دیئے گئے ہیں' کیونکہ یہ کوئی شرعی مسئلہ نہیں ہے جس میں زیادہ باریک بینی اور تفتیش سے کام لیا جاتا۔ اشیاء کے اوزان کے سلسلے میں اگر تفصیل مطلوب ہو تو حضرت مفتی محمد شفیع رحمتہ اللہ علیہ کا رسالہ اوزان شرعیہ ملاحظہ کرنا چاہئے۔

تین دن کے اندر اندر اونٹ سوار کہہ رہا تھا کہ اپنی قتل گاہ کی طرف کوچ کرو۔

جہم بن الصلت کا خواب۔

جب یہ لوگ ابو جہل کی رہنمائی میں مکہ مکرمہ سے نکلے تو راستے میں جہم بن الصلت نے جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے' انہوں نے بھی ایک خواب دیکھا[1] ' وہ خواب اور بیداری کے درمیان تھے کہ اچانک گھبرا کر اٹھ بیٹھے اور اپنے ساتھیوں سے پوچھنے لگے "وہ سوار کہاں گیا؟" لوگوں نے بتلایا کہ یہاں کوئی سوار نہیں آیا۔ کہنے لگے "میں ابھی دیکھ رہا تھا کہ ایک آدمی گھوڑے پر سوار ہے اور ایک اونٹ بھی اس کے ساتھ ہے' وہ قریش کے سرداروں کے نام لے رہا ہے اور کہتا ہے کہ یہ سب قتل کر دیئے گئے' پھر اس آدمی نے اونٹ کے سینہ میں خنجر مارا اور اسے ہمارے لشکر میں چھوڑ دیا۔ خون کے چھینٹے اس طرح اڑے کہ لشکر میں کوئی ایک خیمہ بھی باقی نہ بچا جہاں اس اونٹ کا خون نہ پہنچا ہو"۔

ابو جہل نے جس طرح عاتکہ کے خواب کا مذاق اڑایا تھا حالانکہ وہ تین دن بعد ہی اپنی قتل گاہوں کی طرف نکل آئے تھے اسی طرح اس خواب کا بھی مذاق اڑانا شروع کیا اور بولا کہ لو **عبدالمطلب کی** اولاد میں (رسول اللہ ﷺ کے بعد) ایک اور آدمی نبی ہو گیا ہے۔

عاتکہ بنت عبدالمطلب اور جہم بن الصلت دونوں کے خواب میں ایک بات مشترک تھی اور وہ یہ کہ دونوں نے ایک ایسی چیز دیکھی جو مکہ مکرمہ کے ہر ہر گھر میں پہنچ گئی تھی۔ عاتکہ نے سنگریزے دیکھے اور جہم نے خون' مگر دونوں کے اثر سے کسی کو بھی محفوظ نہ دیکھا۔

وہ قادر مطلق ذات جس نے ان دونوں کو خواب دکھائے تھے' اس کا

---

[1] البدایہ والنہایہ - ج - 3' ص - 265-

www.ahnafmedia.com

فیصلہ بدر میں نافذ ہو کر رہا۔ خواب سچے ہوگئے۔ تعبیریں پوری ہو گئیں اور تین دن کے اندر اندر نکلنے والے قریش کے سردار اپنی قتل گاہ بدر میں پہنچ کر ہمیشہ کیلئے دوزخ کا ایندھن بن گئے، جن کی قوت اور بہادری ضرب المثل تھی ان میں سے ستر (70) اپنے انجام کو پہنچے اور ستر (70) مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہوئے۔

معرکہ بدر اور صحابہ کرامؓ کی جان نثاری۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے معرکہ بدر میں جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے وہ تاریخ عالم کا ایک سنہرا باب ہیں۔ ہم ان حضرات کے شوق شہادت اور جذبہ جہاد کی صرف ایک مثال پیش کرتے ہیں۔

حضرت عوف بن حارثؓ کی والدہ کا نام عفراء تھا اور اس نسبت سے یہ ابن عفراء بھی کہلاتے ہیں [1]، معرکہ بدر جب شروع ہوا تو آنحضرت ﷺ کے پاس تشریف لائے اور عرض کیا

اللہ کے رسول یہ بتلا دیجئے کہ اللہ کس بات سے خوش ہوتا ہے؟

آپ نے فرمایا۔ [2]

غمسه بيده في العدو حاسرا

حفاظت کے لئے جو جنگی سامان پہنا جاتا ہے اتار کر دشمن کے جتھے میں گھس جاؤ۔ یہ ہے ذریعہ اپنے پروردگار کو راضی کر لینے کا۔

جو اپنے اللہ کو راضی کرنے ہی کی نیت سے نکلا تھا اس موقع کو کیسے ضائع کر سکتا تھا۔ عوفؓ نے زرہ پہن رکھی تھی وہ بھی اتار دی اور بغیر حفاظتی ہتھیار و سامان لئے

---

[1] حضرت عفراء رضی اللہ عنہا ایسی قابل فخر ماں تھیں، جن کے اعزاز کیلئے تنہا یہ بات بھی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سات بیٹے 1۔ ایاس۔ 2۔ عاقل۔ 3۔ خالد۔ 4۔ عامر۔ 5۔ معاذ۔ 6۔ معوذ۔ 7۔ حارث، عنایت فرمائے تھے اور ان کے ساتوں بیٹے بدر میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تھے۔ اسماء الرجال کی کتابوں میں حضرت عفراء رضی اللہ عنہا کے حالات ملاحظہ ہوں۔

[2] طبقات ابن سعد۔ ج - 3، ص - 108

اپنے بھائی معاذ اور معوذ کو ساتھ لے کر ابو جہل پر حملہ کر دیا، تلوار کا ایک کاری وار ابو جہل پر پڑا اور بالآخر ابو جہل کو اپنے دونوں بھائیوں معوذ اور معاذ کی تلواروں کیلئے چھوڑ کر اپنے اللہ کو راضی کر لیا۔

عفراء کے دوسرے بیٹے حضرت معاذؓ بھی شہید ہوگئے۔ اس طرح اس عظیم عورت نے اپنے دولخت جگر قربان کر کے اپنے ایمان و یقین پر سچائی کی مہر ثبت کر دی [1]

بیہقی کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ان دونوں بھائیوں کے جنازوں پر تشریف لے گئے اور فرمایا

رحم الله ابني عفراء فهما شركاء في قتل فرعون هذه الامة

اللہ تعالیٰ رحم فرمائے عفراء کے دونوں بیٹوں پر کہ انہوں نے اس انسان کے قتل میں حصہ لیا جو اس وقت کا فرعون تھا۔

درحقیقت غزوۂ بدر نے یہ فیصلہ کر دیا تھا کہ قومیت کا تصور مسلمانوں میں کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اسے بایں طور واضح فرمایا۔ [2]

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُؤْمِنٌ

وہ (اللہ کی) ذات ہے جس نے تمہیں پیدا کیا۔ سو تم میں سے کوئی کافر ہے اور تم میں سے کوئی مومن ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قبیلے اور قوم کی بنیاد پر تقسیم اور فرق کو عملاً مٹا دیا۔ سورۃ تغابن کی اس آیت کریمہ کی وہ عملی تصویر بن گئے۔ ہر آدمی جو مومن ہے وہ ان کا بھائی ہے خواہ وہ کسی بھی قوم، کنبے اور قبیلے سے تعلق رکھتا ہو، اور ہر آدمی جو کافر ہے، وہ ان کا دشمن ہے خواہ اس سے باپ بھائی اور دیگر قریبی

---

[1] البدایہ والنہایۃ - ج - 3، ص - 289۔ [2] القرآن۔ 64/2

www.ahnafmedia.com

خونی رشتے ہی کیوں نہ ہوں۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بیٹے "عبدالرحمٰن" بدر میں اس نعرے کے ساتھ اترے کہ ہے کوئی جو میرے مقابلے میں آئے۔ خلیفہ رسول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تلوار سونت کر مقابل ہونے لگے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔[1]

متعنا بنفسك

اپنی ذات سے ہمیں ابھی فائدہ اٹھانے دو۔

عتبہ میدان میں آیا تو اس کے بیٹے حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ مقابلہ کیلئے نکلے مگر رسول اللہ ﷺ نے باپ کو قتل کرنے سے منع فرما دیا۔[2]

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ کا سر اڑا دیا تھا[3]، حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ پر ان کے والد نے حملہ کیا جب انہوں نے اپنی مدافعت کی تو باپ اس دنیا سے روانہ ہو چکا تھا[4]

اس سے بڑھ کر جاں بازی اور اپنے مقصد، اللہ کے دین سے محبت کیلئے قربانیاں دینے کی مثال پیش کرنے سے تاریخ عالم قاصر ہے۔ بدر کے دن نے جہاں اور بہت سے مسائل کا حل دیا وہاں اس مسئلہ قومیت کی جڑ کاٹ کر رکھ دی۔ اور مسلمانوں کیلئے تاقیامت یہ بات واضح کر دی گئی کہ کافر اور مومن دو الگ الگ قومیں ہیں۔ ہر مومن دوسرے مومن کا، بلا امتیاز نسل و وطن، بھائی ہے اور ہر کافر مومن کا دشمن ہے، بلا امتیاز نسل و وطن..... کفر اور اسلام اور ان دونوں کے ماننے والے ایسے دو متوازی خطوط ہیں جو کبھی بھی یکجا نہیں

---

[1] استیعاب۔ ص - 404۔
[2] السنیرۃ الحلبیہ۔ ج - 2ل ص - 199۔
[3] البدایتہ والنہایتہ۔ ج - 3، ص - 290۔
[4] السیرۃ الحلبیہ۔ ج - 3، ص - 188

ہو سکتے۔[1]

[1] جو لوگ اللہ تعالیٰ کیلئے نہیں بلکہ محض اپنی قوم اور وطن کیلئے جنگ لڑتے ہیں اور اس میں مارے جاتے ہیں شہید نہیں ہوتے۔ اگرچہ وہ اسلام کے جھنڈے تلے لڑ رہے ہوں اور خواہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہمراہی میں جہاد کر رہے ہوں۔ ایسے شخص کو نہ تو مجاہد کہا جا سکتا ہے اور نہ بصورت موت شہید۔

اس کی ایک بہت خوبصورت مثال غزوہ احد میں سامنے آئی۔ حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کا گزر "قزمان" نامی ایک شخص پر ہوا۔ جس نے غزوہ احد میں واقعی کارہائے نمایاں سرانجام دیئے تھے۔ تنہا قزمان نے سات یا آٹھ کافروں کو جہنم رسید کیا تھا۔ لڑتے لڑتے آخر کار زخموں سے چور ہو کر گر پڑا رسول اللہ ﷺ کو اس کی بہادری اور شجاعت کی اطلاع دی گئی تو آپ نے فرمایا "قزمان جہنمی ہے"۔ لوگ، جو اس کی بہادری دیکھ چکے تھے، حیران رہ گئے کہ اس قدر بے جگری سے لڑنے والا شخص جہنمی ہے۔ حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ اس کے پاس آئے اور دیکھا وہ مرنے کے قریب ہے تو اسے شہادت کی مبارکباد دی۔ مگر اس نے قتادہ رضی اللہ عنہ کو جو جواب دیا وہ ان تمام حضرات کے سننے کے لائق ہے جو دین اور مذہب پر اپنی قوم اور وطنیت کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس نے کہا۔

خدا کی قسم میں نے دین اسلام کیلئے کوئی جہاد نہیں کیا۔ میں نے فقط قوم اور قبیلہ کی حفاظت کیلئے جنگ کی ہے۔

صاف ظاہر ہے کہ اس شخص کا مطمع نظر اس جہاد میں اپنی قومیت اور وطنیت تھی نہ کہ اللہ کا دین اگرچہ وہ بظاہر صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہمراہ اسلام کے جھنڈے کے نیچے ہی ٹھہر کر لڑا تھا۔

اس کا مزید قصہ بھی سن لیجئے۔ اللہ تعالیٰ کیلئے تو لڑنا ہوا نہیں تھا کہ اس پر بھروسہ ہوتا، زخمی ہو کر صبر کرتا اور اللہ کے حرام کردہ فعل کے قریب نہ جاتا مگر اس ایمان کی کمزوری کی وجہ سے، جب زخموں نے شدت اختیار کی تو خنجر اٹھایا اور اپنے آپ کو ذبح کر کے خود کشی کر لی۔ نبی کریم ﷺ نے جو اس کے جہنمی ہونے کی اطلاع دی تھی وہ پوری ہو گئی۔ بظاہر یہ عجیب سی بات تھی کہ اس نے کافروں کو قتل کر کے مسلمانوں کی مدد کی غزوہ احد میں داد شجاعت دی مگر پھر بھی جہنمی ہوا تو سول اللہ ﷺ نے اس کا جواب مرحمت فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ کبھی کبھی کسی فاسق و فاجر کے ذریعے بھی اپنے دین کو قوت پہنچا دیتے ہیں"

(اس واقعے کی تفصیلات اور حوالہ جات کے لئے ملاحظہ ہو۔ عمدۃ القاری۔ ج 6، ص 631)

اس واقعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ محض وطنیت کا پرچار کرتے رہنا اور اللہ کے دین سے ہٹ کر اپنے کنبے، خاندان اور قبیلے کے لئے لڑنا، کوئی کار خیر نہیں، وطنیت اور قوم پرستی کا فتنہ اگرچہ ہمارے دور میں بھی عام ہے تاہم ہر دور میں رہا ہے علامہ اقبال مرحوم اسی فتنے کا ماتم کرتے ہیں اور فرماتے ہیں۔

اقوام جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے — تسخیر ہے مقصود تجارت تو اسی سے
خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے — کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے

www.dharafoundation.com

معبد بن وہب رضی اللہ عنہ پر تو اس قدر جذبہ جہاد غالب تھا کہ دونوں ہاتھوں میں دو تلواریں لے کر دو طرفہ لڑتے رہے۔ [1]

اسیران بدر

بدر میں جو لوگ قیدی بن کر آئے ان کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے یہ طے فرمایا کہ کم سے کم ایک ہزار فدیہ لے کر قیدی کو چھوڑا جائے' اور بعض حضرات سے جو مالی اعتبار سے مضبوط تھے چار ہزار (4000) لینے کا فیصلہ کیا گیا۔ اور جو نادار لوگ غربت کی وجہ سے کچھ ادا نہیں کر سکتے تھے' ان میں سے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے' ان سے یہ طے کر لیا گیا کہ وہ دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں تو رہا ہو جائیں گے۔ [2] اس طرح اہل مکہ کو دوہری ضرب پڑی۔ ایک تو اہم آدمیوں کا نقصان اور دوسرے مالی تاوان جو اہل مکہ کو ادا کرنا پڑا۔

افرادی قوت کی کمی اور اس معاشی ضرب نے ان کے رہے سہے اوسان بھی خطا کر دیئے اور مالی و جسمانی نقصان کے اس چرکے نے مکہ مکرمہ کے ہر گھر کو ماتم کدہ بنا دیا۔ رسول اللہ ﷺ دو دن میدان بدر میں ٹھہرے' تیسرے دن مدینہ طیبہ واپسی کیلئے تیاریاں شروع ہو گئیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ اس کنوئیں پر تشریف لے گئے جس میں قریش کے ان مقتول کافروں کی لاشیں ڈال دی گئی تھیں اور پھر ایک ایک کا نام اور اس کے باپ کا نام لے کر انہیں پکارا اور فرمایا [3]

اقوام میں مخلوق خدا بٹتی ہے اس سے قومیت اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے
(بانگ درا۔ ص 160' زیر عنوان "وطنیت")

[1] السیرۃ الحلبیۃ۔ ج۔ 2' ص۔ 185۔
[2] ایضاً۔ ص۔ 214
[3] صحیح بخاری۔ ج۔ 2' ص۔ 566۔

اگر تم نے میری بات مان لی ہوتی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ہوتی تو کیا آج آخرت میں تم خوش اور اطمینان سے نہ ہوتے؟ ہمارے پروردگار نے جو (فتح) کا وعدہ ہم سے فرمایا تھا وہ تو پورا ہو گیا اور تم سے جو اللہ تعالیٰ نے (جہنم اور عذاب کا) وعدہ کیا تھا وہ پورا ہو گیا یا نہیں؟

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ پھر فرمانے لگے [1]

"کسی نبی کے لئے اس کے خاندان اور کنبے کے لوگ جس قدر برے ثابت ہو سکتے تھے تم میرے لئے اتنے ہی برے ثابت ہوئے۔ تم نے مجھے جھٹلایا اور غیروں نے میری تصدیق کی' تم نے مجھے (مکہ مکرمہ سے) نکالا' لوگوں نے (مدینہ منورہ میں) مجھے پناہ دی۔ تم میرے خلاف سینہ سپر ہوئے اور دوسرے لوگوں نے میری مدد کی۔"

مکہ مکرمہ میں جب اس شکست کی اطلاع پہنچی تو گھر گھر صف ماتم بچھ گئی۔ کوئی گھر ایسا نہ تھا جس کو اس واقعہ سے گزند نہ پہنچا ہو۔ اللہ کی نافرمانی اور سرکشی میں جن لوگوں کی گردنیں تنی رہتی تھیں ان کے بوجھ سے انہیں نجات دلا دی گئی اور اللہ کی زمین سے کفر کی نجاست دھلنے کا مزید سامان ہو گیا۔

عربوں کے قدیم دستور کے مطابق یہ بات طے تھی کہ نوحہ (بین) کرنے کیلئے عورتیں تیاری کرتی تھیں جو آدمی جس شان اور رتبے کا ہوتا تھا اتنی ہی دیر تک اس کا نوحہ کیا جاتا تھا لیکن اس مرتبہ اتنی کڑی سزا ملی تھی کہ بدر والوں پر رونا بھی منع کر دیا گیا' اور قریش نے اپنے مقتولین پر نوحہ کرنے کی ممانعت کر دی مبادا کہ کہیں ہماری عورتیں نوحہ کریں اور مسلمانوں کو مذاق اڑانے کا موقع مل جائے

اسود بن مطلب کا نوحہ [2]

اسود بن مطلب کا واقعہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ اس کے تین بیٹے

---

[1] ج - 2' ص - 292 [2] الرحیق المختوم

www.ahnafmedia.com

1 - زمعہ' 2 - عقیل اور 3 - حارث

بدر میں مارے گئے۔ وہ چاہتا تھا کہ اپنے بیٹوں کے مرنے پر روئے اور اپنے سینے کی آگ کو ٹھنڈا کرے۔ اپنے ارمان آنسوؤں کے ذریعے نکالے اور کوئی تسکین کا سامان پیدا کرے مگر قریش نے اپنی قومی غیرت کی وجہ سے نوحے پر پابندی عائد کر رکھی تھی اس لئے یہ اندھا آدمی اپنے تین جگر گوشوں کو رو کر بھی یاد نہیں کر سکتا تھا۔ اتفاق ایسا کہ اس نے ایک مرتبہ رات کو ایک عورت کے رونے کی آواز سنی جو مکہ مکرمہ میں نوحہ کرنے کیلئے مشہور تھی تو جلدی سے اپنے غلام کو بھیجا کہ جا دیکھ کر آ کیا قریش نے مقتولین بدر پر رونے کی اجازت دے دی؟ میرا سینہ اپنے بیٹوں کی وجہ سے جل رہا ہے' چاہتا ہوں کہ جی بھر کر ان پر رولوں۔ اس کا غلام گیا اور واپسی پر کہنے لگا کہ اس عورت کا تو ایک اونٹ کھو گیا ہے' اور وہ اس کے غم میں رو رہی ہے۔ اسود یہ سن کر بے قابو ہو گیا' صبر کا دامن چھوٹ گیا اور بے اختیار اور برجستہ اپنے بیٹوں کی یاد میں تڑپ اٹھا اور کہنے لگا۔

اتبکی ان یضل لها بعیر	ویمنعها من النوم السهود
فلا تبکی علی بکر ولکن	علی بدر تقاصرت الجدود
علی بدر سراة بنی حصیص	ومخزوم ورهط ابی الولید
وبکی ان بکیت علی عقیل	وبکی حارثا اسد الاسود
وبکیهم ولا تنسی جمیعا	وما لابی حکیمة من ندید
الا قد ساد بعدهم رجال	ولولا یوم بدر لسودوا

کیا وہ عورت اونٹ کے گم ہونے پر رو رہی ہے؟ اور اس غم نے راتوں کی نیند اس پر حرام کر رکھی ہے۔ تو اونٹ پر کیوں روتی ہے بدر میں مرجانے والوں پر رو' جہاں قسمتیں برباد ہو گئیں۔ بدر والوں پر ماتم کر اور بنی حصیص کے سرداروں پر رو' بنی مخزوم اور ابو الولید کے

خاندان کا ماتم کر۔ اور اگر رونا ہے تو (میرے بیٹے) عقیل پر رو اور "ہائے بائے میرا بیٹا) حارث جو شیروں کا شیر تھا اس پر رو۔ ان سب پر رو لے اور دیکھ کسی کو بھلا نامت (میرے بیٹے) ابی حکیمہ پر بھی رو کہ اس کی ٹکر کا تو کوئی تھا ہی نہیں۔ اور (مقدر کا ہار نا بھی) دیکھ کہ بدر کے واقعہ کے بعد وہ لوگ سردار بن بیٹھے کہ اگر بدر نہ ہوتا تو انہیں سرداری بھی نصیب نہ ہوتی۔

معرکہ بدر کا فیصلہ

بدر کے اس عظیم الشان معرکے نے یہ فیصلہ کر دیا تھا کہ زندہ رہنے کا حق کس کو حاصل ہے۔ انہیں جو اپنے مال و دولت پر اتراتے ہوئے اور کثرت کے فخر سے چور ہو کر آئے تھے یا انہیں جن کے قائد صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرہ سال مکہ مکرمہ کے بھٹی جیسے ماحول میں انہیں رکھا تھا اور وہ تپ کر کندن اور خالص سونا بن کر مدینہ منورہ پہنچے تھے۔ وہ جن کی تربیت میں رسول اللہ ﷺ نے ایک لمحہ کی غفلت نہیں برتی۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے رضا کا پروانہ عطا کر دیا تھا اور جنہیں دنیا ہی میں رضی اللہ عنہم ورضوعنہ کی نوید سنا دی گئی تھی۔ جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نصرت تھی' جن کا مقابلہ ایک اور تین کے تناسب سے تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی مدد کھلے بندوں ان کے ساتھ تھی۔ وہ جن کی مدد اور نصرت کا وعدہ کیا گیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کو ان سے تعاون کرنے کا حکم دیا تھا۔ اور سب سے بڑھ کر تو یہ کہ ان کے درمیان وہ ہستی موجود تھی جو رات بھر اپنے مولیٰ کی یاد میں مصروف رہی۔ جن کی آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں۔ دل سوز سے بھرا تھا اور زبان مبارک بار بار "یا حی و یا قیوم" کا ورد کر رہی تھی [1] اور بار بار اللہ تعالیٰ کو ان کا عہد و پیمان یاد دلا رہی تھی اور وہ کہہ رہے تھے [2]

[1] البدایہ والنہایتہ - ج - 3' ص - 276-
[2] ایضاً ص - 275-

www.ahnafmedia.com

اللھم انی انشرك عھدك ووعدك اللھم انجزلی ما وعدتنی

اے اللہ آپ نے مجھ سے (فتح) کا وعدہ فرمایا تھا وہ اب پورا فرما دیجئے۔
اے اللہ میں آپ سے آپ کے عہد اور (فتح) وعدے کا سوال کرتا ہوں۔

مقام عبدیت اتنا غالب آیا کہ زبان ناز سے یہ عرض کیا [1]

اللھم ان شئت لم تعبد

اے اللہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی زمین پر آئندہ آپ کی بندگی نہ کی جائے پھر آج کے بعد کبھی آپ کی بندگی نہ ہوگی۔

جس چھپر کے نیچے یہ تمام راز و نیاز ہو رہے تھے مشرکین مکہ کی نظروں کا وہ کانٹا تھا وہ چاہتے تھے کہ کس طرح اس ذات مبارکہ تک رسائی ہو جائے اور دل کی حسرتیں اسے شہید کر کے پوری کر لیں جو مقام عبدیت کی معراج پر فائز ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے [2] کہ اپنے دور خلافت میں انہوں نے ایک دن دوران تقریر لوگوں سے دریافت کیا کہ

سب سے زیادہ بہادر ہستی کا نام لو؟

تو لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کا نام لیا۔ آپ نے فرمایا

میرا یقین ہے کہ سب سے زیادہ جری اور شجاع ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے۔ بدر کے دن آنحضرت ﷺ جس چھپر میں تشریف فرما تھے [ان کھڑا ہونا غالی تھا] مگر حضرت ابو بکرؓ کو میں نے دیکھا وہ ننگی تلوار لئے یہاں کھڑے تھے اور جو بھی وہاں جاتا تھا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تلوار اسے جواب دینے کو کافی تھی"۔

یا انہیں زندہ رہنے کا حق حاصل تھا جنہوں نے مکہ مکرمہ جیسے عظیم شہر کو اور اللہ کے

[1] البدایتہ والنہایتہ۔ ج - 3 ص - 276۔
[2] ..... ایضاً ..... ج - 7 ص - 271۔

حرم کو جو قاتلوں کو بھی اپنے اندر پناہ دے دیتا ہے، ظلم کی آماجگاہ بنا دیا تھا۔ جنہوں نے ان لوگوں کو وہاں سے ہجرت پر مجبور کر دیا تھا جو وہاں رہنے کے سب سے زیادہ حق دار تھے۔ جن کا حق بنتا تھا کہ وہ وہاں خدا کی توحید اور عبادت کے ارکان بجا لائیں۔ امن و اطمینان کی زندگی بسر کریں مگر وہ مقدس سرزمین ان داعیان دین فطرت پر ان لوگوں نے تنگ کر دی تھی جنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کو بدل ڈالا تھا۔ مظلوموں کے دادرس نہ رہے تھے اور نہ بے کسوں کے خیر خواہ جو بدر میں آئے ہی اس نظریئے سے تھے کہ [1]

تسمع بنا العرب وبمسیرنا وجمعنا۔ فلا یزالون بھا بوننا ابدا

عربوں کے کان ہماری شان و شوکت ہمارا سفر اور باہمی اتحاد و یکجہتی کا سنیں گے تو ہم سے متاثر ہوں گے۔ ہمیشہ کے لئے ہم سے مرعوب ہوں گے اور ہماری ہیبت ان کے دلوں پر بیٹھ جائے گی۔

جو اپنے گناہوں کو میدان جنگ میں بھی سمیٹ لائے تھے اور وہ اس نازک موقع پر اللہ کی معصیت اور نافرمانی پر آمادہ تھے، وہ کہتے تھے [2]

تقیم علیہ ثلاثا فنحر الجذور ونطعم الطعام ونسقی الخمر وتغزف علینا القیان

بدر میں تین دن جشن ہو گا، اونٹ ذبح کئے جائیں گے ناؤ نوش کی محفلیں سجیں گی شراب کا دور ہو گا اور راگ رنگ کی شامیں منعقد ہوں گی۔

جس قوم کے یہ اخلاق و اطوار ہوں۔ شراب اور ناچ ان سے قوم کی تقدیر کے فیصلہ کن معرکوں میں بھی نہ چھوٹیں۔ دن بدن محض اس وجہ سے اخلاقی

[1] السیرۃ الحلبیتہ۔ ج - 2 ص - 171۔
[2] سیرۃ ابن ہشام۔ ج - 1 ص - 377۔

www.ahnafmedia.com

اقدار پامال ہوتی چلی جائیں کہ خدا نے گرفت نہیں کی اور ڈھیل دے رکھی ہے اور ان سب جرائم میں سرفہرست یہ کہ ان کے قائد سے لے کر آخری سپاہی تک سبھی کفر میں ملوث ہوں کیا اس قوم کو زندہ رہنے کا حق تھا؟

جب کسی قوم کو خود اپنی فکر نہیں ہوتی اور وہ اپنی باگ ڈور ان ہاتھوں میں دے دیتی ہے، جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر جری اور دلیر ہوتے ہیں تو ایسے وقت میں تاریخ کا رخ پلٹ جاتا ہے اور وقت کے دھارے پھر جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس موقع کیلئے ارشاد فرمایا ہے [1]

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ۔

تاکہ جسے ہلاک ہونا ہے وہ اتمام حجت کے بعد ہلاک ہو اور جو زندہ رہنے والا ہے وہ اس طرح رہے کہ اس کے پاس زندگی کی دلیل اور اپنے باقی رہنے کی حجت موجود ہو۔

بدر کی شکست نے صورتحال واضح کر دی تھی اور ایسی ذلت آمیز شکست ہوئی تھی کہ سر اٹھا کر چلنے کے قابل نہ رہے تھے۔ ابوسفیان جو اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے، مکہ مکرمہ میں سردار بن گئے تھے۔ انہوں نے قسم اٹھائی کہ جب تک میں بدر کے مقتولین کا انتقام نہ لے لوں سر میں تیل نہیں ڈالوں گا۔ اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام کر لیا اور یہاں تک کہ مدینہ منورہ میں بسنے والے یہودیوں کی خدمات حاصل کی جانے لگیں تاکہ بدر کا انتقام لیا جا سکے۔

ایک اہم سبق

بدر کے اس واقعہ سے ایک اہم سبق یہ بھی ملتا ہے کہ اپنی عقل کو شریعت کے تابع رکھ کر پھر جوش اور جذبات کو اس کے تابع رکھنا چاہئے۔ قوموں کے زوال کا

---

[1] الانفال۔ ۸/۴۲

ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ جب ان کی تباہی کے دن قریب آتے ہیں تو پھر فیصلے بجائے ہوش کے جوش و جذبات سے کئے جاتے ہیں۔ لوگوں کے کان جوشیلی تقریروں کے عادی ہو جاتے ہیں اور ان کے قائد اپنی پوری طاقت چیخ چیخ کر بولنے اور لوگوں کو مشتعل کرنے میں صرف کر دیتے ہیں ان قائدین کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہیں ہوتا کہ عوام کو احتجاج پر ابھارا جائے۔ اور اپنے مقاصد انہیں سڑکوں پر لا کر حل کئے جائیں۔

بدر میں قریش کے قائد ابوجہل نے بھی یہی رویہ اختیار کر رکھا تھا اس کے بالمقابل عتبہ بن ربیعہ (جس کی اپنی ایک مستقل شخصیت تھی) نے جب لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کی اور کہا کہ "لوگو ہم محمد ﷺ سے لڑ کر کوئی کارنامہ انجام نہ دیں گے۔ اگر وہ مارے گئے تو خدا کی قسم ایسے چہرے ہیں جنہیں مردہ دیکھنا ہم پسند نہ کریں گے اور اگر وہ غالب آ گئے تو ہمیں (اپنی شکست کی وجہ سے) شرمندگی اٹھانا پڑے گی"۔

لیکن ابوجہل نے اس تجویز کی شدید مخالفت کی اور مختلف حربے استعمال کر کے اپنی قوم کو اشتعال انگیزی پر آمادہ کیا اور میدان بدر میں اتار لایا۔ یہ عتبہ جس نے نہ لڑنے کی تجویز دی تھی عقل کو غالب اور جذبات کو مغلوب رکھ کر فیصلہ کر رہا تھا اور اس کی دانشمندی کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ بعد ازاں جب یہ اپنے سرخ اونٹ پر سوار ہو کر میدان بدر میں گھوم رہا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے دیکھ کر فرمایا "کفار مکہ میں اگر کسی کے پاس عقل ہے تو یہ اس سرخ اونٹ والے کے پاس ہے اگر لوگوں نے اس کی بات مان لی تو صحیح راہ پر رہیں گے"۔

مگر وہ قوم اپنے زوال کے فیصلے کروانے آ چکی تھی اس لئے بجائے ہوش کے جوش سے کام لیا اور ہمیشہ کے لئے بربادی کی نذر ہو گئے۔

www.ahnafmedia.com

الکفر ملة واحدة

مدینہ طیبہ کے یہودی یا مکہ مکرمہ کے مشرک دونوں میں بہرحال یہ قدر مشترک تھی کہ وہ دونوں ملت کفر سے تعلق رکھتے تھے اور کفر جہاں بھی ہو وہ ایک ہی ملت ہوا کرتی ہے۔ اور یہ بھی کہ دونوں کی دشمنی میں قدر اشتراک رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارکہ اور ان کی تعلیمات عالیہ تھیں۔ بدر کی فتح کی خبر نے مشرکین مکہ کا جو حال کیا تھا وہ تو ابھی آپ پڑھ ہی چکے ہیں، کعب بن اشرف جو مدینہ منورہ میں یہودیوں کا سردار تھا اسے جب اطلاع ملی کہ بدر مسلمانوں کے ہاتھ رہا تو بے اختیار چیخنے لگا کہ [1]

لبطن الارض خیر من ظهرها

اگر مسلمان بھی فتح یاب ہونے لگے ہیں تو خدا کی قسم اس ذلت کے ساتھ
زمین کے اوپر زندہ رہنے سے مر کر زمین میں گڑ جانا بہتر ہے۔

اس کی یہ حسرت بھی اللہ تعالیٰ نے پوری فرمادی اور کچھ عرصے کے بعد وہ اس "ذلت کی زندگی" سے نجات پا گیا۔ مسلمانوں نے اسے وہ زندگی دلادی جسے زیادہ اچھی سمجھ رہا تھا۔ اس کارنامے کو محمد بن مسلمہ، عباد بن بشر، سلطان ابن سلامہ، حارث بن اوس اور ان کے ساتھیوں نے انجام دیا۔ اس دستے کی سرکردگی رسول اللہ ﷺ نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمائی تھی [2]

---

[1] السیرۃ الحلبیہ - ج - 3، ص - 178۔
[2] فتح الباری - ج - 7، ص - 270۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب 4 چہارم

حق و باطل کی دوسری رزم گاہ

(غزوہ احد)

مسلمانوں کے خلاف انتقامی کارروائیوں کا آغاز

مکہ مکرمہ کا بچہ بچہ مسلمانوں سے بدر کا انتقام لینے پر تلا ہوا تھا چنانچہ اس سلسلے میں عملی کارروائیوں کا آغاز کر لیا گیا۔

ابو سفیان بن حرب [1] عبداللہ بن ابی ربیعہ، عکرمہ بن ابی جہل [2] حارث بن ہشام [3] حویطب بن عبدالعزیٰ، صفوان بن امیہ [4] اور دیگر سردار ان قریش باہم مشاورت کے لئے جمع ہوئے۔ قریش کو یہ کہا گیا کہ بدر میں محمد ﷺ نے تمہارے چیدہ چیدہ سرداروں کو قتل کر دیا اور تمہیں شدید نقصان پہنچایا ہے۔ ابو سفیان تجارتی قافلے کا جو نفع لے کر واپس ہوئے ہیں اگر وہ تم لوگ وصول نہ

---

[1] ان کا بیٹا حنظلہ بدر میں مارا گیا تھا [2] ان کا باپ ابو جہل بدر میں مارا گیا تھا [3] ابو جہل کے بھائی تھے [4] ان کا باپ امیہ بدر میں مارا گیا تھا، مگر ان تمام حضرات ابو سفیان، عکرمہ، حارث، عبداللہ بن ربیعہ، حویطب اور صفوان کو بعد ازاں قبول اسلام کی توفیق میسر ہوئی رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

www.ahnafmedia.com

کرواور ہم اس رقم کو آئندہ جنگ لڑنے کے لئے محفوظ کرلیں تو ممکن ہے ہم اپنی شکست کے داغ کو دھو سکیں۔

قریش نے مکمل آمادگی کا اظہار کیا۔ اصل رقم ہر حصہ دار کو لوٹادی گئی اور نفع میں حاصل ہونے والے پچاس ہزار (50'000) دینار آئندہ جنگ کے لئے محفوظ کر دیئے گئے۔

دوسری عملی کارروائی پہلی سے بھی شدید تر تھی' اور وہ یہ کہ ہر طرف اعلان کروادیا گیا کہ جو قبیلہ بھی مسلمانوں کے خلاف لڑنا چاہے وہ قریش کے جھنڈے تلے جمع ہو جائے۔ نامور قبائل نے اپنی جنگی خدمات پیش کر دیں۔ رضا کارانہ طور پر لوگوں نے اس مہم میں باہم تعاون اور اتحاد کی فضا پیدا کر دی اور سب نے یہ طے کر لیا کہ اب کی بار اس نیکی کے کام میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی جائے۔

پراپیگنڈہ آج کی جدید دنیا میں بھی کس قدر موثر ہتھیار سمجھا جاتا ہے۔ قومیں ہمیشہ اس کی اہمیت سے واقف رہی ہیں۔ قریش نے بھی اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور ایسے آدمی مقرر کر دیئے جو مختلف قبائل میں دورہ کر کے اپنی خطابت کے زور پر لوگوں کو اشتعال دلائیں اور مسلمانوں کے خلاف رائے عامہ کو ہموار کیا جا سکے۔

ابو عزہ کا رسول اللہ ﷺ سے عہد و پیمان [1]

ابو عزہ عربوں کا مانا ہوا شاعر تھا۔ بدر میں گرفتار ہو کر جب رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تھا تو آپ کی شان مبارکہ میں پانچ اشعار پر مشتمل ایک قصیدہ بھی کہا اور اپنی غربت کا رونا رویا۔ اپنی پانچ بیٹیوں کی کفالت کا ذکر کیا اور بلا فدیہ آزادی کی درخواست کی۔ آپ نے اس سے وعدہ لیا کہ وہ آئندہ اسلام کے خلاف کسی کی کوئی مدد نہیں کرے گا اور اس وعدے کے بعد فدیہ وصول کئے بغیر اس پر احسان

[1] السیرۃ الحلبیۃ - ج- 2' ص- 222

فرمایا اور رہا کر دیا۔

یہ جب مکہ مکرمہ پہنچا تو صفوان بن امیہ نے اس کی پانچ بیٹیوں کی کفالت کا وعدہ کیا اور اسے مجبور کیا کہ رسول اللہ ﷺ اور اسلام کے خلاف مختلف قبائل کے لوگوں کو مشتعل کرے۔ اس نے صفوان سے معذرت کی اور جو عہد و پیمان رسول اللہ ﷺ سے کر چکا تھا اس کا تذکرہ کیا۔ صفوان نے جواب دیا کہ ہمیں جب محمد ﷺ پر حملہ کرنا ہے تم اس وقت ہماری مدد بے شک نہ کرنا مگر فی الحال ہم صرف تمہاری زبان کی خدمات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ پھر وعدہ کیا کہ وہ اس غیر موجودگی میں اس کے گھر کے مصارف برداشت کرے گا اور اگر ابو عزہ اس مہم میں کہیں مارا گیا تو بھی وہ اس کے خاندان کا کفیل ہوگا۔

ابو عزہ نے رسول اللہ ﷺ سے کیا گیا عہد توڑ ڈالا اور احسان کا بدلہ اس طرح چکایا کہ وہ اشعار پڑھنے شروع کر دیئے جن سے مختلف قبائل کی قومی غیرت و حمیت پیدا ہوئی اور جہاں جہاں تک اس کا بس چلا مسلمانوں کے خلاف اس پروپیگنڈہ مہم کو بھڑکاتا رہا۔

ایک اور شاعر اور خطیب مسافع بن عبد مناف [1] کی خدمات بھی اس "مقدس مہم" کے لئے حاصل کی گئیں اور اطراف و اکناف کے تمام قبائل کو شاعری اور خطابت کے بل بوتے پر مسلمانوں کے خلاف ابھارا گیا۔

تیسرا عملی قدم یہ اٹھایا گیا کہ اہل مکہ کی پندرہ عورتوں نے اپنے آپ کو رضا کارانہ طور پر پیش کیا کہ وہ اپنے شوہروں کے ساتھ آئندہ جنگ میں جائیں گی تاکہ وہ اکھڑے ہوئے قدموں کو جما سکیں اور ان کے "جیالے" اپنی عزت و ناموس کے تحفظ کی خاطر میدان جنگ میں پیچھے نہ ہٹیں۔ ان میں سب سے زیادہ پیش پیش ابو سفیان کی بیوی ہند تھیں۔ جن کے باپ عتبہ بن ربیعہ اور چچا اور

[1] طبقات ابن سعد - ج- 3 - ص- 120 -

www.ahnafmedia.com

بھائی تینوں کا خون مسلمانوں کی تلواروں سے ٹپک رہا تھا۔ ابو جہل کی بہو ام حکیم حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی بہن فاطمہ اور طائف کے مشہور قبیلے ثقیف کے سردار کی بیٹی "برزہ" کے نام بھی اسی فہرست میں آتے ہیں [1]

اور آخر کار آنحضرت ﷺ کی ہجرت مبارکہ پر جب بتیسویں مہینے کا چاند طلوع ہوا تو قریش مکہ نے جنگ کی تیاریوں کے آخری مراحل طے کئے اور تمام تر فرقوں کو مجتمع کر کے مدینہ طیبہ کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔

پورے لشکر کی قیادت ابو سفیان کے حصے میں آئی۔ رسالہ کا کمانڈر خالد بن ولید کو مقرر کیا گیا اور عکرمہ بن ابو جہل کو ان کا نائب بنایا گیا۔ پرچم قدیم اور مقررہ دستور کے مطابق بنی عبدالدار کے ہاتھ میں تھا۔ تقریباً 2200 سوار تھے جن میں سے سات سو زرہ پوش تھے۔ تین ہزار اونٹ اور دو سو گھوڑے' سواری اور مختلف جنگی خدمات کے لئے ساتھ تھے اور ہر آدمی اسلحہ سے لیس تھا [2]

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا خط

حضرت عباس رضی اللہ عنہ خود اہل مکہ میں سے تھے۔ یہاں کی تمام جنگی حرکات و سکنات ان کی نظر میں تھیں۔ جوں ہی مکہ مکرمہ سے اس لشکر نے روانگی کا عزم کیا' انہوں نے تمام تر تفصیلات پر مشتمل ایک خط اپنے بھتیجے رسول اللہ ﷺ کے نام روانہ کر دیا تاکہ کہیں ایسا نہ ہو دشمن بے خبری میں ان کے سر پر پہنچ جائے مدینہ منورہ پر حملہ ہو جائے یا رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر مسلمانوں کو تہہ و تیغ کیا جا سکے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نہایت عقل مندی سے کام لیا اور یہ خط جو تمام تفصیلات پر مشتمل تھا قاصد کو دیا اور ہدایت کی کہ جس قدر جلد ممکن ہو سکے یہ اطلاع رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہنچ جانی چاہئے۔ قاصد بھی اس

[1] السیرۃ الحلبیۃ - ج-2 - ص- 241 [2] طبقات ابن سعد - ج-2 ص- 25-

پیغام رسانی میں حد درجہ پھرتیلا ثابت ہوا اور مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی درمیانی مسافت اس نے تین دن میں طے کی [1] رسول اللہ ﷺ قبا کی بستی میں تشریف فرما تھے۔ قاصد باریاب ہوا۔ لفافے کی مہر توڑی گئی۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اس موقع پر حاضر تھے انہوں نے یہ خط پڑھ کر سنایا تو نبی کریم ﷺ نے فوری طور پر یہ حکم دیا کہ اس خط کی تفصیلات کی اطلاع کسی کو نہیں ہونی چاہئے اور اس خبر کو اپنے تک ہی محدود رکھا جائے حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کو بعض مصلحتوں کی بنا پر خود مطلع فرمایا۔ [2]

اور فوری طور پر مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ عام مسلمانوں کو اس خطرہ کی اطلاع دے دی گئی اور اس امر سے آگاہ کر دیا گیا کہ ہر وقت جہاد کیلئے تیار رہنا چاہئے کسی لمحہ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ مسلمانوں نے اپنے ہتھیار سجا لئے اور اس تمام عرصہ میں یہ کیفیت رہی کہ کوئی مجاہد اپنے ہتھیار اتار کر نماز نہیں ادا کرتا تھا۔

انصار رضی اللہ عنہم کی جاں نثاری

انصار رضی اللہ عنہم نے اپنی روایتی جاں نثاری کا مظاہرہ کیا۔ حضرت سعد بن معاذ' اسید بن حضیر اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہم نے رسول ﷺ کی حفاظت کا کام اپنے ذمے لے لیا اور یہاں تک کہ وہ ہتھیار پہن کر تمام شب رسول اللہ ﷺ کے در دولت پر گزارتے تھے۔

مدینہ منورہ میں جن جن راستوں سے دشمن کی فوج داخل ہو سکتی تھی وہاں فوج کے مختلف دستے متعین کر دیئے گئے تاکہ اچانک حملے کی روک تھام کی جا سکے۔ حضرت انس اور حضرت مونس رضی اللہ عنہما کو رسول ﷺ نے بھیجا کہ پوری احتیاط سے جائیں اور یہ معلوم کریں کہ قریش کا لشکر کہاں تک پہنچا ہے۔

[1] زرقانی - ج-2 ص- 21
[2] السیر - الحلبیۃ - ج-2 ص- 241-

www.ahnafmedia.com

ان حضرات نے پوری احتیاط برتی اور واپس آکر اطلاع دی کہ لشکر قریش نہ صرف یہ کہ مدینہ منورہ کے قریب آگیا ہے بلکہ ان کے گھوڑوں نے یہاں کی چراگاہ "عریض" کو چر کر بالکل صاف کر دیا ہے۔ [1]

حضرت حباب بن منذر کو رسول ﷺ نے روانہ فرمایا اور اس ہدایت کے ساتھ کہ دشمن کی تعداد کا پتہ چلنا چاہئے۔ انہوں نے واپس آکر **اطلاع** دی کہ تین ہزار کا لشکر ہے۔

قبر اکھیڑنے کا منصوبہ

مکہ مکرمہ کا لشکر لحہ بہ لحہ مدینہ منورہ سے قریب ہوتا چلا جا رہا تھا۔

کفر کس قدر شقی اور سنگ دل ہوتا ہے وہ جب اس شقاوت کا مظاہرہ کرنے پر اتر آتا ہے' زندہ تو درکنار' جو اس دنیا سے رخصت ہو گئے ان سے بھی کسی ناکردہ گناہ کا بدلہ لینے کے درپے ہو جاتا ہے۔ جب یہ لوگ ابواء کے مقام پر پہنچے تو یہ تجویز کیا گیا کہ محمد ﷺ کی والدہ کی قبر بھی یہیں ہے' اسے اکھاڑا جائے۔ [2]

جس کے بیٹے کو اللہ نے نبوت سے سرفراز فرمایا تھا اور جس کے ساتھیوں سے یہ بدر میں شکست کھا چکے تھے' اس سے انتقام لینے اور ذہنی اذیت میں مبتلا کرنے کا ایک انوکھا انداز تھا' جسے کفر اختیار کرنا چاہتا تھا۔

قائدین کفر تک جب یہ تجویز پہنچی تو انہوں نے اس کے تمام نتائج و عواقب پر غور کیا اور یہ ارادہ ملتوی کر دیا گیا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے اس طرح لاشوں کی

---

[1] - ایضاً۔ ص 25۔

[2] رحیق المختوم۔ ص 392۔

بے حرمتی کرنے کا انجام کیا ہو سکتا ہے۔ [1] کفار مکہ کا لشکر وادی عقیق میں پہنچا جو مدینہ منورہ کی قریبی وادیوں میں شمار کی جاتی تھی اور کسی قدر دائیں جانب ہٹ کر "احد" پہاڑ کے قریب پڑاؤ ڈال دیا۔ [2]

نبی کریم ﷺ نے دشمن کی حرکات و سکنات سے مکمل طور پر باخبر رہنے کا انتظام پہلے سے کر رکھا تھا اور دشمن کی ایک ایک لحہ کی نقل و حرکت آپ کے علم میں لائی جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ یہ آخری اطلاع جو دشمن کے پڑاؤ کے متعلق تھی سمع مبارک تک پہنچائی گئی۔ یہ بات شوال 3 ہجری بروز جمعرات کے حسب

---

[1] ہمارے اس آخری دور میں یہ رسم بد انگریزوں نے انجام دی۔ کفار مکہ نے تو اپنا ارادہ ترک کر دیا تھا۔ کفار فرنگ ان سے بدتر ثابت ہوئے۔ مولانا یحییٰ علی صاحب' مولانا احمد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہما حضرت سید احمد شہید نور اللہ مرقدہ کے سلسلے کے جلیل القدر علماء میں سے تھے۔ "انبالہ وہابی سازش کیس" کے تاریخی مقدمے میں یہ بھی "مجرمین" کی فہرست میں تھے۔ انگریزوں نے ان دونوں حضرات کو پہلے پھانسی کی سزا دی پھر جائیداد ضبط کر لی اور پھانسی کی سزا عمر قید میں بدل دی گئی' مکانات خالی کرائے گئے۔ عورتوں اور بچوں کو گھروں سے نکال دیا گیا۔ کتابیں اور مسودے ضبط کر لئے گئے' رہائش گاہیں جہاں آباؤاجداد کی کئی پشتیں زندگی بسر کر چکی تھیں مسمار کر دی گئیں اور انتقام کی آگ اس سے بھی نہ بجھی آخر کار ان حضرات کا آبائی قبرستان کھود دیا گیا والدین اور آباؤاجداد کی قبریں کھود دی گئیں اور ہڈیوں کو انگریز حکومت نے باہر پھنکوا دیا۔ ان حضرات کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ برصغیر پر انگریزی حکومت کے تسلط کے خلاف تھے اور اسلام اور شریعت کے نظام کے تحت زندگی بسر کرنا چاہتے تھے۔ ان کے شیخ سید احمد شہید نور اللہ مرقدہ نے جو روح حریت و جہاد اس تمام سلسلے میں پھونک دی تھی وہ آخر تک اپنا کام کرتی رہی۔ تفصیلات کیلئے ملاحظہ کیجئے۔ (مقدمہ فقہائے پاک و ہند ج 2 ص 27) اس کے برعکس اسلام ہمیں کیا سکھاتا ہے۔ آپ دونوں کا تقابل کریں۔ کفر خواہ آج سے 15 صدیوں پہلے کے کفار مکہ میں ہو یا ان فرنگیوں کا ہو جو برصغیر کے جابر و غاصب تھے اپنے مخالفین کی قبریں اکھیڑنے اور ایسے ناپاک عزائم تک کا مرتکب کرواتا ہے اور اس سے اجتناب نہیں کیا جبکہ اس کے برعکس بیہقی کی روایت میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ جب بھی کسی لاش کو غزوہ وغیرہ سے واپسی پر دیکھتے تھے تو اسے دفن کرنے کا حکم دیتے تھے اور یہ تحقیق نہ فرماتے تھے کہ یہ لاش کسی کافر کی ہے یا مسلمان کی (السیرۃ الحلبیۃ۔ ج 2' ص 199) اس تقابل سے سوچنا چاہئے کہ انسانیت کا ادب و احترام اسلام نے سکھایا یا کفر نے؟

[2] "احد" مدینہ طیبہ کا مشہور پہاڑ ہے جس کے دامن میں یہ غزوہ احد انجام پذیر ہوا۔ مدینہ طیبہ سے تقریباً تین کلومیٹر کے فاصلے پر ہے اور چونکہ دوسرے پہاڑوں سے یہ پہاڑ متوحد (الگ) ہے اس لئے اس کا نام احد پڑ گیا۔ (البدایہ و النہایۃ ج 4 ص 9)

www.ahnafmedia.com

اختلاف روایات مورخین پہلے یا دوسرے ہفتے کی ہے۔

میدان جنگ کا انتخاب

اس کے بعد رسول ﷺ نے اپنی رائے بیان فرمائی کہ ہمیں مدینہ طیبہ کے اندر ہی رہ کر دشمن کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ اگر دشمن اپنی جگہ اپنے پڑاؤ میں رہتے ہیں اور ہم مدینہ طیبہ میں دفاعی اقدام کیلئے تیار ہیں تو ان کا باہر رہنا بے کار ثابت ہو گا۔ اور وہ لوٹ جانے پر مجبور ہوں گے۔ اور اگر وہ مدینہ طیبہ کے اندر آجاتے ہیں تو ہم ان سے گلی کوچوں میں لڑیں گے اور عورتیں چھتوں سے ان پر سنگ باری کریں گی' اس طرح ہماری فتح کے امکانات بڑھ جائیں گے [1]

صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے بعض حضرات نے آپ کی رائے کو ترجیح دی اور اس کی حمایت کی۔ جبکہ بعض دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم جو بدر میں شرکت نہ کر سکے تھے' انہوں نے اصرار کیا کہ مدینہ منورہ سے باہر جا کر کھلے میدان میں جنگ لڑی جائے۔

بعض اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس رائے کی تائید کی اور نوجوان صحابہ رضی اللہ عنہم نے نہ صرف یہ کہ اس رائے کو پسند فرمایا بلکہ صاف لفظوں میں عرض کیا کہ اللہ کے رسول ہم تو اس دن کی تمنا کر رہے تھے' اور اس دن کے منتظر تھے کہ کب اللہ کے راستے میں جہاد کا موقع آتا ہے اور دشمن سے دو دو ہاتھ کرنے کا موقعہ ملتا ہے اب وہ دن جب آ ہی گیا ہے اور مسافت بھی دور نہیں ہے تو آپ

[1] مورخ ابن سعد نے اس رائے کی وجہ ص 165 کا خواب ذکر کی ہے لیکن اس مقام پر یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ انبیاء علیہم السلام کے خواب وحی ہوا کرتے ہیں جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں خواب دیکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں سورۃ صٰفٰت پارہ 23 میں اسے بیان فرمایا ہے۔ لیکن آنحضرت ﷺ کا یہ خواب شرعی امور سے متعلق نہ تھا اگر یوں ہوتا تو آپ پر اس کا اتباع واجب ہوتا اور آپ صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ حکم دیتے نہ کہ مشورہ فرماتے۔ اس خواب کا تعلق تکوینی امور سے تھا جو اللہ تعالیٰ نے قبل از وقت آپ کو دکھلائے تھے اور جیسا کہ بعد کے واقعات احد سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے۔

ہمیں اس سعادت سے محروم نہ فرمائیے۔

رسول اللہ ﷺ کا خواب

شب میں آنحضرت ﷺ نے خواب میں کچھ دیکھا اور اگلے دن بروز جمعۃ المبارک صبح اجتماع میں لوگوں سے مشورہ کیا کہ ہمیں اس مرتبہ کیا حکمت عملی اختیار کرنی چاہئے؟ پھر آپ نے اپنا خواب بتلایا کہ آپ ایک مضبوط زرہ زیب تن کئے ہوئے ہیں۔ ہاتھ میں "ذوالفقار" نامی تلوار ہے جس کی دھار کچھ ٹوٹ گئی ہے۔ ایک گائے ذبح کی جا رہی ہے اور اس کے پیچھے ایک مینڈھا ہے اور آپ نے اپنا دست مبارک ایک مضبوط زرہ میں ڈالا ہے [1] اس کی تعبیر صحابہ رضی اللہ عنہم کے دریافت کرنے پر بتائی اور فرمایا تلوار کی دھار کا ٹوٹنا تو یہ ہے کہ میرے عزیز و اقارب میں سے کوئی شہید ہو جائے گا۔ گائے ذبح ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کچھ اور مسلمان بھی شہید ہوں گے۔ مینڈھے سے مراد دشمن کا کوئی سرغنہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ ختم کر دے گا اور محفوظ زرہ میں ہاتھ ڈالنے کا مطلب یہ ہے کہ مدینہ طیبہ محفوظ رہے گا۔

حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قسم

اس جوش اور ولولے میں خود رسالت مآب علیہ الصلوۃ والسلام کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب فرمایا اور کہنے لگے۔

> قسم ہے اس اللہ کی جس نے آپ پر قرآن نازل فرمایا ہے اس وقت تک مجھ پر کھانا حرام ہے جب تک کہ میں اس شہر سے باہر نکل کر اپنی تلوار کے جوہر دشمن کو نہ دکھا دوں

نعمان بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ اٹھے اور کہنے لگے [2]

[1] طبقات ابن سعد۔ ج 2' ص 26۔ [2] البدایۃ والنہایۃ ج 4' ص 12 ۔ ایضاً۔

www.ahnafmedia.com

اللہ کے رسول ہمیں جنت سے محروم نہ کیجئے اس اللہ کی قسم جس نے
آپ کو سچے دین کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے میں تو ضرور شہادت
حاصل کرلوں گا اور پھر جنت میں بھی چلا جاؤں گا۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نہایت فہیم اور دانا سمجھے جاتے تھے' اٹھے اور انہوں نے بھی اسی قسم کے جذبات کا اظہار کیا۔

آزادی کے ساتھ دونوں طرف کے حضرات نے دلائل دیئے اور بالآخر اکثریت کی رائے غالب آئی اور آپ نے یہ طے فرمادیا کہ ہم مدینہ طیبہ سے نکل کر باہر جہاد کریں گے۔

پھر آپ نے جمعہ پڑھایا لوگوں کو اللہ کے راستے میں لڑنے اور جم جانے کی قدر و قیمت سے آگاہ کیا۔ بنو نجار قبیلے کے ایک انصاری حضرت مالک بن عمرو رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تھا ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور تیاری اور کوچ کرنے کا حکم دیکر خود اپنا فوجی لباس پہننے کیلئے تشریف لے گئے۔ [1]

رسالت مآب علیہ الصلاۃ والسلام فوجی لباس میں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی موجودگی میں آپ نے لباس آراستہ فرمایا۔ ان دونوں حضرات نے آپ کو عمامہ بندھوایا پھر پہلی زرہ پہنی جو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے پیش کی تھی اور غزوہ بدر میں بھی آپ نے استعمال فرمائی تھی۔ اس کا نام ذات الفضول تھا۔ [2] اور یہ وہی زرہ ہے جو وفات سے پہلے ایک یہودی کے ہاں رہن رکھوا کر کچھ غلہ اس سے حاصل کیا گیا تھا اور وہ ہستی جسے پیشکش کی گئی تھی کہ وہ چاہیں تو مکہ کے پہاڑ سونے کے بنا کر انہیں دے دیئے جائیں' فقر اختیاری کے سبب وفات تک اتنی رقم نہ ہو سکی تھی کہ اپنی اس زرہ کو چھڑا سکیں۔ پھر

[1] سیرۃ ابن ہشام - ج 2' ص 67۔
[2] السیرۃ الحلبیۃ - ج 2' ص 243

دوسری زرہ پہنی جس کا نام فضہ تھا [1] پشت مبارک پر چمڑہ بندھوایا گردن میں ایک طرف تلوار کا پرتلہ تھا۔ دوسری طرف کمان رکھ لی۔ کمر پر ترکش بندھوالیا جس میں تیر تھے' ہاتھ میں نیزہ پکڑ لیا [2] اور باہر تشریف لے آئے۔

آہنی عزم

اسی اثناء میں حضرت سعد بن معاذ اور حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما نے لوگوں کو سمجھایا کہ مدینہ طیبہ سے باہر نکل کر لڑنے کا فیصلہ رسول اللہ ﷺ کی رائے کے برعکس کیا گیا ہے اس لئے یہ فیصلہ مناسب نہیں۔ لوگوں کو اپنے اصرار سے رجوع کرنا چاہئے۔ ان حضرات کی بات لوگوں کی سمجھ میں آگئی اور رسول اللہ ﷺ جب باہر تشریف لائے تو ندامت کا اظہار کیا گیا اور عرض کیا گیا کہ ہمیں آپ کی رائے تسلیم ہے اور اپنے اصرار پر معذرت خواہ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ تمام گفتگو سنی اور فرمایا [3]

"اللہ کے نبی کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ ایک مرتبہ جب جنگ کا لباس پہن لے تو جنگ کا فیصلہ ہونے سے پہلے اسے اتار دے۔ اب جو فیصلہ ہو چکا ہے اس پر عمل کرو' اللہ کا نام لے کر نکلو میری ہدایتوں پر عمل کرتے رہو' اور صبر سے کام لو' ڈٹ جاؤ اللہ کی مدد تمہارے شامل حال رہے گی۔"

تقریب علم برداری

پھر آپ نے تین جھنڈے منگوائے۔ علم برداری کے اعزاز کو جو زمانہ جاہلیت سے چلا آتا تھا اسلام نے زیادہ کر دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے جھنڈے عطا فرمانے شروع کئے۔ قبیلہ اوس جو انصار کا بہت اہم قبیلہ تھا اس کا

[1] السیرۃ الحلبیۃ - ج 2' ص 243
[2] طبقات ابن سعد - ج 3' ص 27-26
[3] طبقات ابن سعد - ج 3' ص 27-

www.ahnafmedia.com

جھنڈا حضرت اسید بن حضیر کو عطا فرمایا۔ قبیلہ خزرج جو انصار ہی کا ایک اہم قبیلہ اور اس کی ٹکر کا تھا اس کا جھنڈا حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمایا۔ [1] مہاجرین کا جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمایا گیا لیکن آپ کو معلوم ہوا کہ کفار مکہ نے پرانی رسوم کے مطابق اب تک یہ اعزاز بنی عبدالدار ہی کیلئے محفوظ رکھا ہے اور ابو سفیان نے روایات قریش کی پاسبانی کرتے ہوئے اس مرتبہ بھی جھنڈا عبدالدار قبیلے ہی کے ایک صاحب کو دیا ہے تو آپ نے اسی قبیلے کے ایک ممتاز مہاجر اور مجاہد حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور یہ کہہ کر جھنڈا ان کے سپرد کر دیا۔ [2]

خاندانی روایات کا احترام کرنا کافروں سے زیادہ ہمارا حق بنتا ہے۔

اس کے بعد آپ نے کوچ کا حکم دیا اور اپنی جگہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مقرر کر دیا کہ وہ مدینہ میں رہ جانے والے لوگوں کو نماز پڑھائیں گے۔

ہم کافروں سے مدد نہیں لیتے

جب آپ ثنیتہ الوداع کے قریب سے گزر رہے تھے تو آپ کی ملاقات ایک دستے سے ہوئی جو نہایت عمدہ اسلحہ سے لیس تھا اور آپ کے ہمراہ مشرکین مکہ کے خلاف لڑنا چاہتا تھا۔ آپ نے دریافت فرمایا کیا انہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے؟ تو بتلایا گیا کہ یہ قبیلہ خزرج کے حلیف ہیں یہودی ہیں۔ اسلام قبول نہیں کیا اور اپنے حلیف قبیلے خزرج کی وجہ سے مدد کیلئے حاضر ہوئے ہیں۔ آپ نے یہ سنا تو یہ کہہ کر ان کی مدد کو مسترد کر دیا کہ ہم کافروں سے مدد نہیں لیتے۔ [3]

پھر شیخین نامی ایک ٹیلے پر پہنچے تو لشکر کو معائنہ کیلئے روک لیا گیا۔ نبی کریم ﷺ نے بنفس نفیس معائنہ فرمایا اور جن کی عمریں پندرہ سال سے کم تھیں انہیں

[1] ایضاً۔
[2] البدایہ والنہایتہ - ج 4، ص 20 [3] طبقات ابن سعد - ج - 2، ص 43۔

واپس بھیج دیا۔ واپس جانے والوں میں حضرت زید بن ثابت، عبداللہ بن عمر، ابو سعید الخدری، اسامۃ بن زید، زید بن ارقم اور سعد بن حبہ وغیرہ، رضی اللہ تعالیٰ عنہم شامل تھے۔ [1]

دو ننھے مجاہد

اللہ کے راستے میں لڑنے اور جہاد کرنے کا شوق ان بچوں پر بھی کس قدر غالب تھا جو بمشکل ابھی جوانی کے حدود کو چھو رہے تھے کہ رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کو بھی کم عمری کی بناء پر واپس جانے کا حکم مل گیا۔ انہوں نے ذہانت سے کام لیا اور انگوٹھوں کے بل تن کر کھڑے ہو گئے۔ قد اونچا نظر آنے لگا۔ ترکیب کارگر ہوئی، اور انہیں جہاد میں شرکت کی اجازت دے دی گئی۔ بعض مورخین نے ان کی ماہرانہ تیراندازی کا ذکر بھی کیا ہے کہ وہ نہایت مشاق تھے رسول اللہ ﷺ نے جب ان کی تیراندازی میں غیر معمولی صلاحیت کا سنا تو انہیں شرکت جہاد کی اجازت مرحمت فرما دی۔ [2]

رافع نے ترکیب چلی ہو یا ماہر تیرانداز ہوں۔ جسمانی اعتبار سے دبلے پتلے تھے۔ جب انہیں اجازت مل سکتی ہے تو سمرۃ بن جندب کو اجازت کیوں نہیں مل سکتی؟ اپنے والد کے پاس گئے اور کہنے لگے والد آپ رسول اللہ ﷺ سے چپکے کر بات کریں رافع مجھ سے کمزور ہے اور کشتی میں میں اسے نیچے گرا لیتا ہوں۔ اگر اسے اجازت مل گئی ہے تو مجھے کیوں نہیں؟ مری بن سنان رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور اپنے سوتیلے بیٹے کی سفارش کی کہ اللہ کے رسول رافع کو اجازت دی گئی کہ وہ لڑے اور سمرہ کو واپس بھیجا جا رہا ہے حالانکہ اگر کشتی ہو تو سمرہ رافع کو پچھاڑ سکتا ہے۔

[1] زرقانی - ج - 2، ص 25۔
[2] عیون الاثر - ص 233۔

www.ahnafmedia.com

رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو عملی زندگی میں سرگرم دیکھنا چاہتے تھے' فرمایا دونوں میں کشتی کروائی جائے۔ جب مقابلہ ہوا تو واقعی سمرہ نے رافع کو پچھاڑ دیا اور رسول اللہ ﷺ نے انہیں بھی جہاد کی اجازت مرحمت فرمادی۔ [1]

رات مدینہ طیبہ اور احد کے درمیان بسر کی اور صبح کی نماز رسول اللہ ﷺ نے حسب اختلاف روایات دشمن کی فوج کے سامنے جاکر پڑھائی۔

منافقین کا طرز عمل

عبداللہ بن ابی نے جو منافقین کا سرغنہ تھا۔ جب یہ دیکھا کہ لڑائی کا آغاز ہوجائے گا تو اپنے ساتھیوں کو یہ کہہ کر واپس چل پڑا کہ یہاں کوئی جنگ نہیں ہوگی۔ اگر ہوتی تو کیا ہم ٹھہرنہ جاتے۔ اس نازک موقع پر ایک دم سے تین سو آدمیوں کا (جو دراصل منافقین ہی کا ایک گروہ تھا اور بظاہر مسلمانوں کے ساتھ تھا) الگ ہوجانا کفار کے حوصلے بلند کردینے کا فیصلہ تھا اور کمزور مسلمانوں پر اس کا برا اثر بھی پڑ سکتا تھا اس لئے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کے والد عبداللہ بن حرام آگے بڑھے عبداللہ بن ابی کو سمجھانے لگے [2] انہیں روکنے کی کوشش شروع کی اور یہ کہا چلو تم لوگ لڑنا نہیں' محض دفاع ہی کرلینا۔ لیکن وہ تو یہ طے کرچکے تھے کہ دنیا اور اس کی آرائش کو آخرت اور اس کے انعامات پر ترجیح دینی ہے۔ کسی بات کا بھی مطلق اثر نہ لیا اور واپس چل پڑے۔ عبداللہ بن حرام رضی اللہ عنہ کو جواب ملا کہ اگر لڑائی ہونی تھی تو ہم ضرور ٹھہر جاتے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اچھا اللہ کے دشمنو! خدا تمہیں غارت کردے۔ اچھی طرح یاد رکھو اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو تمہاری مدد اور حمایت سے بے نیاز

[1] تاریخ طبری - ج- 3 'ص 12-
[2] الرحیق المختوم - ص + 398-

رکھے گا۔ سورۃ آل عمران میں اسی موقع کی مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے [1]

وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوِ ادْفَعُوا قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنَاكُمْ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِم مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ

اور ان لوگوں کو بھی جان لے جنہوں نے منافقت اختیار کی اور ان سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں لڑو یا دفعیہ میں جاؤ تو وہ بولے کہ اگر کوئی (ڈھنگ کی) جنگ دیکھتے تو ضرور تمہارے پیچھے ہولیتے۔ یہ لوگ اس روز ایمان سے زیادہ کفر کے نزدیک ہوگئے۔ یہ لوگ اپنے منہ سے ایسی بات کہتے ہیں' جو ان کے دلوں میں نہیں اور جو کچھ چھپائے ہوئے ہیں اللہ اسے خوب جانتا ہے۔

صف بندی

صبح ہوچکی تھی رسول اللہ ﷺ جہاد کیلئے تیار تھے۔ دشمن بھی پر تول رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے پہاڑ کو اپنی پشت پر رکھ کر فوج کی ترتیب شروع کی اور جنگی نقطہ نظر سے مختلف حضرات کو مختلف ذمہ داریاں سونپی گیں۔ [2]

لشکر کا دایاں حصہ حضرت منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ کی قیادت میں دیا۔

بایاں حصہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا اور حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کو ان کا معاون مقرر کیا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو ایک خاص

[1] القرآن 3/167-
[2] طبقات ابن سعد - ج- 2 'ص 27-

www.ahnafmedia.com

ذمہ داری یہ بھی سونپی گئی کہ اگر خالد بن ولید کے شہ سوار ادھر آئیں تو تم نے ان کی راہ روکنی ہے۔ سب سے پہلی صف کو ملاحظہ فرمایا اور نہایت ممتاز اور سربر آوردہ مجاہدین جن میں سے ایک ایک عربوں کی اصطلاح کے مطابق ہزار آدمیوں کے برابر سمجھا جاتا تھا' کھڑا کیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ان سواروں پر مقرر کیا جو زرہ پوش نہ تھے۔

جو فوجی لباس آپ گھر سے پہن کر نکلے تھے وہی یہاں تھا صرف ایک تبدیلی فرمائی اور وہ یہ کہ سر اقدس سے عمامہ اتار کر خود پہن لیا تاکہ سر محفوظ ہو جائے اور اس خود کے ساتھ آہنی کڑیوں کی جھالر بھی لٹک رہی تھی جو گردن کی حفاظت کرتی تھی۔

ابن سعد کی روایت کے مطابق آپ پیدل گھوم کر صفیں درست کر رہے تھے اور مجاہدین کو مناسب جگہوں (POSITION) پر متعین فرما رہے تھے۔ [1]

عقبی حصہ میں احد پہاڑ تھا لیکن ایک جگہ کے متعلق یہ ڈر تھا کہ کہیں کفار مکہ اس درے سے پس پشت حملہ آور نہ ہوں آپ نے اس کا بھی بندوبست فرمایا اور حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں پچاس مجاہدوں کا ایک دستہ تشکیل دیا۔ ان سب تیر اندازوں کو اس مقام پر بٹھایا اور فرمایا اس راستے سے کوئی آکر ہم پر حملہ کرنا چاہے تو اسے تیروں پہ لے لینا اور ہم سے دور رکھنا۔ اس طرف سے ہماری حفاظت کرنا' ہمیں فتح ہو یا شکست اس جگہ سے نہ ہٹنا۔ ہمیں قتل ہوتے ہوئے دیکھ لو تو بھی اس جگہ کو نہ چھوڑنا۔ ہماری مدد کو نہ آنا۔ حتیٰ کہ اگر تم دیکھو پرندے ہماری بوٹیاں نوچ رہے ہیں تو بھی اپنی جگہ نہ چھوڑنا یہاں تک کہ میں تمہیں بلا بھیجوں اور اگر مال غنیمت ہم حاصل کر

[1] ایضاً

رہے ہوں تو بھی ہماری مدد کو نہ آنا۔ [1]

غیر معمولی ذہانت

جس اعتبار سے آپ نے اپنے ساتھیوں کو میدان جنگ میں مختلف مقامات پر متعین فرمایا تھا اس سے آپ کی غیر معمولی ذہانت اور جنگی حکمت عملی کا پتہ چلتا ہے۔ جس باریکی سے آپ نے مدینہ طیبہ کے دفاع اور ہر اعتبار سے اپنے ساتھیوں کو تحفظ فراہم کیا تھا وہ منصوبہ خود آپ کی نبوت کی دلیل ہے۔ کوئی بھی کمانڈر خواہ کتنی ہی عبقری شخصیت کا مالک ہوتا یہ منصوبہ فوری طور پر نہیں بنا سکتا تھا۔ آپ کا دشمن آپ سے پہلے پہنچ چکا تھا۔ اس نے تین دن اور تین راتیں یہاں گزاری تھیں اور آپ ہفتہ کے دن صبح تشریف لائے تھے۔ اس حساب کے مطابق تو دشمن کو پہلے اچھی جگہ پر قبضہ کر لینا چاہئے تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ایسا ساز ہن اپنے نبی ﷺ ہی کو عنایت فرمایا تھا۔ جو میدان جنگ کے ان تمام اسرار و رموز سے واقف تھے جو کسی بھی لشکر کے فتح یا شکست کے اسباب بن جایا کرتے ہیں۔ احد کی بلندیوں کو آپ نے اپنی پشت اور دائیں طرف رکھ کر قدرتی طور پر اپنے آپ کو محفوظ کر لیا تھا۔ بائیں طرف ایک درہ تھا جس سے دشمن کا حملہ متوقع ہو سکتا تھا اسے آپ نے اپنے جانباز اور مایہ ناز تیر اندازوں کے ذریعے بند کر دیا تھا' کیمپ اونچی جگہ پر رکھا تھا۔ تاکہ خدانخواستہ اگر شکست کی صورتحال بھی بنتی ہے تو بجائے قیدی بن جانے کے اوپر چڑھ کر پناہ لی جا سکے اور اگر دشمن اس کیمپ تک پہنچنا چاہے تو اس کو ایسی بلند جگہ پر پہنچنے کیلئے دشواری کا سامنا کرنا پڑے۔ دشمن کو آپ نے نشیب میں لے لیا تھا تاکہ اگر انہیں فتح ہو تو وہ کوئی فائدہ نہ اٹھا سکیں اور اگر انہیں شکست ہو تو میدان ہونے کی وجہ سے تعاقب میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی جائے۔

[1] فتح الباری - ج 7' ص 270

www.ahnafmedia.com

کفار مکہ کی صف بندی

دوسری طرف مسلمانوں پر حملہ کرنے کیلئے بھی مکمل تیاری ہو رہی تھی۔ ابو سفیان نے لشکر کو ترتیب دیا دایاں حصہ خالد بن ولید کے سپرد کیا بائیں حصہ پر ابو جہل کے بیٹے عکرمہ کو سردار مقرر کیا۔ تیراندازوں کو عبداللہ بن ربیعہ کے تحت کر دیا۔ سواروں کا دستہ صفوان بن امیہ کی کمان میں تھا اور جھنڈا تو پہلے ہی سے بنی عبدالدار کے سپرد کر چکے تھے۔ [1]

جھنڈا پوری جنگ کا محور و مرکز تھا۔ اس کے گرنے سے قومیں ہارنے کا اعلان سمجھ لیتی تھیں اور اس کی سربلندی قوم کیلئے باعث صد عزو افتخار تھی ابو سفیان نے بنی عبدالدار کو مزید مضبوط کرنے کیلئے ایک طنز کیا اور انہیں یاد دلایا کہ بدر میں نضر بن حارث نے جھنڈے کی عزت' اسے گرا کر برباد کر دی تھی اور قریش کو کیسی ذلتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اگر آج بھی ایسا ہی ہوا تو رہی سہی عزت بھی خاک میں مل جائے گی۔ کہنے لگے۔ [2]

"بدر میں جو کچھ ہونا تھا' ہو چکا۔ اب اگر آپ اس بات کے لئے تیار ہیں کہ جھنڈے کی حفاظت کیلئے اپنی جانیں لڑا دیں تو بے شک آج بھی جھنڈا آپ ہی کا حق ہے اور اگر آپ میں اتنی ہمت نہ ہو تو پھر ہمیں اجازت دیجئے ہم اپنی جانوں کی قیمت پر اس جھنڈے کی عزت کو برقرار رکھیں اور اپنا فرض نبھائیں۔ آل عبدالدار نے یہ طنزیہ گفتگو سنی تو حوصلہ اور قوت برداشت جواب دے گئی کہنے لگے۔ ابو سفیان یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم اپنا خاندانی اعزاز آپ لوگوں کو دے دیں۔ ہم موت سے جان چرانے والے نہیں۔ جھنڈا ہمیں دیجئے اور میدان جنگ میں آپ دیکھ لیں گے کہ ہم کیا کرتے ہیں۔

---

[1] زرقانی - ج - 2 'ص 26

[2] طبقات ابن سعد - ج - 3 'ص 28 -

ابو سفیان جو چاہتے تھے وہ ہو گیا تھا۔ عبدالدار کی قبائلی عصبیت اور قومی غیرت بیدار ہو گئی تھی۔ وہ اپنے آپ کو اس اعزاز کا حق دار ثابت کرنے کیلئے سر دھڑ کی بازی لگانے پر تل چکے تھے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ باجود کافر ہونے کے انہوں نے اپنے جھنڈے کو بلند رکھنے کا حق ادا کر دیا۔ اس خاندان کے سات نوجوان یکے بعد دیگرے قتل ہو گئے مگر جھنڈے کی حفاظت پر کوئی آنچ نہیں آنے دی۔ ایک کے بعد دوسرا ڈٹ گیا اور دوسرے کے بعد تیسرا (آئندہ صفحات میں ان کا بھی ذکر آرہا ہے)

دونوں فوجوں کا تقابل

احد کے میدان میں انہوں نے ایک اور چال بھی چلی اور وہ یہ کہ میدان کے اس حصے میں جہاں مسلمانوں کے پہنچ جانے کے امکانات تھے گڑھے کھدوا دیئے اور پھر ان پر خشک گھاس ڈلوا دی تاکہ دیکھنے والا اسے گھاس ہی سمجھے مگر جب پاؤں رکھے تو گڑھے میں گر جائے۔ ایک سرسری نظر سے دیکھئے کہ دونوں فوجوں میں اسباب کے اعتبار سے کیا تقابل تھا۔ [1]

	کفار مکہ	اہل مدینہ
1	فوجی - 3200	مجاہد 700
2	اونٹ - 3000	پیدل سفر ہوا تھا اس لئے ایک اونٹ بھی ہمراہ نہیں تھا۔ صرف ایک' جس کا نام "سکب" تھا اور رسول اللہ ﷺ کا تھا بروایت ابن سعد حضرت ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ کا ایک گھوڑا تھا اس اعتبار سے صرف دو۔
3	زرہ پوش - 700	زرہ پوش - 100
4	تیرانداز 100	تیرانداز - 50

---

[1] طبقات ابن سعد - ج - 3 'ص 32

www.ahnafmedia.com

افرادی قوت کے اعتبار سے دیکھیں تو مسلمانوں کی حیثیت یہاں بدر سے بھی زیادہ کمزور دکھائی دیتی ہے۔ کیونکہ بدر میں تین سو تیرہ کا مقابلہ نو سو پچاس سے تھا ایک اور تین کی نسبت تھی' اور یہاں سات سو کا مقابلہ 3200 سے تھا یہ نسبت ایک اور تقریباً پانچ کی ہے۔

تناسب اور ظاہری اسباب پر نظر سے قطع نظر رسول اللہ ﷺ نے جنگ شروع کرنے کا حکم دے دیا۔ مشرکین مکہ کو جنگ پر آمادہ کرنے اور ان کے جذبات انتقام برانگیختہ کرنے کیلئے قریشی عورتوں نے دف بجانا شروع کی اور یہ گانا گایا۔[1]

نحن بنات الطارق　　نمشی علی النمارق
ان تدبروا نفارق　　ان تقبلوا نعانق
فراق غیر وامق

ہم آسمان کے ستارے طارق کی بیٹیاں ہیں۔
ہم قالینوں پر چلنے والی۔
اگر آگے بڑھو گے (جیت کر آؤ گے) تو ہم گلے لگالیں گی۔
اگر پیٹھ دکھاؤ گے تو ہم بچھڑ جائیں گی۔
ایسی جدائی جس میں محبت کی کوئی رمق نہ ہو۔

عورتوں کے گانے کی یہ آواز رسول اللہ ﷺ تک پہنچ رہی تھی اور وہ فرما رہے تھے[2]

اللھم بك احول وبك اصول وفيك اقاتل
حسبی اللہ ونعم الوکیل

[1] زرقانی' ج2' ص26
[2] السیرۃ الحلبیہ - ج- 4' ص - 249

اے اللہ میں آپ کی مدد ہی سے دشمن کو روک سکتا ہوں۔ آپ کی
مدد ہی سے حملہ آور ہو سکتا ہوں۔ تیرے ہی لئے تو ان سے لڑ رہا ہوں
میرے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہیں اور وہ بہت اچھا ذمہ دار ہے۔

کفر اور اسلام کا کتنا صحیح اور واضح اختلاف کھل کر سامنے آتا ہے وہ عورتوں کے گانے اور دف کے ساتھ میدان میں اترے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو اس ذات پر بھروسا ہے جس نے انہیں اپنا نبی بنا کر مبعوث فرمایا ہے ان کو جہاد پر لانے کیلئے بس یہ کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت' اسی کیلئے لڑ رہے ہیں اور انہیں جنگ پر آمادہ کرنے کیلئے مقتولین بدر کی یاد ان کے مرثیے 'رجز' عورتوں کی آواز اور موسیقی کی ہم آہنگی کس قدر سامان درکار ہیں؟

آغاز جنگ

باقاعدہ جنگ کا آغاز ہوا اور قریش کا ایک نہایت بہادر شاہسوار طلحہ بن ابی طلحہ عبدری سامنے آیا۔ مسلمان اسے کبش الکتیبہ (لشکر کا مینڈھا) کہتے تھے اونٹ پر سوار ہو کر جنگ کی دعوت دی۔ مسلمانوں کی طرف سے حضرت زبیرؓ تیزی سے نکلے اور اس کی جانب بڑھے۔ کوئی بھی وقت ضائع کئے بغیر زمین سے جست لگائی اور اس کے اونٹ پر چڑھ گئے۔ شیر کی جست تھی ہاتھ صحیح پڑے آپ نے اسے اونٹ پر ہی دبوچ لیا اور وہیں سے زمین پر کود گئے۔ طلحہ بن ابی طلحہ بدحواسی سے یہ سب سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے زمین پر گراتے ہی تلوار لے کر اسے ذبح کر دیا[1]۔ اس قدر خوش ہوئے کہ بے اختیار اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ مسلمانوں نے بھی نعرہ تکبیر بلند کیا اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی نہ صرف تائید کی بلکہ اپنے خصوصی قرب سے نوازا۔ آپ نے فرمایا ہر نبی کا ایک حواری (مدد گار) ہوتا

[1] طبقات ابن سعد- ج- 3' ص- 28

www.ahnafmedia.com

ہے اور میرے حواری زبیر ہیں۔

قریش کا دوسرا شہ سوار اور علمبردار سامنے آیا اس کا نام بھی طلحہ ہی تھا [1] مسلمانوں پر طنز کرنے لگا اور اسی طنزیہ انداز میں بولا' "تمہارا خیال ہے کہ تم جنت میں اور ہم جہنم میں جائیں گے۔ کوئی ہے جو میرے ہاتھوں جنت میں پہنچ جائے یا اپنے ہاتھوں سے مجھے جہنم پہنچادے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ طنز کب برداشت کرنے والے تھے' آگے بڑھے اور تلوار کا پہلا وار کیا جس سے اس کا پاؤں کٹ گیا اور ابھی وہ سنبھلنے نہ پایا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تلوار اس کے سر پر بیچوں بیچ اس طرح ماری کہ اس کے عمامہ کو چیرتی' اور سر کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کرتی ہوئی گردن تک جا پہنچی۔ یوں جس چیز کے وصل کی تمنا اس نے کی تھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں وہ وہیں پہنچ گیا۔ نبی کریم ﷺ نے پھر نعرہ تکبیر بلند کیا اور اس معرکہ پر اتنے خوش ہوئے کہ فرمایا کہ خواب میں مجھے جو مینڈھا دکھایا گیا تھا وہ یہی تھا جو پہلے ہی ذبح کر دیا گیا۔ [2] جھنڈا اس کے بھائی عثمان بن ابی طلحہ نے اٹھایا [3] اور یہ کہتے ہوئے مقابلے کی دعوت دی

ان علی اھل اللواء حقا المعدۃ او تندقا

جس کے ہاتھ میں جھنڈا ہو اس کا یہ فرض ہے کہ اپنے نیزے کو دشمن کے خون سے رنگ لے اور پھر اتنا لڑے کہ نیزہ ٹوٹ جائے۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور فرمایا لے ہمارے وار کو سنبھال میں اس کا بیٹا ہوں (عبدالمطلب کا) جو سخی اور بہادر تھا' حاجیوں کے لئے پانی کا بندوبست کرتا تھا۔ اور اس کے کندھے پر ایسی تلوار ماری کہ کمر تک ایک ہی وار کافی

---

[1] زرقانی۔ ج۔ 2' ص۔ 31

[2] طبقات ابن سعد۔ ج۔ 3' ص۔ 28

[3] ۔ ایضاً۔

ہو گیا۔ پیٹ چاک ہو گیا' آنتیں باہر نکل آئیں جھنڈا اس کے ہاتھ سے نیچے گر پڑا اور وہ بھی اپنے بھائی کے پیچھے روانہ ہو گیا۔

طلحہ اور عثمان کے بعد ان کا تیسرا بھائی ابو سعد بن ابی طلحہ جھنڈا لئے آگے بڑھا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اسی موقع کے منتظر تھے۔ مانے ہوئے تیر انداز تھے۔ چلے پر رکھ کر جو تیر چلایا تو سیدھا اس کے حلق میں آکر لگا۔ تیر کی شدت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اس کی زبان منہ سے باہر لٹک گئی اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر موت کا مرحلہ اس کے لئے مزید آسان کر دیا۔ تینوں بھائیوں کے بعد پہلے مقتول طلحہ کے بیٹے صالح بن طلحہ نے جھنڈا سنبھالا اور ابھی پوری طرح اپنی جگہ پر جمنے نہیں پایا تھا کہ حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ایک تیر نے اس کا کام تمام کر دیا۔

صالح کے بعد اس کے سگے بھائی کلاب بن طلحہ نے جھنڈا سنبھالا اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس کے مقابلے میں آئے۔ چند واروں کا تبادلہ ہوا اور نبی کریم ﷺ کے اس حواری نے اسے اپنے باپ اور بھائی دونوں کی راہ کا مسافر بنایا۔

مسافع اور کلاب کے بعد ان کا تیسرا بھائی جلاس آگے بڑھا۔ جھنڈے کی حفاظت اب اس کی ذمہ داری تھی مگر حضرت طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے نیزے کی مدد سے اسے ان تمام ذمہ داریوں سے سبکدوش کر دیا۔ بعض مورخین نے اس کے قتل کا سبب بھی حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کی کمان سے چلنے والے تیر کو قرار دیا ہے۔

بنی عبدالدار کے ایک ہی گھرانے کے یہ چھ آدمی اپنے جھنڈے کی حفاظت میں مارے گئے۔ انہوں نے جو ابوسفیان سے کہا تھا کہ "ہم موت سے جان چرانے والے نہیں ہیں۔ اپنے قول کو سچا کر دکھایا۔

www.ahnafmedia.com

اب جھنڈا ارطاۃ بن شرحبیل نے اٹھایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا تو ایک غلام "صواب" آگے بڑھا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے آناً فاناً اسے تیر پر لے لیا۔ اور اب جھنڈا اٹھانے کی ہمت قریش میں ٹوٹ گئی تھی کسی کو حوصلہ اور یارانہ تھا کہ اپنے اتنے جیالوں کا خون بہا کر بھی وہ جھنڈا بلند رکھ سکتے۔ جھنڈے کی بلندی کے لئے کسی بھی قوم کو خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو کس قدر بڑی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ جھنڈا زمین پر گرا رہا اور اٹھانے کے لئے کوئی آگے نہ بڑھا۔ [1]

ابن ہشام نے قریش کے 22 سرداروں کے نام پوری تفصیل کے ساتھ نقل کئے ہیں۔ جن کو جنگ کے آغاز ہی میں موت کا ذائقہ چکھنا پڑا اور کفر کے ان صنادید کو جس جس صحابی رضی اللہ عنہ نے جہنم واصل کرنے کی سعادت حاصل کی ان کے نام بھی تفصیل سے ذکر کئے ہیں۔

علم برداری کے قتل اور ان سرداروں کے مارے جانے کے بعد قریش کے صبر و ضبط کا پیمانہ ٹوٹ گیا اور عام جنگ شروع ہو گئی۔ اللہ کے شیر اور مجاہد ہر طرف چھائے ہوئے تھے۔ کفر و شرک کے نام لیوا جان بچانے کی فکر میں تھے۔ ان کے پاؤں اکھڑ رہے تھے۔ اور تھوڑی ہی دیر میں جنگ کی آگ پوری شدت سے بھڑکنے لگی۔

تلوار کا حق

جناب رسول اللہ ﷺ نے تلوار دست مبارک میں لی اور فرمایا ہے کوئی جو اس کا حق ادا کر دے؟ [2] کون تھا جو اس سعادت کو حاصل کرنے کے لئے نہ لپکتا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سبھی نے ہاتھ آگے بڑھائے مگر یہ قسمت اور عزت حضرت سماک رضی اللہ عنہ کے مقدر میں

[1] طبقات ابن سعد۔ ج-2، ص-28 [2] سیرۃ الحلبیۃ۔ ج-2، ص-246

لکھی تھی۔ جن کی کنیت ابو دجانہ تھی۔ تلوار جو نبی کریم ﷺ عطا فرمانے والے تھے اس کے ایک طرف یہ شعر کندہ تھا۔

فی الجبن عار وفی الاقبال مکرمۃ
والمرء بالجبن لا ینجو من القدر

بزدلی شرم کا باعث ہے اور آگے بڑھ جانے میں عزت ہے
اور بزدلی سے کوئی آدمی مقدر سے بچ تو نہیں سکتا

ابو دجانہ نے ہاتھ آگے بڑھایا اور پوچھا یا رسول اللہ ﷺ اس تلوار کا کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا کسی مسلمان کو مارنا نہیں اور کافر سے بھاگنا نہیں۔ تلوار عنایت فرما دی گئی۔ انہوں نے تلوار ایک طرف کو رکھی اور سامان جنگ میں سے ایک سرخ رومال نکالا۔ لوگوں نے آپس میں باتیں کرنا شروع کیں کہ ارے بہادر عصابۃ الموت (موت کی پٹی) ہے اور جب ابو دجانہ یہ رومال سر پر باندھ لیں تو پھر وہ مرنے اور مارنے کی ٹھان لیتے ہیں۔

اس رومال کے ایک طرف یہ آیت کریمہ لکھی تھی [1]

نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ

اور دوسری جانب یہ فقرہ تھا۔

الجبانہ فی الحرب عار
ومن فر لم ینج من النار

میدان جنگ میں بزدلی کا مظاہرہ کرنا شرم کی بات ہے اور جو بھی میدان چھوڑ کر بھاگے گا جہنم کی آگ سے نجات نہ پا سکے گا۔

[1] اسے حسن اتفاق کہئے کہ ہمارے وطن، پاکستان کی مسلح افواج کے بہترین آفیسر جہاں سے جنگی مہارت حاصل کر کے نکلتے ہیں اس ادارے، پاکستان ملٹری اکیڈمی (PMA) کا امتیازی نشان بھی یہی آیت کریمہ ہے۔ جن حضرات نے اس آیت کریمہ کا اس ادارے کے آغاز میں انتخاب کیا ہو گا ممکن ہے ان کے پیش نظر بھی یہ روایت رہی۔

www.ahnafmedia.com

سرخ رومال باندھ کر تلوار ہاتھ میں لی اور اکڑتے ہوئے دشمن کی فوج کی طرف چلے رسول اللہ ﷺ یہ تمام مناظر چشم مبارک سے ملاحظہ فرمارہے تھے۔ فرمایا یہ چال جو ابو دجانہ چل رہا ہے کبر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے مگر جب دشمنوں کے مقابلے میں اللہ ہی کے لئے چلا جائے تو کچھ حرج نہیں۔ موت کی پٹی باندھ رکھی ہے اس مجاہد نے اور مرنے اور مارنے کو جی کیوں نہ چاہے جب کہ تلوار دینے والے نے اسی مقصد کے لئے دی ہے۔ شجاعت اور بہادری اس قدر ہے کہ چال میں فرق آ گیا ہے' یہ خدا کا سپاہی زبان سے جو کچھ کہتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے وہ بھی تو سنیے۔

انا الذی عاهدنی خلیلی ونحن بالسفح لدی النخیل
ان لا اقوم الدهر فی الکبول اضرب بسیف اللہ والرسول

مجھے دیکھو میں وہ انسان ہوں جس سے اس کے ایسے دوست نے وعدہ لیا ہے جس کی محبت میرے دل کی گہرائیوں میں سرایت کر گئی ہے (یعنی رسول اللہ ﷺ) اور وعدہ اس وقت لیا تھا جب ہم پہاڑ کے دامن میں کھجور کے باغ کے قریب تھے۔ وعدہ مجھ سے یہ تھا کہ میں میدان جنگ میں کبھی فوج کی آخری صف میں نہیں رہوں گا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تلوار سے دشمنوں کے سر اڑاتا رہوں گا۔

اس کے بعد انہوں نے تلوار کے جوہر دکھانے شروع کئے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے میں دیکھ رہا تھا کہ ابو دجانہ جس طرف رخ کر لیتے تھے کافر کائی کی طرح چھٹ جاتے تھے کہ کہیں ابو دجانہ سے مقابلہ نہ ہو جائے اور جو ابو دجانہ کے سامنے آ گیا اس کے شانے زیادہ دیر تک سر کے بوجھ کو نہیں اٹھاتے تھے۔ ادھر مشرکین میں بھی ایک کڑیل جوان تھا جو ہمارے کسی بھی زخمی کو دیکھ کر اسے شہید کر رہا تھا۔ وہ بھی بہادری سے لڑ رہا تھا اور جب آہستہ آہستہ ابو دجانہ اور وہ کافر قریب آتے چلے گئے تو میں نے دل ہی دل میں اللہ سے دعا کی کہ پروردگار ان

دونوں میں مقابلہ کرا دیجئے اور پھر ایسے ہی ہوا۔ دفعتاً دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے آ گئے اور اس کافر نے ابو دجانہ پر پہلے وار کیا۔ ابو دجانہ نے تلوار ڈھال پر روک لی۔ لیکن وہ اس قدر شدت سے چلائی گئی تھی کہ ڈھال کو چیر کر اس میں پھنس گئی ابو دجانہ نے وار کیا اور رسول اللہ ﷺ کی تلوار کا حق ادا کر دیا۔ اس کافر کے لئے یہ ایک وار ہی کافی ثابت ہوا۔

تلوار کا احترام

ابو دجانہ کی نگاہ ایک آدمی پر پڑی جو قریش کی ہمت بندھا رہا تھا اور ان کے میدان جنگ میں جم جانے کے لئے ولولے فراہم کر رہا تھا یہ صفیں چیرتے ہوئے اس تک جا پہنچے اسے للکارا اور نشانہ لے کر تلوار بلند کی۔ اس نے چیخنا شروع کیا تو ابو دجانہ فوراً سمجھ گئے کہ یہ تو دراصل عورت ہے۔ وہ عتبہ کی بیٹی ہند تھیں جو اپنی فوج کی ہمت بندھا رہی تھیں۔ ابو دجانہ نے اٹھائی ہوئی تلوار نیچے جھکالی' روک لی اور کہنے لگے کہ "سول اللہ ﷺ کی تلوار سے عورت کو قتل کرنا اس تلوار کی توہین ہے" [1]

وہ مجاہد جو اللہ کے دین کی خاطر صفوں پر بھاری کافروں کی گردنیں اڑا رہا تھا رسول اللہ ﷺ کی محبت اور عشق میں ایسا سرشار تھا کہ ان کا تو جو احترام تھا سو تھا، ان کی عطا فرمودہ تلوار تک کا احترام باقی رکھا۔ وہ اس نکتے کو اچھی طرح سمجھتے تھے کہ نسبتیں چیزوں میں وزن اور جان ڈال دیتی ہیں رسول اللہ ﷺ ان کی اس جرات اور شجاعت سے نہایت خوش تھے۔ جنگ ختم ہو جانے کے بعد گھر تشریف لائے اور اپنی صاحب زادی حضرت فاطمہؓ کو تلوار دی کہ اسے دھو ڈالو۔ حضرت علی نے بھی اپنی تلوار دھونے کے لئے دی اور رسول اللہ ﷺ سے فرمانے لگے آج تو میں خوب لڑا۔ آپ نے فرمایا صرف تم ہی نہیں' سہل بن حنیف اور ابو دجانہ بھی تو خوب لڑے۔

[1] السیرۃ النبویہ لابن ہشام۔ ج۔ 2 'ص۔ 7

www.alhanifmedia.com

شہید جسے فرشتوں نے غسل دیا

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کسی وجہ سے بدر میں شرکت نہیں کر سکے تھے [1] جب احد کے لئے نکلنے کا وقت آیا اور رسول اللہ ﷺ کے ایلچی کی آواز کان میں پڑی کہ جہاد کے لئے نکلنے کا حکم ہو رہا ہے تو جس حال میں تھے جہاد کی خبر پہنچی اسی حال میں اٹھ کر چل دیئے۔

ان کی بیوی جمیلہ نے اسی رات خواب میں یہ دیکھا کہ آسمان کا ایک دروازہ بند کر دیا گیا۔ خواب کی تعبیر تو وہ بھی جان چکی تھی۔ کس دل سے اس نے اس جوان مجاہد اور اپنے شوہر کو رخصت کیا ہو گا۔ اس نے کتنے خوابوں کے ادھورا رہ جانے اور کتنے ارمانوں کے پورا نہ ہونے کی قربانی دی ہو گی۔ اور جو چند دن قبل اسے اپنی بیوی بنا کر لایا تھا اور کس طرح اسے بیوہ ہونے کے لئے چھوڑ کر چل پڑا ہو گا۔

حنظلہ میدان جنگ میں لڑ رہے تھے اور عجیب اتفاق کہ ان کا باپ کفار مکہ کی طرف سے لڑ رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس چلے گئے اور اجازت مانگی کہ اپنے باپ کو قتل کرنا چاہتا ہوں۔ یہ ہے اللہ کا دین، جو دل کی گہرائیوں میں جب سرایت کر جاتا ہے تو اپنے لئے بڑی سے بڑی قربانی پر آمادہ کر دیتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اجازت دینے سے انکار فرما دیا۔ انہوں نے دو سرا رخ دیکھا اور ادھر چل پڑے، لڑتے رہے یہاں تک کہ ابو سفیان جو لشکر کے وسط میں تھا وہاں پہنچ گئے۔ ابو سفیان کے ساتھ مقابلہ شروع ہوا اور قریب تھا کہ ان کی تلوار ابو سفیان کا فیصلہ کر دے، شداد بن الاسود آگے بڑھا اور حضرت حنظلہ کا جو وار ابو سفیان پر تھا اسے روکا اور دوسرے وار میں ان کیلئے جنت جانے کا سامان کر دیا۔

ابو سفیان کا ایک بیٹا حنظلہ بدر میں مارا گیا تھا۔ آج یہاں ایک جوان

[1] روض الانف۔ ج۔ 2، ص۔ 133

مجاہد حنظلہ شہادت کے رتبے پر فائز ہوا۔ ابو سفیان نے اپنے دوستوں سے کہا۔ اس حنظلہ کو ہم نے بدر والے حنظلہ کے مقابلے میں لے لیا۔

لڑائی ختم ہو جانے پر لاشوں میں ان کی لاش بھی نکلی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے فرشتوں کو دیکھا ہے کہ اسے جنت میں لے جانے سے قبل بادلوں کے شفاف پانی سے چاندی کے برتنوں میں غسل دے رہے ہیں، ان کی بیوی سے پوچھا، کیا بات ہے؟

اہلیہ نے بتلایا جب لڑائی کا شور سنا تو میرے پاس تنہائی میں تھے، فوراً اٹھے اور میدان جنگ کی راہ لی، غسل کا موقع ہی نہیں ملا، جسے جہاد کے جوش اور ولولے نے غسل کرنے کی مہلت نہ دی، اللہ کے معصوم فرشتوں نے اس پاکیزہ شہید کو غسل دیا اور تاریخ نے رہتی دنیا تک اس کا نام حنظلہ غسیل الملائکۃ (حنظلہ جسے فرشتوں نے غسل دیا) کے عنوان سے محفوظ کر لیا۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جو ابھی عثمان بن ابی طلحہ کو کیفر کردار تک پہنچا چکے تھے آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ سباع بن عبدالعزی قریش کا ایک سردار سامنے آگیا اور کہنے لگا ہے کوئی جو میرا مقابل بنے؟ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور کہنے لگے۔ تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا مقابلہ کرتا ہے؟ یہ کہا اور وار کرنے سے پہلے اس کی ماں کا نام لیا اور پھر فرمایا لے اس وار کو سنبھال اور تلوار اس صفائی سے اس کے سر کو تن سے جدا کر گئی کہ گویا یہاں کبھی سر تھا ہی نہیں۔ تلوار کے یہی جوہر وہ بدر میں بھی دکھا چکے تھے اور جبیر بن مطعم کا چچا طعیمہ بن عدی مارا جا چکا تھا۔ اس مرتبہ جبیر نے اپنے چچا کے انتقام کیلئے اپنے غلام وحشی کی خدمات حاصل کیں اور اس سے آزادی کا وعدہ اس شرط پر کیا کہ محمد ﷺ کے چچا

www.ahnafmedia.com

حمزہ کو میرے چچا طعیمہ کے عوض قتل کرے گا [1]

وحشی، جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے، کہتے تھے۔ مجھے اپنی آزادی سے غرض تھی اس لئے میں نے احد میں حصہ نہیں لیا صرف اس موقع کی تاک میں رہا جب حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر سکوں۔ وحشی نسلاً حبشی تھے اور نیزہ پھینکنے میں پوری مہارت حاصل تھی۔ فرماتے تھے میں نے لوگوں کے ہجوم میں حمزہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو وہ خاکستری اونٹ کی طرح لوگوں کی صفیں الٹتے چلے جا رہے تھے، اور خدا کی قسم اس مجاہد کے سامنے کوئی چیز ٹک نہیں سکتی تھی۔

جب یہ سباع بن عبدالعزیٰ کو واصل بہ جہنم کر کے پیچھے ہٹے تو مجھے موقع مل گیا، میں نے اپنے چھوٹے نیزے کو جسے حربہ کہتے تھے اور حبشیوں کا خاص ہتھیار تھا، تولا اور ان کی طرف اچھال دیا۔ نیزہ ناف کے نیچے لگا اور جسم سے پار ہو گیا۔ جنہوں نے اس حالت میں بھی اٹھ کر مجھ پر حملہ کرنا چاہا، چند قدم آگے بڑھے مگر لڑکھڑا کر گر پڑے [2]، اور جان اس مالک حقیقی تک پہنچ گئی جس کے نام پر انہوں نے زندگی بسر کی، جس کے پیغام کی ترویج کیلئے گھر سے نکلے، اسی کے راستے میں اسی کے کام آ گئے۔

---

[1] السیرۃ الحلبیہ۔ ج - 2، ص - 266

[2] اللہ تعالیٰ نے (ان) حضرت وحشی رضی اللہ عنہ سے قبولیت اسلام کے بعد بہت بڑی خدمت لی۔ عجیب اتفاق ہے کہ انہوں نے ہی مشہور مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کو بھی ناف کے نیچے "حربہ" مار کر جہنم واصل کیا تھا۔

حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کا اصل نام وحشی، کنیت ابو دسمہ اور نسل کے اعتبار سے حبشی تھے۔ اپنے دور جاہلیت میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے مرتکب ہوئے جیسا کہ ابھی آپ نے مطالعہ فرمایا ہے۔ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہو گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، وحشی جس طرح اللہ کے راستے سے روکنے کیلئے لڑا کرتے تھے اسی طرح اللہ کے راستے کی طرف بلانے کیلئے جہاد کر (مجمع الزوائد۔ ج - 6، ص - 121)۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کا انہیں بہت دکھ تھا اور چاہتے تھے کہ کسی طرح کوئی عمل ایسا کر لیں کہ مکافات ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے جلد ہی یہ موقع انہیں فراہم فرما دیا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ خلیفۃ

کم محنت زیادہ اجرت۔

بنی عبدالاشہل کا پورا قبیلہ کفار مکہ کی حمایت میں میدان احد میں اترا تھا مگر ان کا ایک نوجوان عمرو بن ثابت جس کو "اصیرم" کہا جاتا تھا، پیچھے رہ گیا تھا۔ اس کے سامنے اسلام کا تذکرہ ہوتا تھا مگر اسے دین سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ہفتہ کے دن صبح کے وقت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جب کہ وہ میدان جنگ میں کھڑے تھے حاضر ہوا۔ قبولیت کا وقت آ چکا تھا، اسلام قبول کیا۔ اور اپنے قبیلے اور ان ہم مذہبوں کے خلاف لڑنے لگا، چند ساعتیں پہلے وہ جن کا ہم مشرب و ہم راز تھا۔ بالآخر کاری ضرب کھائی اور میدان جنگ میں تڑپنے لگا۔ قبیلے کے لوگوں نے تعجب کی نگاہ سے دیکھا یہ یہاں کیسے پہنچ گیا۔ پوچھنے لگے ہماری حمایت میں زخمی ہوئے ہو یا ہمارے مخالفین (محمد ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم) کی حمایت میں۔ جواب ملا میں ایمان قبول کر چکا ہوں اور رسول اللہ ﷺ کے دین پر اپنی جان قربان کر رہا ہوں۔ یہ کہہ کر اپنی جان اللہ کے حوالے کی اور زبان رسالت مآب ﷺ نے گواہی دی۔

انه اهل الجنة

وہ جنت والوں میں سے ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ اس شخص کا نام بتائے جس

الرسول ﷺ کے دور خلافت میں جب مسیلمہ کذاب جھوٹے مدعی نبوت کا فتنہ اٹھا تو یہ اس کے خلاف جہاد کرنے والوں میں سے تھے۔ میدان جنگ میں جا کر مسیلمہ کذاب کی تاک میں لگے رہے۔ روانگی کے وقت وہی چھوٹا نیزہ ساتھ لے گئے جس سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا اور پھر موقع پا کر مسیلمہ کذاب کو بھی اسی نیزے سے واصل جہنم کر دیا۔ ایک اور انصاری صحابی عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ بھی اسے قتل کرنے میں ان کے معاون تھے۔ فتح الباری میں یہ مکمل قصہ موجود ہے۔ (دیکھئے ج - 7، ص - 282) اس طرح انہوں نے اس دور کے ایک بہت بڑے فتنے کو ختم کر کے اسلام کی ایک اہم خدمت انجام دی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

[1] السیرۃ النبویہ لابن ہشام۔ ج - 2، ص - 83

www.ahnafmedia.com

نے صرف کلمہ پڑھا' ایک نماز تک کی ادائیگی نہیں ہوئی ' کسی نماز کا وقت بھی اس کے اسلام میں نہیں آیا اور وہ جنت کما گیا؟ پھر خود ہی اس مجاہد کا نام لیتے تھے "اصیرم"

معذوری اور شوق شہادت

عمرو بن جموح بنو سلمہ قبیلے کے سردار تھے 'ایک پاؤں سے معذور تھے اس لئے چلنے میں دقت ہوتی تھی ' لنگڑا کر چلتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے چار بیٹے عنایت فرمائے تھے جنہوں نے بدر میں جانے سے روک دیا تھا۔ اب احد کے موقع پر کہنے لگے میں ضرور اس جہاد میں شرکت کروں گا۔ بیٹوں نے سمجھایا کہ آپ معذور ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ پر جہاد فرض نہیں کیا لیکن ان کے دل کی گہرائیاں شوق شہادت سے آشنا ہو چکی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گئے اور کہنے لگے "میرے بیٹے مجھے جہاد میں آپ کے ہمراہ جانے سے روکتے ہیں۔ آپ مجھے اجازت مرحمت فرما دیجئے۔ خدا کی قسم اگر مجھے شہادت مل گئی تو میں اپنے اس لنگڑے پاؤں سمیت جنت میں پہنچ جاؤں گا۔"

رسول اللہ ﷺ نے پہلے تو مسئلہ بتلایا کہ وہ معذور ہیں مگر جب ان کا اصرار دیکھا تو ان کے بیٹوں سے فرمایا کہ تم زیادہ اصرار مت کرو شاید اللہ نے شہادت ان کے مقدر میں لکھی ہو۔ اجازت ملنے پر بہت خوش ہوئے ہتھیار سجا کر گھر سے نکلے اور دعا کرنے لگے۔ میرے اللہ مجھے شہادت نصیب فرما دے اور اب اس گھر میں واپس نہ لا۔ میدان جنگ کا رخ کیا اپنے بیٹے خلاد کو لے کر مشرکین پر حملہ کیا اور بیٹے اور اپنے لنگڑے پاؤں سمیت اللہ کی جنت میں پہنچ گیا۔ ان کی اہلیہ ہندہ بنت عمرو کو اس سانحے کی اطلاع ملی تو وہ میدان احد آئیں تاکہ ان کی میت کو مدینہ طیبہ منتقل کریں۔ اونٹ پر لادا اور جب اس کا رخ مدینہ

منورہ کی طرف کرتیں تو وہ بیٹھ جاتا اور جب احد کی طرف کرتیں تو تیز چلنے لگتا۔ یہ سمجھ نہ پائیں کہ کیا بات ہے؟ آخر کار نبی کریم ﷺ سے ماجرا عرض کیا تو آپ نے فرمایا اس نے مدینہ منورہ سے چلتے وقت کچھ کہا تھا۔ ہندہ بنت عمرو نے وہ دعا ذکر کی کہ یہ چلتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے یہ کہہ کر چلے تھے اب اس گھر میں واپس نہ لا۔ آپ نے فرمایا اونٹ اسی وجہ سے تو چل نہیں رہا۔ قسم ہے اس ذات مقدسہ کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم میں سے بعض لوگ اس حیثیت کے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کو کسی بات کی قسم دے دیں تو خدا ان کی قسم کی لاج رکھ لیتا ہے۔ یہ عمرو بن الجموح بھی انہی میں سے ایک ہیں۔ میں انہیں جنت میں اسی لنگڑے پاؤں کے ساتھ چلتے ہوئے دیکھ رہا ہوں

دشمن کی پسپائی

مشرکین مکہ کا جھنڈا گرا ہوا تھا۔ ان نوجوانوں نے ان کے سرداروں کو تیروں اور تلواروں پر چڑھا لیا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق ' حضرت عمر فاروق ' زبیر ' حضرت علی ' حضرت طلحہ ' حضرت سعد بن معاذ ' حضرت سعد بن عبادہ ' حضرت سعد بن ابی وقاص ' حضرت سعد بن ربیع اور حضرت قتادہ بن النعمان رضی اللہ عنہم ایسے جم کر لڑے تھے کہ مشرکین مکہ کے پاؤں اکھیڑ دیئے تھے۔ پے در پے صدمات کے بعد مشرکین مکہ کا حوصلہ ٹوٹ گیا اور وہ بدر کا بدلہ تو نہ لیتے اپنی جانیں بچانے کی خاطر بھاگنے لگے۔

خالد بن ولید (رضی اللہ عنہ) جیسے جری آدمی نے تین مرتبہ یہ کوشش کی کہ جس درے پر رسول اللہ ﷺ نے پچاس تیر انداز مقرر کئے تھے اسے عبور کیا جائے مگر دربار نبوی کے تیر اندازوں نے اتنی شدید تیر اندازی کی کہ خالد کیلئے پیچھے ہٹ جانے کے علاوہ کوئی صورت کارگر ثابت نہ ہو سکی۔ [1]

---

[1] فتح الباری - ج - 7 ' ص 346

www.ahnafmedia.com

اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال تھی اور کھلے بندوں نظر آرہی تھی۔ دشمن پسپا ہورہا تھا۔ حتیٰ کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے خدا کی قسم میں نے دیکھا ہند بنت عتبہ اور پیش رو خواتین بھاگ رہی ہیں اپنے پائنچے اوپر کئے ہوئے ہیں پنڈلیاں نظر آرہی ہیں اور یہاں تک کہ پہاڑ کے اوپر چڑھ کر پناہ لینے لگیں[1]

صحیح بخاری میں یہی روایت حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے[2] مسلمان کافروں کا تعاقب کرتے ہوئے ان کے خیموں تک پہنچ گئے۔ اور میدان خالی ہوگیا۔

تیرانداز اور خالد کا حملہ

وہ پچاس تیرانداز جو جناب نبی کریم ﷺ نے درہ کی حفاظت کیلئے متعین فرمائے تھے انہوں نے میدان کو خالی دیکھا اور قریش اور ان کے حلیف کتنے ہی تھے جن کے لاشے میدان میں نظر آرہے تھے تو ان حضرات میں سے بعض کی رائے یہ ہوئی کہ نیچے اتر کر اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کرنا چاہئے اور مال غنیمت جمع کرنے میں ان سے تعاون ہونا چاہئے جبکہ کچھ کی رائے یہ تھی کہ ہمیں اس درے کو اس وقت تک نہیں چھوڑنا چاہئے جب تک کہ رسول اللہ ﷺ کا حکم مبارک صادر نہ ہو۔

ان کے امیر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے نیچے اترنے سے نہ صرف یہ کہ سختی سے انکار کر دیا بلکہ جانے والے حضرات کو نبی کریم ﷺ کا فرمان یاد دلاتے رہے۔ جو حضرات نیچے اتر جانے کے خواہش مند تھے ان کی دلیل یہ تھی کہ اب یہاں ٹھہرنے کی کیا ضرورت ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے اسی لئے یہاں متعین فرمایا تھا کہ کہیں دشمن عقب سے حملہ نہ کر دے۔ اب جب دشمن کے

---

[1] السیرۃ النبویہ لابن ہشام - ج- 2 ص76

[2] ج - 2 ص579

پاؤں اکھڑ گئے ہیں اور وہ میدان جنگ چھوڑ کر بھاگ رہے ہیں تو یہاں کیوں ٹھہرا جائے؟[1] یہ ان حضرات کا اجتہاد تھا۔

ایک گروہ نے رسول اللہ ﷺ کے ظاہری الفاظ کی پابندی کو ضروری قرار دیا جبکہ دوسرے حضرات نے اجتہادی اعتبار سے الفاظ سے ہٹ کر معانی تک رسائی کی جدوجہد فرمائی۔ دونوں درست تھے۔ فرق تھا تو یہ کہ اجتہادی اعتبار سے موخرالذکر گروہ سے خطا ہوئی۔ اختلاف دنیا میں کہاں نہیں ہوا کرتا۔ وہ اختلاف جس کی بنیاد دنیا پرستی، ضد و تعصب ہو بلاشک و شبہ مذموم ہے لیکن وہ اختلاف جس کی بنیاد ہی نیک نیتی پر مبنی ہو، وہ اختلاف کی صورت تو کہلاتی ہے لیکن وہ حقیقت نہیں جو اہل دنیا سمجھ بیٹھے ہیں۔ دو بھائی مسجد کے بنانے پر بھلا کیسے اختلاف کر سکتے ہیں۔ دونوں اس بات پر راضی ہیں کہ مسجد بنائی جائے۔ لیکن ایک کا خیال یہ ہے کہ مسجد کا دروازہ درمیان میں نصب کر دیا جائے اور ایک کا خیال ہے کہ درمیان کی بجائے داہنی یا بائیں طرف انتخاب کر لیا جائے۔ کیا یہ اختلاف وہ مذموم اختلاف ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے نفرت کا اظہار فرمایا ہے؟ اس اختلاف کو مذموم قرار دینا اور دونوں میں سے کسی ایک کو بھی برا بھلا کہنا بجز اس انسان کے اور کون کر سکتا ہے جسے یا تو اختلاف کی حقیقت ہی کا علم نہیں یا پھر ادارک حقیقت کے باوجود ضد اور تعصب کی پٹی آنکھوں پر باندھ رکھی ہے۔[2]

---

[1] صحیح بخاری - ص - 426

[2] حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور زمانہ تفسیر معارف القرآن جلد دوم صفحہ 210 تا صفحہ 213 اس مسئلے پر بہت قیمتی اور عمدہ باتیں کی ہیں جو قابل دید ہیں اور ایک نہایت عمدہ بات یہ بھی لکھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک مرتبہ کسی نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور بعض صحابہ کرام پر غزوہ احد کے اسی واقعہ کا ذکر کر کے طعن کیا کہ میدان چھوڑ کر بھاگ گئے تھے اس پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس چیز کی معافی کا اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمادیا اس پر طعن کرنے کا کسی کو کیا حق ہے۔ (صحیح بخاری) اس لئے اہل السنۃ والجماعت کے عقائد کی کتابیں سب اس پر متفق ہیں کہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعظیم اور ان پر طعن و اعتراض سے پرہیز واجب ہے، عقائد نسفیہ میں ہے۔

www.ahnafmedia.com

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس درے کو چھوڑ دیا اور چند ایک گنے چنے حضرات باقی رہ گئے۔ عقابی نگاہوں کے مالک خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابی جہل نے صورتحال سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔

وہ خالد جو اس سے قبل تین مرتبہ اس جگہ کو سر کرنے کی ناکام کوششیں کر چکے تھے اور مشرکین مکہ نے پورا دائیاں بازو (RIGHT WING) ان کے سپرد کر رکھا تھا سواروں کا دستہ لے کر پہنچے اور مسلمانوں کی پشت جو خالی ہو چکی تھی اس پر حملہ کر دیا۔ جو مجاہدین کی تعداد وہاں باقی رہ گئی تھی وہ اس ایک ہی ہلے میں شہادت کی منزلیں طے کر گئے۔ جب تک زندہ تھے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور حملہ آوروں کو ایک قدم آگے نہیں بڑھنے دیا لیکن اب یہ درہ ان جیالوں کے وجود سے محروم ہو گیا تھا۔ قریش کی ایک جری خاتون عمرہ بنت علقمہ آگے بڑھیں اور قریش کا گرا ہوا جھنڈا جس پر بنی عبدالدار کے کتنے ہی شیر اپنی بازی لگا چکے تھے، اٹھا لیا۔ شکست کی اس شدید تاریکی میں یہ امید کی ایک کرن تھی جو طلوع ہوئی۔ [1]

پلٹو

نبی کریم ﷺ کو اس عقبی صورتحال کا اندازہ ہو گیا اور آپ نے نہایت بلند آواز سے پکارا اللہ کے بندو پیچھے پلٹو۔ [2] اب حالت یہ تھی کہ صحابہ رضی اللہ عنہم جو کفار مکہ کا پیچھا کر رہے تھے تعاقب میں جا رہے تھے۔ نبی کریمؐ کے پاس بہت تھوڑے سے باقی رہ گئے تھے۔ پیچھے سے خالد نے نہ صرف حملہ کر دیا بلکہ خیموں کو بھی آگ لگا دی۔

ویکف عن ذکر اصحابه الا بخیر

"یعنی واجب ہے کہ صحابہ کا ذکر بغیر خیر کے اور بھلائی کے نہ کیا جائے۔"

[1] السیرۃ النبویہ لابن ہشام - ج 2، ص 75-
[2] طبری - ج 3، ص 23-

شیطان کی آواز

شیطان نے اس موقع پر مشرکین کو بھی آواز دی کہ پیچھے پلٹو۔ [1] نتیجہ یہ نکلا کہ مشرکین جو بھاگ رہے تھے وہ بھی پلٹے۔ دوسرے کنارے پر خالد بن ولید تھے۔ مسلمان جو مشرکین کے تعاقب میں تھے وہ بھی پلٹے اور نبی کریم ﷺ مشرکین کے نرغے میں اپنے صرف ان چند ایک صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہمراہ رہ گئے تھے جو آپ کی حفاظت کیلئے شروع ہی سے آپ کے ہمراہ تھے۔ مسلمان جب پلٹے تو خالد اور اس کی سپاہ پیچھے سے حملہ آور تھیں۔ تعداد میں ایک اور پانچ کا فرق تھا اور مسلمان اس غیر متوقع اور اچانک پیش آمدہ صورتحال سے سخت گھبرا گئے۔

دونوں اطراف سے مسلمان پر دباؤ پڑنا شروع ہو گیا۔ اور اسی وجہ سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جب اس قصہ کو بیان فرماتے تھے تو دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں پھنسا کر سمجھایا کرتے تھے کہ مسلمان اس طرح مشرکین کے چنگل میں پھنس گئے تھے۔ [2]

فوری فیصلہ اور بے مثال شجاعت

اب نبی کریم ﷺ کو اس تمام صورت حال میں فوری فیصلہ کرنا تھا کہ یا تو وہ اپنے محافظ 9 صحابہؓ کے ہمراہ تیزی سے کسی محفوظ مقام پر جا کر پناہ لے لیں اور مسلمانوں کو لڑنے کے لئے چھوڑ دیں اور یا پھر اپنی حیات طیبہ خطرے میں ڈال کر اپنی جگہ پر جم جائیں اور صحابہ کرامؓ کو ایک مضبوط مرکز فراہم کریں۔ آپ نے اپنی جگہ نہ چھوڑنے کا فیصلہ فرما لیا۔ [3] یہ طے کر لیا کہ اس تمام صورتحال کی الجھی ہوئی گتھی کو سلجھانا ہے۔ جس شجاعت اور بہادری کی داستانیں رقم ہوئی ہیں

---

[1] صحیح بخاری - ج 2، ص 581
[2] البدایہ والنہایہ - ج 2، ص 107 [3] صحیح مسلم - ج 2، ص 107-

www.ahnafmedia.com

رسول اللہ ﷺ کی احد کے دن کی شجاعت اور ثابت قدمی کے سامنے ہیچ ہیں۔

حضرت مقدادؓ فرماتے ہیں [1]

فوالذی بعثه بالحق ما زالت قدمه شبرا واحدا
وانه لقی وجه العدو ویحی الیه طائفة من اصحابه
مرة وتفترق مرة فربما رایته قائما یرمی عن قوسه
ویری بالحجر حتی انحاز واعنه.

اس اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا' آپ کا قدم مبارک بالشت برابر بھی اپنی جگہ سے نہیں سرکا۔ آپ دشمن کے مقابلے میں ڈٹے رہے یہاں تک کہ صحابہؓ کا ایک گروہ آتا تھا اور ایک گروہ جاتا مگر میں نے آپ کو دیکھا بہ نفس نفیس خود کھڑے ہیں تیراندازی فرما رہے ہیں' دشمن کو اٹھا کر پتھر مار رہے ہیں یہاں تک کہ مشرکین کا زور ٹوٹ گیا۔

حضرت علیؓ کا قول قاضی عیاض الشفاء میں نقل کرتے ہیں۔

وقال علی رضی اللہ عنہ انا کنا اذا احمی الباس ویروی
اشتد الباس واحمرت الحرب اتقینا برسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم فما یکون احد اقرب الی العدو منہ۔
وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جب جنگ شدت اختیار کرتی تھی تو ہم رسول اللہ ﷺ کے پیچھے پناہ لیا کرتے تھے اور ایسے موقعوں پر ان سے زیادہ دشمن سے کوئی قریب نہیں ہوتا تھا۔

نبی کریم ﷺ اور آپ کے گردوپیش کے محافظین صحابہؓ کا محاذ الگ ہو گیا اور باقی پورے لشکر کے صحابہؓ جو کفار کے نرغے میں آچکے تھے ان کا محاذ الگ ہو گیا

[1] زرقانی۔ ج2' ص34۔

رسول اللہ ﷺ نہایت بلند آواز میں بولے اور صحابہؓ کو بلایا میری طرف آؤ! میں اللہ کا رسول ہوں۔

نبی کریم ﷺ کی یہ آواز مسلمانوں کے ساتھ مشرکین نے بھی سن لی اور ان سب نے اپنا بوجھ اس پلڑے میں ڈال دیا۔ ہر ایک کی یہی کوشش اور تمنا تھی کہ کسی بھی طرح محمد ﷺ بن عبداللہ سے فیصلہ کن ہاتھ کئے جائیں۔ اس قدر شدید ہجوم تھا کہ زہریؒ کی روایت میں ہے کہ تقریباً ستر (70) مرتبہ آپ پر تلواروں سے حملہ کیا گیا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت فرمائی۔ [1]

جاں نثار

حضرت انسؓ فرماتے تھے کہ مشرکین نے جب رسول اللہ ﷺ کو ہر سمت سے گھیر لیا اور سب قریب پہنچ گئے تو آپ نے فرمایا کوئی ہے جو میرے لئے اپنی جان قربان کر دے؟ اور ان مشرکین کو مجھ سے دور کر دے۔ وہ جنت میں میرا دوست ہو گا۔ یہ سننا تھا کہ زیاد بن سکن اپنے ساتھیوں سمیت آگے بڑھے ایک انصاریؓ شہید ہوئے تو دوسرے نے ان کی جگہ لے لی ساتوں دوست مل کر رسول اللہ ﷺ کا دفاع کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ ایک ایک کر کے تمام نے اپنی جانیں اس ذات گرامی پر قربان کر دیں جس نے جنت میں رفاقت کا قول دیا تھا۔ [2]

یہ نصیب! اللہ اکبر

ان کے امیر حضرت زیاد بن سکن کی شہادت کا معاملہ تو سب سے عجیب ہوا اور وہ یہ کہ اپنے تمام ساتھیوں میں یہ پیش قدم رہے اور سخت چوٹیں آئیں شدید زخمی ہو گئے مگر جب زخموں سے چور ہو کر گر پڑے تو چند سانس باقی

[1] تصحیح خلوی۔ حاشیہ ج2' ص583۔
[2] صحیح مسلم۔ ج2' ص107۔

www.ahnafmedia.com

تھے نبی کریم ﷺ نے فرمایا انہیں میرے قریب لے آؤ جب قریب لائے گئے تو انہوں نے اپنا سر رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں رکھ دیا اور جان اس حالت میں اللہ کے حوالے کی کہ ان کا رخسار رسول اللہ ﷺ کے پاؤں کو چھو رہا تھا۔ [1]

مولانا شبلی نعمانیؒ نے سیرت النبی میں اس موقع پر ایسا عمدہ شعر تحریر کیا ہے کہ نہ صرف واقعہ کی تصویر نگاہوں میں پھر جاتی ہے بلکہ بیرا جڑ دیا ہے، شعر یہ ہے۔

بچہ ناز رفتہ باشد ز جہاں نیاز مندے
کہ بوقت جاں سپردن بسرش رسیدہ باشی

قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوری مرحوم اسی مقام پر اردو کا ایک شعر لکھتے ہیں جو معنویت کے مطابق اتنا حسب موقع ہے کہ اس سے بہتر شعری انتخاب مشکل ہے۔

سر بوقت ذبح اپنا اس کے زیر پائے ہے
یہ نصیب ! اللہ اکبر! لوٹنے کی جائے ہے

حضرت طلحہؓ

ان سات حضراتؓ کی شہادت کے بعد نبی کریم ﷺ کے ہمراہ حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ رہ گئے تھے حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے نبی کریم ﷺ کی حفاظت کے لئے اس دن کی تاریخ اپنے خون سے رقم فرمائی اور حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے جس شاندار کارکردگی اور شدید جاں نثاری کا مظاہرہ کیا دنیائے عالم اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔

حضرت طلحہ آگے بڑھے اور گیارہ آدمیوں کے مقابلے میں تنہا لڑے۔ تیروں کو انہوں نے اپنے بازو سے روک لیا۔ امام بخاریؒ نے قیس بن ابی حازم سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا میں نے طلحہ کا ہاتھ دیکھا جو کہ شل ہو

[1] السیرۃ النبویۃ لابن ہشام۔ ج2، ص81۔

چکا تھا اور اس کے ذریعے انہوں نے احد کے دن نبی کریم ﷺ کا دفاع کیا۔ [1]

مسلسل دشمن کے مقابلے میں دفاع کر رہے تھے کہ ان کے ہاتھ میں تلوار کی ایک ضرب لگی جس سے ان کی انگلیاں کٹ گئیں، زخموں سے چور بدن، ہاتھ شدید زخمی اس بات کا خوف کہ میرے آقا کو کوئی گزند نہ پہنچ جائے انگلیوں کے کٹنے پر ان کے منہ سے "سی" کی آواز نکل گئی نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ [2]

اگر طلحہ "سی" کرنے کی بجائے بسم اللہ کہہ دیتا تو اللہ کے فرشتے تجھے
لوگوں کی نگاہوں کے سامنے آسمان کی طرف اٹھا کر چل دیتے۔

اسی (80) سے زیادہ تیروں اور تلواروں کے زخم احد کے دن ان کے جسم پر لگے ترمذی کی روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں احد کے دن یہ فرمایا جو شخص کسی شہید کو روئے زمین پر چلتا ہوا دیکھنا چاہتا ہو تو وہ طلحہ بن عبید اللہ کو دیکھ لے۔ [3]

اس قدر شدت کا دن جو بعد ازاں ضرب المثل بن گیا حضرت طلحہ کے مراتب اور محاسن میں کس قدر اضافہ کا باعث بنا رسول اللہ ﷺ جو اس دن جنگ کا محور اور مرکز بن گئے تھے، ان کی حفاظت کا اصل کارنامہ تو انہوں نے ہی انجام دیا تھا۔ اسی بنا پر حضرت ابو بکرؓ جب بھی احد کا ذکر کرتے تھے تو فرماتے تھے۔ [4]

احد کا دن تو بس سارا دن طلحہ ہی کا تھا۔

حضرت عمرؓ انہیں صاحب احد کہا کرتے تھے اور نبی کریم ﷺ نے ان کی یہ غیر معمولی جاں نثاری دیکھ کر انہیں "خیر" کا لقب بھی عنایت فرمایا تھا۔

[1] صحیح بخاری۔ ج2، ص581۔ [2] فتح الباری۔ ج7، ص278۔
[3] سنن ترمذی کتاب مناقب [4] فتح الباری۔ ج7، ص361۔

www.ahnafmedia.com

حضرت سعد رضی اللہ عنہ

ان کے دوسرے رفیق وانیس حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ زبردست تیراندازی کررہے تھے تاکہ مشرکین کوذات اقدس ﷺ کے قریب نہ آنے دیں۔ ان کے فخروشرف کیلئے اس سے بڑی بات کیا ہوسکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ترکش کے سارے تیران کیلئے بکھیر دیئے اور فرمایا سعد انہیں چلا، میرے ماں باپ تجھ پرفدا ہوں [1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں نے سعد کے علاوہ اور کسی کیلئے یہ نہیں سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ماں باپ کو اس پر قربان کیا ہو۔ [2] زرقانی نے روایت کی ہے کہ آپ نے اُس دن ایک ہزار تیر چلائے

رسول اللہ ﷺ دشمنوں کے درمیان

حضرت طلحہ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہما اگرچہ مسلسل دفاع کررہے تھے لیکن مشرکین کا دباؤ اسی تناسب سے بڑھتا چلا جارہا تھا اور آخر وہ لمحات آگئے جو آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ کا سب سے زیادہ مشکل اور کٹھن وقت تھا۔ مشرکین مکہ تیراور تلوار کے ساتھ ساتھ اب سنگ باری پر اتر آئے تھے۔ چنانچہ عتبہ بن ابی وقاص نے آنحضرت ﷺ پر پتھر پھینکا جو چہرہ مبارک کے داہنی جانب لگا۔ رسول اللہ ﷺ پہلو کے بل زمین پر گر گئے اور آپؐ کا دایاں نچلا رباعی دانت ٹوٹ گیا۔ [3] نیچے کا ہونٹ بھی زخمی ہوگیا۔ حضرت سعد

---

[1] صحیح بخاری۔ ج 2، ص 850

[2] مراد یہ ہے کہ احد کے دن یہ شرف حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی کو نہیں نصیب ہوا۔ وگرنہ غزوہ بنی قریظہ میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کیلئے رسول اللہ ﷺ کا یہی الفاظ کہنا صحیح بخاری مناقب زبیر میں موجود ہے۔

[3] صحیح بخاری۔

رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص نے اپنے بھائی کی یہ حرکت دیکھی تو بہت چاہتے تھے کہ اسے قتل کردیں لیکن بعدازاں حاطب بن ابی بلتعہ نے عتبہ کا پیچھا کرکے اسے جہنم واصل کردیا تھا۔ [1]

عبداللہ بن شہاب زہری نے آگے بڑھ کر دوسرا پتھر کھینچ کر مارا جو پیشانی مبارک پر لگا اور زخمی ہوگئے۔ ایک اور بدبخت عبداللہ بن قمہ موقع پاکر بالکل قریب ہوگیا اور آپ کے کندھے پر تلوار کا پہلا وار کیا۔ یہ وار اتنا شدید تھا کہ چونکہ آپ نے دوہری زرہ پہن رکھی تھی اس وجہ سے تو محفوظ رہے مگر جھٹکے کی وجہ سے جو درد اور دکھن تھی وہ ایک ماہ سے زیادہ عرصہ تک آپ ﷺ برابر محسوس کرتے رہے۔ [2]

---

[1] یہ ایک ہی باپ کے تین بیٹے تھے 1۔ سعد بن ابی وقاص 2۔ عتبہ بن ابی وقاص 3 عمیر بن ابی وقاص۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ ﷺ سے اسی میدان میں کھڑے ہوکر عنایات ونوازشات کی سند لے رہے ہیں، انہیں "فداک ابی وامی" کے الفاظ سے نوازا جارہا ہے اور یہ دوسرا انہی کا بھائی عتبہ ہے جو دندان مبارک شہید کررہا ہے۔ احد میں اس نے یہ کام تو کردیا مگر سیرۃ حلبیۃ کی روایت میں ہے کہ اس واقعہ کے بعد اس کے ہاں جتنے پوتے پیدا ہوئے کسی کے بھی قدرتی طور پر دانت نہیں تھے۔ انہی کے تیسرے بھائی حضرت عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے جو بدر میں شہید ہوگئے تھے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ اپنے اس چھوٹے بھائی کا قصہ خود بیان فرماتے تھے کہ جب بدر کے میدان میں جہاد کیلئے لوگ جمع تھے تو میں نے اپنے بھائی عمیر کو دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کی نگاہوں سے چھپنے کی کوشش کررہا ہے اور ادھر ادھر چھپتا پھرتا ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ یہ کیا کررہے ہو؟ اس کی عمر اس وقت سولہ برس کی تھی۔ کہنے لگے مجھے ڈر لگتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ مجھے دیکھ کر میری عمر کم ہونے کی وجہ سے جہاد میں شرکت کی اجازت نہیں دیں گے۔ حالانکہ میں چاہتا ہوں اللہ تعالیٰ مجھے شہادت عطا فرمائے۔ اور واقعی جب رسول اللہ ﷺ نے لشکر کا معائنہ فرمایا تو ان کی کم عمری کی وجہ سے انہیں واپس جانے کا حکم ملا۔ عمیر یہ حکم سن کر رو پڑے اور ان کا ذوق وشوق جہاد دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے جہاد میں شرکت کی اجازت مرحمت فرمادی۔ بس پھر کیا تھا۔ جنگ میں شریک ہوئے اور بالآخر جس شہادت کی تمنا لیکر یہ نوجوان مجاہد آیا تھا اسے پاکر اپنے مالک حقیقی کے سامنے سرخرو ہوگیا۔

(الطبقات الکبریٰ ج 2 ص 106، اصابہ ج 3، ص 35)

[2] السیرۃ الحلبیہ۔ ج 2، ص 258

www.ahnafmedia.com

ابن قمہ نے دائیں جانب کی پسلیوں پر بھی تلوار ماری آہنی زرہ کی وجہ سے زخم سے تو حفاظت ہوگی مگر تلوار کی زد سے پسلیوں کو بچانے کیلئے طلحہ نے جو ہاتھ رکھا تھا اس کی انگلیاں کٹ گئیں۔ [1]

اس کے بعد اس نے ایک اور زوردار وار کیا جس سے رسول اللہ ﷺ کے چہرہ مبارک پر خود کی دو کڑیاں رخسار میں پیوست ہو گئیں اور اس نے کہا لے میرے وار کو سنبھال میں قمہ (توڑنے والے) کا بیٹا ہوں۔ [2]

رسول اللہ ﷺ وسلم نے چہرے سے خون پونچھا اور فرمایا اللہ تجھے توڑ ڈالے [3] اہل مکہ نے جنگ کے آغاز سے پہلے ہی جو گڑھے کھدوا رکھے تھے ان میں سے ایک گڑھا یہاں بھی تھا۔ رسول اللہ ﷺ جنگی مصلحت سے اپنی جگہ سے ہٹے تو اس گڑھے میں گر گئے جس سے دونوں گھٹنوں پر چوٹیں آئیں اور چھل گئے۔ [4]

نبی کریم ﷺ شدید زخمی ہو چکے تھے اور چہرہ مبارک سے بار بار خون پونچھتے جاتے تھے اور امام مسلم رحمتہ اللہ علیہ نے صحیح مسلم میں نقل کیا ہے کہ بار بار یہ دعا بھی فرماتے تھے۔ [5]

اللّٰھم اغفر لقومی فانھم لا یعلمون

اے اللہ میری قوم کو معاف فرما دیجئے یہ جانتے نہیں ہیں۔

قاضی عیاض نے شفاء میں جو الفاظ نقل کئے ہیں وہ یہ ہیں۔

اللّٰھم اھد قومی فانھم لا یعلمون

اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے دیجئے یہ جانتے نہیں ہیں۔

---

[1] طبقات ابن سعد۔ ج 3 'ص 29۔

[2] زرقانی۔ ج ص 78۔

[3] رسول اللہ ﷺ کی یہ بد دعا اسے لگی اور آپ کا کہا پورا ہو گیا یہ جب مکہ مکرمہ لوٹے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ایک پہاڑی بکرا اس پر مسلط فرما دیا جس نے ایک دن اپنے سینگ مار مار کر اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا (فتح الباری ج 7 'ص 81)

[4] طبقات ابن سعد۔ ج 3 'ص 29

[5] ۔ ایضاً ج 2 'ص 108۔

طلحہ نے جنت پکی کر لی

ضعف و نقاہت زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے زیادہ ہو گئی تھی آپ نے چاہا کہ گڑھے سے باہر تشریف لائیں مگر دو زرہوں کا بوجھ اور ضعف سبھی چیزیں حائل تھیں طلحہ جو "خیر" تھے کس قدر شدید زخم کھا چکے تھے' تمام تر زخموں کے باوجود اپنے آقا کی خدمت کو ہر دم تیار تھے۔ نیچے اترے اور بیٹھ گئے آپ کو نیچے سے اٹھایا اور اوپر چڑھا دیا۔ رسول اللہ ﷺ کی زبان نے دوبارہ گواہی دی [1]

طلحہ تو نے جنت پکی کر لی۔

اللہ کے بندو میری طرف

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ کے بندو میری طرف [2] یہ آواز سنتے ہی صحابہ رضی اللہ عنہم بغیر کسی توقف کے آپ کی طرف دوڑنے لگے اور مشرکین مکہ کے ہجوم اور نرغے کو توڑتے ہوئے آپ تک جا پہنچے۔

بے مثال ایثار و قربانی

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ اس گھیراؤ کے بعد سب سے پہلا انسان جو پلٹ کر رسالت مآب علیہ الصلوۃ والسلام کے پاس پہنچا وہ میں تھا۔ میں نے دیکھا ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی طرف سے جان توڑ مدافعت کر رہا ہے۔ میں نے کہا یہ تو طلحہ معلوم ہوتا ہے میرے ماں باپ اس پر قربان ہوں۔ پھر دیکھا تو وہ طلحہ ہی تھا میں نے کہا میرے ماں باپ تجھ پر فدا ہوں تو تو طلحہ ہی ہے۔ [3] اتنے میں حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ بھی آ گئے۔ ہم نے دیکھا کہ طلحہ تو آپ کی حفاظت کیلئے بالکل بچھا ہوا ہے

---

[1] ترمذی' ج 2 'مناقب طلحہ بن عبید اللہ۔

[2] تاریخ طبری۔ ج 3 'ص 23۔

[3] السیرۃ النبویہ۔ ج 2 'ص 78

www.ahnafmedia.com

رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک زخمی ہوچکا تھا۔

میں نے چاہا کہ خود کی جو دو کڑیاں رخسار مبارک میں پیوست ہیں انہیں نکالوں تو ابو عبیدہ نے مجھے قسم دی کہ مجھے اس خدمت کا موقع دیجئے اور نبی کریم ﷺ کے چہرے پر اپنا منہ رکھ کر دانتوں سے پکڑ کر آہستہ آہستہ اس کڑی کو باہر کھینچنا شروع کیا تاکہ آپ کو اس سے مزید تکلیف نہ پہنچے۔ اس کوشش میں جب کڑی باہر نکلی تو ابو عبیدہ کا ایک نچلا دانت بھی جڑ سے اکھڑ گیا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے دانت کی پروا کئے بغیر دوسری کڑی نکالنی چاہی تو میں نے انہیں کہا کہ مجھے یہ خدمت کر لینے دو۔ انہوں نے پھر اللہ کا واسطہ دے کر کہا کہ یہ خدمت انہی سے لی جائے۔ چنانچہ دوسری کڑی کو بھی آہستہ آہستہ انہوں نے نکالنا شروع کیا اور جب دوسری کڑی نکلی تو ان کا دوسرا نچلا دانت بھی اکھڑ گیا[1]

کیا دنیا میں اس سے زیادہ جاں نثاری کی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں؟ ابو عبیدہ کا ایک دانت جب اکھڑا ہوگا تو وہ کس قدر شدت کی تکلیف محسوس کرتے ہوں گے لیکن محبت اور عشق نبوی جوان کے دلوں میں سمایا ہوا تھا اس نے اس ساری کلفت کو دھو دیا اور انہوں نے اس کاوش میں اپنا دوسرا دانت بھی شہید کروا دیا۔

کیا اس بات سے انکار کیا جاسکتا ہے کہ وہ یہ تمام تر قربانی اس دین کیلئے کر رہے تھے جسے اللہ نے اپنے نبی ﷺ پر نازل فرمایا تھا؟ اس دین کیلئے آج مسلمانوں میں اتنی قربانی تو کجا اس کے عشر عشیر کی بھی ہمت باقی نہیں ہے۔ کیا ہماری دین کے ساتھ وابستگی کے یہی تقاضے ہیں جن کے تحت ہم زندگی بسر کر رہے ہیں۔

جہنم کی آگ حرام ہوگئی!

نبی کریم ﷺ کے چہرے سے خون بہنے لگا اور مسلسل بہہ رہا تھا کہ حضرت

[1] البدایۃ والنہایۃ۔ ج۔ 3 ص 29

مالک بن سنان آگے بڑھے جہاں سے خون بہہ رہا تھا وہاں پر منہ رکھ دیا جب منہ خون سے بھر گیا تو وہ اللہ کے نبی کے خون کو بھلا کیسے زمین پر پھینک سکتے تھے' انہوں نے اسے نگل لیا۔ اس والہانہ ایثار اور محبت کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ ان سے مخاطب ہوئے اور فرمایا۔[1]

میرا خون جس کے خون میں مل جائے اس خون پر جہنم کی آگ حرام ہے۔

اور پھر یہ اس مدافعت کا فرض ادا کرتے رہے یہاں تک کہ شہید ہوگئے۔

اسی اثناء میں حضرت ابو دجانہؓ' حضرت علیؓ' حضرت قتادہ بن نعمانؓ' سہل بن حنیفؓ' مصعب بن عمیرؓ' عمر بن الخطاب رضؓ' حاطب بن ابی بلتعہ اور حضرت ابو طلحہ رضؓ بھی پہنچ گئے۔

جنگ کا نیا انداز۔

جنگ نے ایک مرتبہ پھر شدت اختیار کر لی تھی۔ کفار مکہ نے پھر چڑھائی کی اور رسول اللہ پر دوبارہ حملہ کیا۔ مگر اس مرتبہ کی صورتحال قدرے مختلف تھی کیونکہ آپ کے جاں نثاروں کی ایک پوری جماعت پہنچ چکی تھی' مشرکین کی تعداد میں لحہ بہ لحہ اضافہ ہی ہوتا چلا گیا اور انہوں نے مسلسل تیراندازی شروع کر دی۔ اسی موقع کا بیان بخاری شریف کی اس روایت میں ہے کہ ایک مہاجر صحابی رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ چاروں طرف سے تیر رسول اللہ ﷺ پر برس رہے تھے اور آپ کے اردگرد کھڑے ہوئے صحابہؓ ان تیروں کو پھیر دیتے تھے' روک لیتے تھے۔

ادھر سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ تیروں کی بوچھاڑ کر رہے تھے حتی کہ نبی کریم ﷺ خود بنفس نفیس انہیں تیر اٹھا کر دے رہے تھے[2]

[1] سیرۃ النبویۃ لابن ہشام۔ ج۔ 2' ص۔ 77

[2] صحیح بخاری۔ ج۔ 2' ص۔ 850

www.ahnafmedia.com

حضرت ابو طلحہ کی تیراندازی۔

حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ بھی پہنچ چکے تھے اور یہ بھی بہت زبردست تیرانداز تھے حتیٰ کہ عام کمانیں ان کے ہاتھ میں چل ہی نہیں سکتی تھیں۔

جب یہ اس کی تانت کھینچتے تھے تو ٹوٹ جاتی تھی۔ مضبوط کمان رکھنا اور تیراندازی کرنا ان کا شیوہ تھا۔ انہوں نے تیر چلانے شروع کئے اور اس قدر تیراندازی کی کہ احد کے دن میں تین مضبوط کمانیں آپ کے ہاتھ میں ٹوٹ گئیں۔ رسول اللہ ﷺ خود سر اٹھا کر دیکھنا چاہتے تھے کہ ان کے تیر کہاں لگ رہے ہیں جب بھی آپ گردن اٹھاتے تو ابو طلحہ کہتے [1]

بابی و امی لا تشرف یصبک سهم من سهام
القوم نحری دون نحرک

میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں سر نہ اٹھایئے ایسے نہ ہو کہ کوئی تیر
آپ کو لگ جائے میرا سینہ حو آپ کے دفاع کے لئے حاضر ہے۔

تیر ختم ہونے لگے تو جو بھی وہاں سے گزرا نبی کریم ﷺ نے اس سے فرمایا اپنا ترکش یہاں ڈال دو اپنے تیر ابو طلحہ کیلئے بکھیر دو اور یہاں تک کہ آپ نے اپنا ترکش بھی ابو طلحہ کیلئے الٹ دیا [2]

ایک طرف تو ابو طلحہ اس قدر شدت سے تیر چلا رہے تھے اور دوسری طرف انہوں نے اپنی ڈھال کو اس طرح رکھ لیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے چہرہ اطہر کی مکمل حفاظت ہوتی رہے۔

ع محبت تجھ کو خود آداب محبت سکھا دے گی

---

[1] صحیح بخاری۔ ج - 2، ص - 581۔
[2] ایضا

حضرت ابو دجانہ جو رسول اللہ ﷺ کی تلوار کا حق ادا کر رہے تھے حاضر تھے۔ انہوں نے اپنی کمر اور پشت کو رسول اللہ ﷺ کیلئے ڈھال بنا دیا اور آپ کے پیچھے جا کر کھڑے ہو گئے نتیجہ یہ کہ مشرکین مکہ جو تیر بھی اس طرف سے چلاتے ابو دجانہ کی کمر اور پشت پر آ کر لگتے۔ لیکن تمام تر کرب کے باوجود ابو دجانہ اپنی جگہ سے بالکل نہیں ہٹے مبادا کوئی تیر رسالت مآب علیہ السلام کو چھو جائے [1]

موت پر بیعت۔

سہل بن حنیف جن کے لڑنے کی تعریف بعد ازاں خود نبی کریم ﷺ نے کی، جو اس قدر خوبصورت جسم کے مالک تھے کہ ایک مرتبہ کسی انصاری نے انہیں دیکھ کر یہ کہہ دیا میں نے تو ایسا خوبصورت نوجوان کبھی نہیں دیکھا، حضرت سہل رضی اللہ عنہ کو نظر لگ گئی، بخار شروع ہوا اور غشی طاری ہونے لگی۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا انہیں کیا ہو گیا لوگوں نے مکمل بات عرض کی تو فرمایا لوگ اپنے بھائی کا جسم یا مال دیکھتے ہیں اور برکت کی دعا نہیں کرتے اس لئے نظر لگ جایا کرتی ہے۔ یہ سہل بن حنیف احد کے دن آگے بڑھے اور رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یہ بیعت آپ کو معلوم ہے کس چیز کی تھی؟ موت پر، شہادت پر بیعت کی اور اس قدر بے جگری سے تیر چلائے کہ انہیں بھی تیر رسول اللہ ﷺ کو دینے پڑے۔

عبدالرحمان بن عوف لڑتے لڑتے گر پڑے اور منہ پر چوٹ لگ گئی۔ سامنے کا دانت ٹوٹ گیا، کچھ زخم پاؤں میں لگے اور وہ اس قدر شدید نوعیت کے تھے کہ عمر بھر کیلئے اللہ کے راستے میں لنگڑا کر چلنے کا نشان چھوڑ گئے۔

حسن و جمال میں اضافہ۔

نبی کریم ﷺ نے خود بھی کمان سنبھال رکھی تھی اور تیر چلانا شروع کئے،

---

[1] زرقانی۔ ج - 2، ص - 43

www.ahnafmedia.com

اتنے تیر چلائے کہ کمان کا کنارہ ٹوٹ گیا اور وہ آپ نے پاس کھڑے ہوئے حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کو دے دی [1] ' قتادہ بن نعمان نے اپنے آپ کو اس طرف کھڑا کر رکھا تھا جہاں سے دشمن کے تیر زیادہ تعداد میں آرہے تھے اور نبی کریم ﷺ کے چہرہ مبارک کو نقصان پہنچ سکتا تھا۔ دشمنوں کا زور جب کم ہو رہا تھا تو ایک تیر حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی آنکھ پر آکر لگا اور اتنا شدید کہ آنکھ کا ڈھیلا باہر نکل آیا۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے اپنی آنکھ پر ہاتھ رکھا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا قتادہ اگر تو چاہے تو میں تیرے لئے جنت کی دعا کر دوں اور تو صبر کرے اور اگر تو چاہے تو تیری آنکھ اس کی جگہ پر رکھ کر تیرے لئے دعا کر دوں۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کو یہ یقین تو تھا ہی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے ساتھ رہنے والوں ' ایمان کے تقاضوں کو پورا کرنے والوں اور اپنی زندگیاں اللہ کی راہ میں لگا دینے والوں کیلئے اصولی اعتبار سے مغفرت کا فیصلہ فرما لیا ہے اس لئے انہوں نے دوسری شق کو ترجیح دی اور کہنے لگے اللہ کے رسول میری ایک بیوی ہے جس سے مجھے محبت ہے ' ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ ایک آنکھ کے ضیاع کی وجہ سے مجھ سے نفرت نہ کرنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے آنکھ اصل جگہ پر رکھ دی اور دعا فرمائی کہ [2]

اللہ قتادہ کو حسن و جمال نصیب فرما۔

رسول اللہ ﷺ سے ایک اور معجزہ ظہور پذیر ہوا اور آنکھ ایسے ہو گئی گویا کہ اسے کچھ ہوا ہی نہ تھا

جھنڈے کی حفاظت۔

بنی عبدالدار ہی کے ایک فرزند ارجمند کو نبی کریم ﷺ نے مہاجرین کا

[1] الاصابہ۔ ج-3 ' ص-225 [2] زرقانی۔ ج-2 ' ص-42۔

جھنڈا عنایت فرمایا تھا جس کا تذکرہ قبل کے صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ یہ وہ نوجوان تھا جس نے سب سے پہلے مدینہ طیبہ میں جمعہ قائم کیا تھا حتیٰ کہ یہ ایک ایسے فریضے کی ابتداء تھی جس کا آغاز رسول اللہ ﷺ بھی مکہ مکرمہ میں رہ کر نہ کر سکے تھے۔ اہل مدینہ کیلئے نبی کریم ﷺ کا نقیب مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ آج احد کے دن مسلمانوں کے جھنڈے کا امین تھا۔ مشرکین مکہ کا ایک گروہ اس بات پر سر دھڑ کی بازی لگا کر لڑ رہا تھا کہ کسی طرح یہ جھنڈا سرنگوں ہو جائے۔ مصعب بن عمیر دو کام کر رہے تھے ' ایک تو جھنڈے کا دفاع اور دوسرے کافروں کو رسول اللہ ﷺ سے دور رکھنا۔ عبداللہ بن قمہ نے پے در پے حملے کرنے شروع کئے اور مصعب بن عمیر نے دفاعی رخ اختیار کر لیا۔ مگر تمام تر دفاع کے باوجود ان کا دایاں ہاتھ جس میں جھنڈا تھا کٹ گیا۔ فوری طور پر انہوں نے جھنڈے کو بائیں ہاتھ میں تھام لیا۔

کفار مکہ نے ایک وار بائیں ہاتھ پر کر کے اسے بھی جسم سے الگ کر دیا۔ مصعب دونوں ہاتھ کٹوا کر زمین پر بیٹھ گئے یہ طے کر لیا کہ جیتے جی مسلمانوں کا پرچم سرنگوں نہیں ہونے دیں گے۔ دونوں گھٹنوں کے درمیان جھنڈا تھام کے اسے اوپر سے سینے اور گردن کا سہارا دے کر کھڑا کئے رکھا یہاں تک کہ ابن قمہ نے آگے بڑھ کر مصعب بن عمیر کی گردن سر سے ڈھلکا دی۔ [1] مصعب نے اپنا ایک ایک انگ اللہ کیلئے قربان کر دیا اور وہ یہ کہنے کے حق دار تھے کہ

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم سو اس عہد کو اب وفا کر چلے

جھنڈے کی حفاظت اور مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کیلئے انہوں نے ایسی

[1] طبقات ابن سعد۔ ج ' 3 ' ص ' 29

www.ahnafmedia.com

قربانی پیش کر دی کہ اقوام عالم اسکی نظیر لانے سے عاجز ہیں۔ ہم میں یہ احساس کب بیدار ہو گا کہ ہم بھی ایک ہلالی سبز پرچم کے امین ہیں ہمیں اسے سربلند رکھنا اور دیکھنا ہے اس کیلئے قربانی سے گریز نہیں کرنا اور کافروں کے سر کاٹنے سے ان پر کاری ضرب لگانے سے دریغ نہیں کرنا۔

غلط افواہ

حضرت مصعب بن عمیر رسول اللہ ﷺ کے ہم شکل تھے اس لئے عبداللہ بن قمہ نے خیال کیا کہ اس نے نبی کریم ﷺ کو شہید کر دیا ہے وہ فوراً واپس پلٹا اور چلا چلا کر اعلان کرنے لگا۔ محمد ﷺ شہید کر دیئے گئے۔ [1] اس کے اس اعلان سے مسلمانوں میں **سراسیمگی** پھیل گئی۔ بڑے بڑے شہ سواروں کے حوصلے ٹوٹ گئے ہمتیں سرد پڑ گئیں اور جو جم کر لڑ رہے تھے ان میں سے کئی ایک ہتھیار پھینک کر گومگو کی کیفیت میں کھڑے ہو گئے کہ یہ کیا سانحہ بیت گیا۔ لیکن اس نازک موقع پر بھی کچھ حضرات نے مکمل طور پر ہوش و حواس سے کام لیا حضرت ثابت بن دحداح انصاریؓ اپنے انصاری دوستوں کے پاس آئے اور کہنے لگے۔

دیکھو اگر رسول اللہ ﷺ شہید کر دیئے گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ تو ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے اس پر تو موت نہیں آئے گی۔ اس کے دین کی حمایت میں آگے بڑھ کر جانیں قربان کر دینی چاہئیں اور پھر اس پوری جماعت کو ساتھ لے کر چلے خالد بن ولید، عکرمہ بن ابی جہل، عمرو بن العاص وغیرہ کے جتھے پر حملہ کر دیا۔ تلواروں اور نیزوں کا ایک نیا خونیں باب تاریخ میں رقم کیا اور ایک ایک کر کے شہید ہو گئے۔ خالد بن ولید نے ثابت بن دحداحؓ کو شہادت کی دولت سے مالا مال کیا۔ [2]

[1] ایضاً [2] السیرۃ الحلبیہ - ج 2، ص 251

اللہ کا دین ہم تک پہنچا چکے

ایک مہاجر صحابی نے ایک انصاریؓ کو دیکھا کہ خون میں لت پت تھے اور شہادت کے چند سانس باقی تھے۔ انہیں اطلاع دی کہ رسول اللہ ﷺ شہید کر دیئے گئے ہیں انہوں نے بہت عمدہ جواب دیا۔ بولے وہ اللہ کا دین ہم تک پہنچا چکے تھے اب تو یہ تمہارا کام ہے کہ اس دین کی حفاظت کیلئے اپنی جان کی قربانی دو [1]

جنت کی خوشبو آتی ہے

حضرت انس بن مالکؓ کے چچا انس بن نضر رضی اللہ عنہ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے جس کا انہیں بہت دکھ تھا اور وہ بڑے جوش و جذبے سے یہ کہا کرتے تھے کہ آئندہ کوئی جہاد کا موقع آنے دو تو میں بھی اللہ تعالیٰ کو دکھا دونگا کس طرح قربان ہوا کرتے ہیں۔ اور آج احد میں وہ موقع آ ہی گیا تھا۔ جنگ میں وہ شروع ہی سے شریک تھے اس افواہ کے بعد انہوں نے چند حضرات کو کھڑے دیکھا، پوچھا کیا بات ہے جواب ملا رسول اللہ ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے انس بن نضر فوراً بولے تعجب ہے کہ آپ کے بعد جی کر کیا کریں گے؟ جس مقصد کیلئے رسول اللہ ﷺ شہید ہو گئے اس مقصد پر تم شہید ہو جاؤ، اپنی تلوار لئے یہ مجاہد قول کا سچا، بات کا پکا آگے بڑھ گیا کہنے لگے۔ اے اللہ جو کچھ مسلمان کر رہے ہیں میں ان کے کئے کی تیرے حضور معافی مانگتا ہوں اور اے اللہ جو کچھ ان مشرکین نے کیا ہے میں اس سے برأت کا اظہار کرتا ہوں۔ سامنے سے حضرت سعد بن معاذؓ آ رہے تھے ان سے ملاقات ہو گئی انہوں نے پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ حواس پر کس چیز کی کیفیت وا ہو گئی تھی ان کے جواب سے اندازہ کیجئے، کہنے لگے

[1] زرقانی - ج 2، ص 34

www.ahnafmedia.com

اے سعد یہ ہے جنت نضر کے پروردگار کی قسم جنت کی خوشبو احد پہاڑ کے نیچے سے آرہی ہے۔[1]

پھر دشمن کے ساتھ ٹکرا گئے اور جس جگہ کی خوشبو انہیں محسوس ہو رہی تھی اس جگہ کو پالیا۔ حضرت انسؓ نے اپنے چچا' اس شہید باوفا کی لاش کو جہاد کے خاتمے پر دیکھا تو پہچانی نہیں جارہی تھی۔ اسّی سے زیادہ تیر' تلوار اور نیزہ کے زخم تھے۔ انکی ہمشیرہ نے انگلی یا ایک تل کا نشان دیکھ کر پہچانا کہ یہ ان کا بھائی انس بن نضر ہے۔[2] حضرت مصعب بن عمیرؓ کی شہادت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے میدان جنگ کا علم بردار حضرت علیؓ کو بنادیا تھا۔ وہ اپنی جگہ پر جم کر لڑتے بھی رہے اور جھنڈے کو بھی مکمل تحفظ فراہم کیا۔[3] رسول اللہ ﷺ صحابہ کرامؓ کے اس گروہ کی طرف چلنے لگے جو الگ سے مشرکین کے نرغے میں گھرے ہوئے تھے اور شہادت کی خبر پر یقین کر بیٹھے تھے۔ آپ نے مشرکین کی صفوں کو چیرا اور مسلمانوں کے دوسرے جتھے میں پہنچ گئے۔

ایک بشارت

سب سے پہلے جس خوش نصیب کی نظر آپ پر پڑی وہ حضرت کعب بن مالکؓ تھے وہ جو وفات کا یقین کر بیٹھے تھے۔ اپنے مطلوب و مقصود کو دیکھ کر مارے خوشی کے دیوانہ وار لپکے اور چیخے مسلمانوں مبارک ہو' خوش ہو جاؤ۔ یہ ہیں رسول

(1) علامہ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ بسا اوقات اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو موت سے پہلے ہی جنت کی خوشبو سونگھا دیتے ہیں اور وہ اسے محسوس کرنے لگتے ہیں۔ ان کے ساتھ بھی ایسے ہی ہو گیا ہو تو کیا تعجب کی بات ہے (حادی الارواح۔ ج' 1' ص' 250) اس آخری دور میں ہمارے بزرگوں میں سے حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کا یہ حال ہو گیا تھا کہ کبھی کبھی کوئی چیز دیکھ کر فرمایا کرتے تھے کہ جنت کی خوشبو آ رہی ہے' جنت کا مزہ آرہا ہے۔

[2] صحیح بخاری۔ ج' 2' ص' 579

[3] فتح الباری۔ ج' 7' ص' 677

اللہ ﷺ[1] نبی کریم ﷺ نے اشارے سے خاموش رہنے کا حکم صادر فرمایا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مشرکین مکہ اس جگہ کو مرکز جنگ بنالیں۔ صحابہؓ میں سے جو جو جہاں جہاں تھا دیوانہ وار لپک پڑا اور جب ان حضرات کی ایک بڑی تعداد جمع ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ نے پہاڑ پر اپنے مسکن کی طرف ہٹنا شروع کیا۔

یہی وہ وقفہ تھا جس میں پچاس کے قریب صحابہؓ شہید ہو گئے تھے۔ مشرکین مکہ میں سے چونکہ بعض اس خوش فہمی میں تھے کہ انہوں نے سب سے بڑے دشمن (رسول اللہ ﷺ) کو ختم کر دیا ہے اس لئے وہ سمجھے کہ اب لڑنے میں زیادہ فائدہ نہیں۔ ہم نے جو مقصد تھا وہ حاصل کر لیا ہے۔

اس غلط افواہ کا مسلمانوں کو یہی فائدہ ہوا کہ مشرکین مکہ کے حملوں کی شدت ٹوٹ گئی اب انہوں نے لاشوں کا مثلہ کرنا شروع کیا اور مسلمان شہداء کے ناک کان وغیرہ کاٹنے لگے۔

شہید وفا نشانہ ظلم و ستم

اس ستم کا سب سے زیادہ نشانہ حضرت حمزہؓ کی میت بنی۔ ابوسفیان کی بیوی "ہند" جس کے باپ' بھائی اور چچا کو مسلمان بدر میں ٹھکانے لگا چکے تھے ان کا انتقام لینا ابھی باقی تھا لاش پر پہنچی' پیٹ چاک کیا اور کلیجہ نکالا چبایا اور نگلنا چاہتی تھی مگر جب گلے سے نہ اترا تو چبا کر تھوک دیا۔ ابھی تو سر باقی تھا اور دیگر شہداء باقی تھے ان کے ناک کان کاٹے' ان سے پھولوں کا ہار اور پازیب بنائی اور گلے میں اور پاؤں میں پہنی۔ اس قدر خوشی تھی اپنے باپ کا انتقام حضرت حمزہؓ سے لینے کی[2] کہ ہند نے اپنا زیور اتار کر وحشی کو حضرت حمزہؓ کے شہید کرنے پر بطور انعام دے دیا[3]

[1] السیرۃ النبویۃ لابن ھشام ج 3' ص 79

[2] اس لئے کہ "ہند" کے باپ عتبہ کو بدر میں حضرت حمزہؓ نے ہی قتل کیا تھا۔

[3] زرقانی۔ ج۔ 2' ص۔ 44۔

www.ahnafmedia.com

ابو سفیان پہنچا تو اس نے حضرت حمزہ شہیدؓ کے منہ پر جب کہ ناک اور کان کاٹے جا چکے تھے نیزہ کی بھال زور سے ماری اور کہا۔

اے نامراد مزا چکھ

قبیلے بنو حارث کے ایک سردار حلیس بن زمان یہ بہیمانہ حرکت دیکھ رہے تھے ملامت کی اور کہنے لگے حمزہؓ تمہارے ہی خاندان کا ایک عظیم فرد تھا۔ اس کی لاش کو کس طرح ذلیل کر رہے ہو۔

اس جملے سے ندامت دامن گیر ہوئی۔ غلطی کا اعتراف کیا لیکن بنو حارث کے رئیس سے یہ بھی کہا کہ اس واقعہ کا کسی سے تذکرہ نہ کیجئے گا۔[1]

حضرت حمزہؓ کے بھانجے عبداللہ بن جحش پر یہ کرم فرمایا گیا کہ ان کا پیٹ چاک نہیں کیا گیا، صرف ناک کاٹ لی گئی۔[2]

مقام ناز

نبی کریم ﷺ جب پہاڑ کے اندر اپنے مسکن میں پہنچ گئے تو دیکھا کہ خالد بن ولید اور ابو سفیان ایک فوجی دستے کے ہمراہ مسلمانوں سے اوپر جانے کی فکر میں ہیں اور حملہ آور ہونا چاہتے ہیں۔ صورت حال پھر سنگین ہوا چاہتی تھی کہ زبان مبارک پر پھر وہی جملے آ گئے جو بدر میں مقام ناز کی تمکنت سے ادا ہوئے تھے۔

اے اللہ اگر آپ کی مشیت یہی ہے (کہ ہمیں شکست ہو جائے) تو
زمین سے تیری عبادت ختم ہو جائے گی۔

پھر دعا فرمائی کہ اے اللہ یہ ہم سے اوپر نہ جانے پائیں۔

حضرت عمرؓ بھی اس صورت حال کو دیکھ رہے تھے یہ جس طرف چڑھنا چاہ رہے تھے وہاں پہنچ گئے، تیر اندازی اور سنگ باری شروع ہو گئی اور کچھ ہی دیر بعد خالد

[1] السیرۃ النبویہ۔ ج۔ 2، ص۔ 85
[2] البدایہ والنہایہ۔ ج۔ 4، ص۔ 43 [3] مسند احمد بحوالہ البدایۃ والنہایۃ ج 3، ص 28

اور ابو سفیان اپنے ساتھیوں سمیت پسپائی پر مجبور ہو گئے۔[1]

دلچسپ مکالمہ

یہاں سے اتر کر پہاڑ کی دوسری طرف جا کر کھڑے ہو گئے اور اب جملوں کا تبادلہ شروع ہوا۔[2]

ابو سفیان نے پوچھا کیا محمد ﷺ زندہ ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے منع فرما دیا کہ انہیں کوئی جواب دیا جائے۔ پھر دوسرا سوال یہ پوچھا کیا ابو بکرؓ زندہ ہیں؟ یہاں سے جواب دینے کی ممانعت تھی۔ پھر یہ پوچھا کیا عمر ہیں؟ اور ان تینوں سوالات کو تین تین مرتبہ دھرایا پھر جواب نہ ملنے پر کہنے لگا۔

یہ تو سارے قتل ہو گئے۔ اگر زندہ ہوتے تو ضرور جواب دیتے۔

حضرت عمرؓ سے اب ضبط نہ ہو سکا اور چلا کر کہنے لگے۔

او اللہ کے دشمن تم جھوٹ بول رہے ہو اللہ کی قسم ابھی اللہ تعالیٰ نے
تیرے دکھ اور غم کا سامان بہت کچھ باقی رہنے دیا ہے۔

اس مکالمے سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار مکہ بھی رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت ابو بکر اور ان کے بعد حضرت عمرؓ کو ہی مسلمانوں میں بڑی قد و قامت اور بلند و بالا شخصیات شمار کرتے تھے۔

پھر اس نے نعرہ لگایا۔

اعلیٰ ھبل اعلیٰ ھبل

ھبل کی جے۔ ھبل (بت) اونچا رہ (تیری جے ہو)

نبی کریم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اس کا جواب دو

اللہ اعلیٰ و اجل

اللہ تعالیٰ سب سے اعلیٰ اور اجل ہے۔

پھر ابو سفیان نے کہا

[1] السیرۃ النبویۃ لابن ھشام ج 2، ص 80
[2] صحیح بخاری، کتاب الجہاد، کتاب المغازی ج 2

www.sirat-e-mustaqeem.net

لنا عزی ولا عزی لکم۔

ہمیں عزی (دیوی) کی حمایت حاصل ہے جب کہ تم اس سے محروم ہو۔

نبی کریم ﷺ نے جواب دلوایا

اللہ مولانا ولا مولی لکم

اللہ تعالیٰ ہمارا مددگار ہے جب کہ تمہارا مدد کو کوئی نہیں۔

ابو سفیان نے کہا

یوم بیوم بدر والحرب سجال

آج کا دن بدر کے دن کے جواب میں برابر ہو گیا اور جنگ تو کنوئیں کا ڈول ہوا کرتی ہے کبھی ایک کا ڈول اور کبھی دوسرے کا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً جواب دیا

لا سوا نا قتلانا فی الجنۃ وقتلکم فی النار

بدر کے مقابلے میں آج کا دن برابر نہیں ہے، ہمارے شہید جنت میں ہیں اور تمہارے مقتول جہنم میں۔

اس کے بعد ابو سفیان نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس آنے کی دعوت دی۔ [1]

رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے۔ جب قریب ہوئے تو ابو سفیان نے کہا عمر تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا ہم نے محمد ﷺ کو قتل نہیں کر دیا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا خدا کی قسم ابو سفیان ایسے نہیں ہوا بلکہ میری اور تمہاری گفتگو وہ ابھی بھی سن رہے ہیں۔

اس پر ابو سفیان مایوس ہو گیا جس خوش فہمی میں وہ مبتلا تھے وہ ختم ہو گئی اور امیدوں پر اوس پڑ گئی۔ عبداللہ بن قمہ جس کا دعویٰ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کے بعد یہ تھا کہ اس نے محمد ﷺ کو شہید کر دیا

[1] السیرۃ النبویۃ لابن ہشام - ج 2، ص 89۔

ہے اس کی بات غلط ثابت ہو گئی اور کہنے لگا عمر تو میرے نزدیک عبداللہ بن قمۃ سے زیادہ سچے اور نیک انسان ہو۔ پھر اونچی آواز سے کہنے لگا تم لوگ دیکھو گے کہ تمہاری کچھ لاشوں کا مثلہ ہوا ہے۔ ان کے ناک کان کاٹ دیئے گئے ہیں اللہ کی قسم میں نے نہ ہی انہیں حکم دیا کہ یوں کریں اور نہ ہی ان سے ناراض ہوں کہ ایسے کیوں کیا۔ [1]

پھر چلنے کا وقت آ گیا اور للکار کر کہا

آئندہ سال بدر میں پھر لڑنے کا وعدہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے کسی جھجک کا اظہار نہیں فرمایا اور ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے فرمایا اس سے کہو۔ [2]

بالکل ٹھیک ہے اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ہمارے اور تمہارے درمیان یہ وعدہ ہے۔

مشرکین کی پسپائی اور مبارک تیر

مغازی اموی کے حوالے سے ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی زبانی مشرکین کا پہاڑ پر چڑھنا اور پھر پسپا ہونا نقل کیا ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جب مشرکین کا ایک جتھہ پہاڑ پر چڑھ آیا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا ان کی ہمتوں کو توڑ دے۔ یعنی انہیں یہاں سے اترنے پر مجبور کرو۔ میں نے عرض کیا میں تنہا ہوں ان کے حوصلے کیسے پست کروں آپ نے میری بات سنی اور تین مرتبہ اپنی بات کو دہرایا ——— سو میں نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور نشانہ لیکر ایک کافر کو مارا اور وہ موقع پر ہی گر کر مر گیا۔ مشرکین اس لاش کو چھوڑ کر کچھ پیچھے ہٹے تو میں نے اس مشرک کی لاش سے وہ تیر کھینچ کر نکال لیا اور چلے پر چڑھا کر دوسری مرتبہ یہ تیر ایک اور

[1] صحیح بخاری - ج - 2، ص - 579

[2] تاریخ طبری - ج - 3، ص - 24

www.ahnafmedia.com

مشرک کو مارا وہ بھی ایک ہی تیر سے مارا گیا۔ میں اپنے تیر کو پہچانتا تھا۔ میں نے اس دوسرے مشرک کی لاش سے اپنا تیر نکالا اور تیسرے کافر کو مارا جب وہ تیسرا بھی مارا گیا تو پھر مشرکین نے پہاڑ کو چھوڑ دیا اور نیچے اتر گئے۔

میں نے کہا یہ تیر تو بہت مبارک ہے سو اسے میں نے اپنے ترکش میں رکھ لیا۔

اس تیر کے مبارک ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے تین دشمنوں کو پے در پے ہلاک کیا گیا ہو۔ پھر یہ تیر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے تمام عمر اپنے پاس رکھا بعد ازاں ان کے انتقال کے بعد ان کی اولاد میں منتقل ہو گیا۔ [1]

اس کے بعد مشرکین کے حوصلے ٹوٹ گئے اور وہ واپس اپنے خیموں کی طرف چل پڑے تاکہ مکہ مکرمہ کی واپسی کے لئے تیاری کریں۔

جوان حوصلے

مسلمانوں کا حوصلہ اتنی قربانیوں کے باوجود بلند تھا۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت کعب بن مالکؓ کا اپنا بیان ہے کہ وہ ان مسلمانوں میں سے تھے جو نبی کریم ﷺ کے ہمراہ پہاڑ پر موجود تھے۔ پھر یہ اس گھاٹی سے باہر نکلے تو عجب روح فرسا منظر دیکھنے میں آیا کہ مشرکین مسلمانوں کا مثلہ کر رہے ہیں ایک مشرک جو بھاری بھر کم زرہ میں ملبوس تھا مسلمانوں کے شہداء میں گزرتے ہوئے یہ کہہ رہا ہے کہ تم لوگ تو ذبح شدہ بکریوں کی طرح ڈھیر ہو گئے۔ وہ جب یہ کہہ رہا تھا تو ایک مسلمان اس کے سامنے کھڑا یہ سن رہا تھا وہ بھی زرہ پوش تھا اور اپنا چہرہ اس طرح ڈھانپ رکھا تھا کہ اسے پہچاننا ممکن نہیں تھا۔ میں نے

[1] زاد المعاد - ج- 3 ص- 205

آنکھوں آنکھوں میں ان کا مقابلہ کیا تو مجھے اندازہ ہوا کہ یہ کافر اس مسلمان کے مقابلے میں اپنی جسمانی ساخت اور ساز و سامان میں زیادہ مضبوط ہے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے قریب گئے اور پھر بالآخر دونوں لڑ پڑے مسلمان نے صرف ایک وار اس کے سر پر کیا اور اس شدت سے تلوار کھینچ کر چلائی کہ وہ سر سے پاؤں تک اس کے دو ٹکڑے کر گئی اور دونوں ٹکڑے زمین پر گر پڑے پھر مسلمان نے چہرے سے اپنا نقاب ہٹا لیا اور مجھے کہنے لگا ئنا کعب! یہ وار کیسا تھا؟ مجھے دیکھ میں ابو دجانہ ہوں۔ [1]

ذہانت کی ایک عمدہ مثال

مشرکین مکہ کے واپس جانے کا فیصلہ سن کر رسول اللہ ﷺ کو خیال ہوا کہ یہ کہیں ایسے نہ ہو کہ جنگی چال ہو بظاہر وہ مکہ مکرمہ کیلئے تیاری کر رہے ہوں اور پھر ہمیں اس دھوکہ میں رکھ کر مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہو جائیں۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی یا بروایت حافظ ابن حجر حضرت سعد رضی اللہ عنہما کو بھیجا تاکہ وہ اصل صورتحال کی اطلاع لائیں۔ آپ نے فرمایا انہیں جا کر دیکھو کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ اگر وہ اونٹوں پر سوار ہوں اور گھوڑے ساتھ رکھے ہوئے ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ واقعی مکہ مکرمہ جا رہے ہیں اور اگر انہوں نے گھوڑے کو سواری کیلئے منتخب کیا ہے اور اونٹ ساتھ رکھ لئے ہیں تو وہ پھر مدینہ طیبہ چلیں گے اور اگر انہوں نے ایسا ارادہ کیا تو اللہ کی قسم میں مدینہ پہنچ کر ان کا مقابلہ کروں گا۔

حضرت علی یا حضرت سعدؓ نے واپس آ کر اطلاع دی کہ وہ اونٹوں پر سوار ہو چکے ہیں اور مکہ مکرمہ کا رخ کر رہے ہیں۔ [2]

[1] البدایہ والنہایہ- ج- 3 ص- 17 [2] السیرۃ النبویۃ لابن ہشام- ج- 2 ص- 86

www.ahnafmedia.com

مشرکین مکہ واپس کیوں لوٹے؟

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مشرکین مکہ آخر واپس کیوں لوٹ گئے اور انہوں نے یہ فیصلہ کیسے کر لیا۔ مولانا محمد میاں صاحب نے اس سوال کا جواب بہت اختصار اور عمدگی سے دیا ہے جسے ہم ان کی کتاب عہد زریں سے یہاں نقل کر رہے ہیں۔

سب کو تہ تیغ کیوں نہیں کر دیا۔

مدینہ یہاں سے صرف دو تین میل کے فاصلہ پر تھا۔ وہ اس وقت تقریباً خالی تھا۔ مجاہدین میدان جہاد میں خستہ اور شکستہ پا تھے۔ مدینہ میں وہ تھے جو مجاہدین کو میدان جنگ میں چھوڑ گئے تھے وہ دل سے مشرکین کے ساتھ تھے۔ وہ یقیناً قریش کا استقبال کرتے جن کو وہ حرم کا محافظ اور اپنا مذہبی پیشوا سمجھتے تھے۔

اگر وہ استقبال نہ کرتے، بالفرض مقابلہ کرتے تو یہ طاقت جو مسلمانوں کو میدان میں شکست دے چکی تھی، ان بھگوڑوں کو آسانی سے شکست دے سکتی تھی۔ دو سو مسلح سوار مدینہ میں قیامت برپا کر سکتے تھے۔ وہ دھمکی جو مکہ سے لکھ کر بھیجی تھی کہ "مدینہ کے جوانوں کو قتل کریں گے، عورتوں کو باندیاں بنائیں گے" اس وقت بہت آسانی سے پوری کی جا سکتی تھی مشرکین کی فوج رہنماؤں سے بھی خالی نہیں تھی بہترین جرنیل اس میں موجود تھے۔ خود ابوسفیان معمولی درجہ کا لیڈر اور جرنیل نہیں تھا پھر خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابی جہل، صوان بن امیہ جیسے باہمت جرنیل اس کے ساتھ تھے۔ قریش کے بہترین دماغ اس کے مشیر تھے۔ لیکن یہ کیا ہوا کہ میدان جنگ میں ان کی تلواریں رک گئیں۔ پھر پہاڑ کی بلندی سے مسلمانوں پر حملہ کا ارادہ کیا تو اگرچہ پوزیشن بہت اچھی تھی کہ قریش کی فوج بلندی پر تھی، مسلمان نیچے تھے۔ مگر حضرت عمر فاروقؓ نے کچھ ساتھیوں کے ساتھ جیسے ہی جوابی حملہ کیا تو تعجب ہوتا ہے کہ ابوسفیان اور خالد بن ولید جیسے بہادر

ج 2، ص 57

جرنیل اتنی بہترین پوزیشن بھی نہ سنبھال سکے اور پسپا ہو کر دوسرے پہاڑ پر چڑھ گئے۔ وہاں سے کچھ فقرے کسے پھر تیزی کے ساتھ اتر کر مکہ کا راستہ لیا۔ غور کیجئے یہ کیا تماشہ ہے۔ اس مضحکہ خیز تماشہ کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ پورا ہو رہا تھا جو جنگ کے آغاز میں کیا تھا اور اس کے پورے ہونے میں کچھ تاخیر اس لئے ہو گئی تھی کہ کچھ مسلمانوں نے حکم عدولی کر کے کم ہمتی اور نزاع باہمی کا وہ راستہ اختیار کر لیا تھا جو ان کے لئے زیبا ہی نہیں تھا بلکہ اس امت خیر کی منشا بعثت کے خلاف تھا۔ اس پر فی الفور تنبیہ ضروری تھی تاکہ دامن تقدس پر جو دھبہ لگا ہے وہ ہاتھ دربا تھ صاف ہو جائے اور عظیم الشان مستقبل کے لئے راہ ہموار ہو جائے۔

کتاب اللہ کے مندرجہ ذیل آیات کا بغور مطالعہ فرمائیے جن کا مفہوم یہ ہے کہ

"ہم عنقریب ان کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے۔ جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس معرکہ حق و باطل میں انہوں نے اس کو چھوڑ دیا جو امداد و نصرت کا حقیقی مرکز ہے۔ جس کی مدد مدد ہوتی ہے اور ان کو لے لیا۔ [1] اور ان کو خدا کا شریک گردان دیا جو خود تہی دامن ہیں جو خود اپنے لئے مدد کے محتاج ہیں، جن کے پاس کوئی صحیح دلیل کوئی حجۃ اور برہان نہیں ہے۔ بس قدرتی بات یہ ہے کہ ان کے دل عزم و ہمت سے خالی ہوں اور صاحب عزم وہ ہوں جو حق کے حامی اور رب حقیقی کے پرستار ہیں۔"

یہ تھے فاتح۔ جو حقیقت سے محروم تھے۔ حقیقی طاقت سے منہ موڑے ہوئے تھے۔ ان کو جو فتح میسر آئی وہ صرف مسلمانوں کی ایک غلطی کے نتیجہ میں تھی۔ جس طرح یہ غلطی عارضی تھی یہ فتح بھی عارضی اور محض نمائشی تھی۔ ان کے ضمیر خود غیر مطمئن تھے۔ لہٰذا مزید فتح حاصل کرنے کے بجائے ابوسفیان اور اس کے باطل پرست ساتھیوں نے اسی کو غنیمت سمجھا کہ جو "نمائش" میسر آ گئی ہے وہ باقی رہ جائے۔

---

[1] چنانچہ معرکہ کے وقت قریش کا شعار یعنی وہ لفظ جس سے ان کی پہچان ہو سکے "یا للعزیٰ" تھا۔

www.ahnafmedia.com

ان کے بالمقابل وہ خدا پرست تھے جو سب کو چھوڑ کر اپنے رب اور اپنے مالک حقیقی سے رشتہ جوڑ چکے تھے وہی ان کا محبوب حقیقی اور معبود برحق تھا محمد رسول اللہ ﷺ محبوب حقیقی کے محبوب تھے اس لئے ان کے بھی محبوب تھے جو محبوب حقیقی کے لئے قربان ہونا اپنا نصب العین بنا چکے تھے۔ کچھ لغزش ہوئی کہ وہ دشمن کے خیموں میں جا گھسے۔ دنیا اگرچہ مطلوب نہیں تھی کیونکہ دشمن اور اس کے خیموں سے جو کچھ لے رہے تھے وہ خدا کے لئے لے رہے تھے۔ مگر صورت ایسی ہی ہو گئی تھی جو طالبان دنیا کی ہوتی ہے لیکن جیسے ہی انہوں نے پیچھے سے محبوب رب العالمین ﷺ کی آواز سنی الی عباد اللہ "اللہ کے بندو میری طرف آؤ" وہ فوراً چونک اٹھے۔ دنیا طلبی کا یہ غبار فوراً جھڑ گیا۔ محبت کی چنگاریاں بھڑکنے لگیں۔ کچھ مسلمان جوان کے عزیز و اقربا و یا مخلص دوست تھے شہید ہوئے۔ ان کے غم واندوہ کی اوس ان چنگاریوں پر پڑی لیکن جیسے ہی شہادت رسول اللہ ﷺ کی افواہ اڑی اس نے تیل کا کام کیا اور محبت کی چنگاریاں شعلہ بن کر تن من کو بھسم کرنے لگیں۔ لیکن جیسے ہی ساقی کوثر کا جلوہ نظر پڑا ﷺ دھڑکتے ہوئے دلوں کو آب حیات میسر آ گیا۔ بھڑکتے شعلوں پر حوض کوثر کے چھینٹے پڑ گئے۔ اب جو امن واطمینان کی پھریری نے ہر سوختہ جگر کو بے خود کر دیا۔ ثم انزل علیکم من بعد الغم امنة نعاسا یغشی طائفة منکم پھر نازل کیا تم پر اس غم کے بعد امن اور اطمینان "ایک غنودگی" جو تمہاری ایک جماعت پر چھا رہی تھی۔ مگر وہ مردہ دل جو سوزش عشق سے نا آشنا تھے۔ وہ اس تمام کیفیت و سرور سے محروم رہے۔

یہی عشق و محبت کا فلسفہ تھا (جس کی قرآن حکیم ترجمانی کر رہا ہے) جس نے فاتح کو مرعوب اور ہیبت زدہ بنا دیا۔ اور مفتوح و شکست خوردہ کو امن واطمینان کے جام جان آفریں سے سرشار کر دیا۔

وہ مال غنیمت جو ان کے ہاتھ سے جاتا رہا تھا اس کا ان کو غم نہ تھا کیونکہ وہ قطعاً مقصود نہ تھا۔ ستر ساتھیوں کی جدائی کی مصیبت بھی

باعث اندوہ نہ رہی تھی کیونکہ وہ اگرچہ نظروں سے اوجھل ہوئے مگر اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے تھے۔ موت ان کو ضرور آئی مگر اس موت نے حیات ابدی کا وہ چولا ان کو پہنا دیا کہ اب ان کو مردہ سمجھنا بھی درست نہیں رہا

زخم جو اللہ کے لئے کھائے گئے!

اب نبی کریم ﷺ زخمیوں اور شہداء کے کفن دفن کی طرف متوجہ ہوئے حضرت اسیدؓ کو جسم پر نو زخم آئے تھے' عقبہ بن عامرؓ کو بھی نو چوٹیں لگی تھی زخم اس کے علاوہ تھے' خرش بن صمہؓ کو دس زخم آئے تھے' کعب بن مالک کو دس سے زیادہ' عبدالرحمان بن عوفؓ کو بیس زخم اور پاؤں میں لنگڑاہٹ آ گئی تھی' طلحہ بن عبیداللہ جو صاحب احد تھے بلکہ احد کا دن تو تھا ہی ان کا۔ انگلیاں کٹ چکی تھیں ایک بازو مکمل طور پر شل ہو گیا تھا اور پھر کبھی کام کا نہیں رہا جسم پر ستر سے زیادہ تیر کے زخم کھا چکے تھے۔ نبی کریم ﷺ کے دندان مبارک شہید ہو چکے تھے۔ ہونٹوں پر بھی زخم تھا' جسم مبارک کا داہنا پہلو جس پر سخت چوٹ آئی تھی۔ پیشانی پر پتھر پڑ چکے تھے جس کی وجہ سے خون آلود تھی' رخسار مبارک پر کڑیاں لگ گئی تھیں جن کے حلقوں کی وجہ سے زخم بہت گہرے آ گئے تھے اور خون رس رہا تھا' دونوں گھٹنے چھل چکے تھے اور چوٹ کا اثر باقی تھا ستر شیر جیسے مجاہدوں کی شہادت مزید تھی۔۔[1]

یہ زخم تھے جو اللہ کے لئے کھائے گئے تھے' وہ چوٹیں تھیں جو اس لئے برداشت کی گئیں کہ خدا کا دین باقی رہے۔ یہ وہ "محرم اسرار" تھے جن کے تن' من' دھن کی بازی لگ گئی تھی اور زبان حال سے پکار پکار کر یہ کہہ رہے تھے۔

اے خدائے من' فدایت جان من
جملہ فرزندان و خادمان من

[1] السیرۃ الحلبیہ۔ ج۔ 2 ص۔ 264

www.ahnafmedia.com

جن کی چوٹیں ،جن کا خون اور جن کی دکھن آج بھی ہم سے یہ تقاضا کرتی ہے کہ ہم اس دین مبین کی حفاظت کے لئے اٹھیں ' احد کی رسم کو پھر سے ادا کریں۔ راحت کو جراحت میں بدلنے کی ہمت پیدا کریں 'ان غموں کے بعد مسرتیں ہیں آنے والی نسلوں کے لئے ہم امین ہیں اور اس بات کے پابند ہیں کہ جس طرح انہوں نے احد و بدر میں کفن گلے میں ڈال لئے تھے اور چل پڑے تھے اسی طرح ہم اپنی زندگیوں کو اس مبارک و مقدس مشن کے لئے وقف کر دیں۔ اللہ کے دین کا غلبہ بہر صورت ہونا چاہئے۔ وہ تو اپنے وعدہ شہادت کو پورا کر گئے۔ آیئے ہم بھی ان کے نقش قدم پر چلنے کا عہد کریں۔

دل جراحت سے اگر بھاگے تو راحت کفر ہے
غم سے اکتائے طبیعت تو مسرت کفر ہے
تخت پر قابض ہو جابر تو اطاعت کفر ہے
جو شہادت سے ڈرے اس کی عبادت کفر ہے
جو مسلمان قوت باطل پہ چھا سکتا نہیں
حشر میں وہ مصطفیٰ کو منہ دکھا سکتا نہیں

جہاد بر صغیر میں

1۔ پاک و ہند میں جہاد کی پہلی تحریک

2۔ جہاد آزادی

"جس شخص نے حضرت سید احمد شہید صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے قافلے کو دیکھا ہو گا' وہاں کے جمعے اور جماعات کی رعایات اور سارے احکام شرعی کی قید اور تاکید کو دیکھا ہو گا اس کے دین و مذہب کی مضبوطی کو دیکھا ہو گا' ان لوگوں کی خاک ساری اور مراقبے اور توجہ کی تاثیر کو دیکھا ہو گا' ان لوگوں کے گھاس لانے 'لکڑی چیرنے' بوجھ ڈھونے کو دیکھا ہو گا' اس بات کو دیکھا یا سنا ہو گا کہ اس قافلے میں پیر مرید پڑھے ان پڑھے ان کاموں میں سب برابر تھے اور سب کی ایک رائے تھی اور ان کے جہاد کرنے کی ہمت اور سوت اور ثابت قدمی کو دیکھا یا سنا ہو گا وہ شخص پہچاننے لگا کہ حضرت سید صاحب کیسے بزرگ تھے اور اس شخص پر صاف کھل جائے گا کہ ایسے پکے مسلمان کا دشمن اور حاسد سوائے کافروں اور منافقوں کے نہیں ہوتا۔"

(مکاشفات رحمت از مولانا کرامت علی صاحب ص 26)

ان دونوں ابواب کی تیاری میں مندرجہ ذیل کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے ہر مقام پر لکھنا چونکہ باعث دقت تھا اس لئے کتابوں کی فہرست دی جا رہی ہے تاکہ حوالہ تلاش کیا جا سکے تاہم بعض مقامات پر حوالے بھی درج کر دیئے گئے ہیں۔

1۔ مکتوبات امام ربانی — حضرت مجدد الف ثانی الشیخ احمد سرہندی قدس سرہ

www.ahnafmedia.com

2- حجتہ اللہ البالغۃ — حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ

3- صراط مستقیم — ملفوظات حضرت امیر المومنین سید احمد شہید نور اللہ مرقدہ

4- منصب امامت — مولانا محمد اسمٰعیل شہید دہلوی رحمتہ اللہ علیہ

5- نقش حیات — حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمتہ اللہ علیہ

6- آثار الصنادید — سر سید احمد خان

7- تذکرہ الرشید — مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب میرٹھی

8- کلیات اقبال (اردو) — ڈاکٹر محمد اقبال

9- علماء ہند کا شاندار ماضی — سید محمد میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ

10- فقہائے پاک وہند — محمد اسحٰق بھٹی
تیرہویں صدی ہجری جلد اول، سوم

11- سیرت سید احمد شہید — مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمتہ اللہ علیہ

12- جب ایمان کی بہار آئی — " " " " "

13- سید احمد شہید — مولانا غلام رسول صاحب

14- بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد — سید رئیس احمد ندوی

15- موج کوثر — شیخ محمد اکرام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب 5 پنجم

برصغیر پاک وہند میں جہاد کی پہلی تحریک

طریق حیات

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو جس دین مبین کے ساتھ مبعوث فرمایا تھا، اس میں زندگی کے ہر شعبے سے متعلق ہدایات واصول ملتے ہیں۔ انفرادی اور اجتماعی دونوں زندگیوں کے تفصیلی احکام ذکر کئے گئے ہیں۔ کوئی بھی انسان اپنی خالصتاً نجی زندگی سے لے کر کاروبار مملکت چلانے تک کے لئے اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ سے بالکل واضح ہدایات لینا چاہے، تو اس کی ہر مشکل کا حل اور پریشانی سے نجات ان دو صافی اور کافی چشموں میں ہے۔ اللہ کا دین اسلام کسی دور میں بھی "بانجھ پن" کا شکار نہیں ہوا کہ وہ انسانی زندگی کے کسی بھی شعبے سے متعلق ہدایات دینے سے قاصر رہے اور اس پر صحیح طور پر عمل کرنے والے کسی اور "دین" طریقہ زندگی، یا جدید اصطلاح میں کسی "ازم" کے محتاج ہو کر رہ جائیں۔

www.ahnafmedia.com

اسلام اور ارباب حل وعقد

اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری ہے کہ اسلام کی سرپرستی جب تک حکومت اور اہل حکومت کرتے رہے ہیں' انسانی زندگی کا وہ شعبہ جو حکومت اور اہل حکومت سے متعلق تھا' اسلام کی برکات وفیوضات وہاں بھی کھل کر سامنے آتی رہیں ہیں۔ اسلامی قوانین کا احیاء' کسی بھی مملکت کے امور داخلہ' تجارت اور تعلیم وغیرہ ایسے شعبے ہیں کہ اسلام کا ان سے بھی براہ راست تعلق ہے۔ حکومت وقت جب ان شعبوں میں اسلامی طریقہ زندگی رائج کرتی ہے تو پھر دین کا یہ شعبہ بھی اپنے نتائج وثمرات دکھانا شروع کر دیتا ہے۔ [1]

اس کے بالکل برعکس جن ادوار میں اسلام کی مخالفت حکومت وقت کی طرف سے کی گئی وہ ادوار بہت سخت اور کٹھن مراحل کے حامل تھے۔ شریعت کا ہر سرعام مذاق اڑایا جانا اور ہر وہ چیز جس سے اسلام کے ساتھ اظہار وابستگی ہوتا ہو' ممنوع قرار پانا ایسا امر تھا کہ جن لوگوں نے اپنی روش اور طریقہ اسلام کے خلاف کر لیا تھا ان میں اور غیر مسلموں میں پہچان مشکل ہو گئی تھی۔

برصغیر کا خطہ جس دور میں اس "عالم نزع" میں مبتلا ہوا اسے ہم عہد اکبری سے یاد کرتے ہیں۔ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات میں جا بجا ان عوامل کی نشاندہی کی ہے جو اس نامسعود دور میں اللہ کے

[1] اس غلط فہمی کا ازالہ بھی ضروری ہے کہ مبادا کہ اس تحریر سے یہ سمجھ لیا جائے کہ اسلام حکومت کا محتاج ہے' اور بغیر حکومت کے اس کا کوئی نظام چلتا ہی نہیں ہے۔ بات یہ نہیں ہے بلکہ ان سطور کی تحریر کا مقصد یہ ہے کہ اسلامی نظام حکومت کی برکات اسی وقت سامنے آتی ہیں جب وہاں بھی اسلام ہو اور نجی زندگی میں بھی برکات اسی وقت سامنے آتی ہیں جب یہاں بھی اسلام ہو۔ دونوں شعبوں میں دین کی رعایت ضروری چیز ہے۔

دین کی بیخ کنی میں کوشاں تھے۔ ان اسباب کا بیان بھی متعدد جگہوں پر نظر آتا ہے جن کی وجہ سے یہ منحوس دن دیکھنے پڑے تھے اور ان کے دور میں ایک ہی صدی میں اسلام اور اہل اسلام کی حالت کس درجہ غربت تک پہنچ گئی تھی' اسے ان ہی کے قلم سے پڑھیے۔ لالہ بیگ کے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں [1]

> ایک صدی میں اسلام کی غربت اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ اہل کفر اس بات پر راضی نہیں ہیں کہ صرف کفر کے احکام کا اعلانیہ اسلامی شہروں میں اجراء ہو جائے بلکہ وہ تو یہ بھی چاہتے ہیں کہ اسلامی احکام بالکلیہ مٹا دیئے جائیں حتی کہ اسلام اور مسلمانوں کا یہاں کوئی اثر باقی نہ رہے بات یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اگر کوئی شخص اسلام کے کسی شعار سے وابستگی کا اظہار کرتا ہے۔ تو اس کے قتل تک کی نوبت آجاتی ہے گائے کی قربانی ہندوستان میں اسلام کے عظیم شعائر میں سے ایک ہے' یہاں کافروں کا یہ حال ہے کہ شاید یہ ہندو جزیہ دینے پر راضی ہو جائیں مگر گائے کی قربانی پر ہرگز راضی نہیں ہوں گے۔

سیادت پناہ شیخ فرید رحمتہ اللہ علیہ کے نام ایک مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں [2]

> گزشتہ صدی میں اہل اسلام کے جانے والوں پر کیا کچھ مصیبت گزری ہے۔ اس سے قبل اہل اسلام کی حالت اس حد سے زیادہ نہیں گری کہ وہ کفار' ان کے دین پر رہنے دیں اور خود اپنے دین پر عمل کرتے رہیں جیسا کہ آیت کریمہ لکم دینکم ولی دین (تمہارے لئے تمہاری راہ اور میرے لئے (میری) راہ) میں ہے مگر گزشتہ صدی (عہد اکبری) میں کفار برملا غلبہ کفر کے' احکام دارالاسلام میں جاری کرتے تھے اور مسلمان احکام اسلام کے اظہار سے عاجز تھے۔ اور اگر اسلامی احکامات کا اظہار کر دیتے تھے تو قتل کر دیئے جاتے تھے ہائے یہ مصیبت ہائے یہ غم اور ہائے یہ مصیبت پریشانی' محمد ﷺ کہ

[1] مکتوبات امام ربانی ج 1 حصہ دوم ص 75 - مکتوب نمبر 81

[2] مکتوبات امام ربانی - ج 1' حصہ دوم ص 18 مکتوب نمبر 47

www.ahnafmedia.com

اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں ان کے ماننے والے ذلیل وخوار تھے اور ان
کے منکر کافروں کی عزت تھی، انہیں کا اعتبار تھا۔ مسلمان زخمی دلوں
کے ساتھ اسلام کی تعزیت کر رہے تھے اور کفار ان کا مذاق اڑاتے
تھے، ان کے زخموں پر نمک چھڑکتے تھے، ہدایت کے سورج پر گمراہی
کے پردے پڑ گئے تھے اور حق کا نور باطل کے پردوں میں سمٹ گیا تھا۔

جب حکومت اور اہل حکومت کی طرف سے اسلام کی مخالفت شروع ہو جائے، شریعت کا کھلے بندوں مذاق اڑایا جانے لگے اور صرف اس پر اکتفانہ ہو بلکہ کفر اور اس کے شعائر کی ترویج و ترقی ہونے لگے تو پھر صورت حال بلاشبہ یہی بن جاتی ہے جو حضرت مجددؒ نے ان گرامی ناموں میں تحریر فرمائی ہے۔ اہل اسلام کی تکذیب اور قتل تک کی نوبت آ جاتی ہے اور سنت رسول ﷺ کے مذاق اڑانے والے "عہدوں" اور "عنایات خسروانہ" کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔

اسلام کی ناؤ دوبارہ گرداب میں

حضرت سلطان اورنگ زیب عالمگیر نور اللہ مرقدہ کے دور کو درمیان سے نکال دیا جائے تو حضرت شاہ ولی اللہؒ کے دور میں دوبارہ ایسی ہی حالت ہو چکی تھی۔ اوپر سے لے کر نیچے تک ہر ہر سطح پر بگاڑ کا دور دورہ تھا شریعت حکومت سے لے کر عوام تک ایک "عار" کی چیز سمجھی جانے لگی تھی اور حالات اس قدر بگڑ چکے تھے کہ رشوت ستانی، محلاتی سازشیں، حکام کی بے خبری، شراب، چرس، رنگ رلیاں اور دیگر قبائح، الغرض کوئی ایسا جرم نہ تھا جو اوپر سے لے کر نیچے تک بآسانی دکھائی نہ دیتا ہو۔ حضرت اقدس شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب "التفہیمات الالٰہیۃ" کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کن کن طبقات میں کس کس قسم کا بگاڑ تھا اور اس کے کس قدر دلنشین اور عمدہ حل حضرت شاہ صاحب نے تجویز فرمائے تھے۔ اگر کسی انسان نے اس کتاب کا مطالعہ نہیں کیا تو ہم سمجھتے ہیں کہ وہ عہد حاضر اور اس دور کے مسلمانوں کی بیماریوں کا نہ تو صحیح اندازہ

لگا سکتا ہے اور نہ ہی اس کے لئے یہ ممکن ہو گا کہ وہ کسی بھی حل کی صحت اور سقم کو جانچ سکے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر ان دو ہستیوں کے ذریعے برصغیر میں اپنے دین کی اس موقع پر حفاظت نہ فرماتا تو آج سے دو صدیاں قبل ہی یہ دین یا تو بالکل برباد ہو چکا ہوتا اور یا پھر ہندومت کی طرح چند ایک رسوم و رواجات کا مجموعہ بن کر رہ جاتا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کس کو انکار ہو سکتا ہے، وہ جیسے چاہے اپنے دین اور مخلوق کو قائم رکھے مگر عالم اسباب میں اس وقت اگر کسی سے کام لیا گیا تو یہی دو ہستیاں تھیں اور اسلام کی ناؤ جو کفر کے گرداب میں پھنس چکی تھی، یا تو ڈوب جاتی اور یا پھر اتنی تیزی سے گھومتی رہتی کہ اس کی حقیقت، مجاز سے بدل جاتی۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے بعد انہی حقائق کا احساس ان کے جانشین حضرت شاہ عبدالعزیزؒ صاحب کو ہوا، اور یہ نہیں کہ صرف انہیں ہی احساس ہو، باقی بے خبر ہوں بلکہ ——— حضرت شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی تحریر جس جس حلقے میں پہنچی ہے وہاں جس کے دل میں درد تھا، وہ ان حقائق کو نہ صرف مان رہا تھا بلکہ اسلام کی ترویج و ترقی اور کفر و ضلالت کے زوال کا بھی خواہاں تھا۔ شاہ عبدالعزیز صاحب کے زمانے میں اسلامی حکومت مزید کمزور ہو چکی تھی بلکہ زوال کے اثرات واضح طور پر نمایاں تھے۔ فرنگی اس وقت کی نئی ابھرتی ہوئی طاقت تھے، جو پورے زور و شور سے اپنا وجود منوا رہے تھے۔ حکومت وقت ان کے زیر اثر تھی، اسلامی شعائر کو مٹایا جا رہا تھا، ایسٹ انڈیا کمپنی مسلمان ریاستوں کو بے جان کرنے کے نت نئے منصوبے بنا رہی تھی اور یہاں تک کہ شاہ عبدالعزیز صاحب اپنے ایک عربی قصیدے میں چیخ اٹھے ہیں۔

واني اری الافرنج اصحاب ثروة
لقد افسدوا بابين دهلی و کابل

www.ahnafmedia.com

اور میں ان فرنگی سرمایہ داروں کو دیکھتا ہوں جنہوں نے دہلی سے لے کر
کابل تک فساد برپا کر رکھا ہے۔

عدداً اگرچہ انگریز اقلیت میں تھا ہم مسلمان اکثریت میں تھے مگر عملاً حالت برعکس تھی۔ لارڈ لیک نے 1803ء میں دہلی' دارالخلافہ پر اپنا تسلط جمالیا اور شاہ عالم بادشاہ سے ایک معاہدہ کر لیا جس کے تحت برصغیر میں یہ آواز لگائی جانے لگے۔

"خلق خدا کی' ملک بادشاہ سلامت کا اور حکم کمپنی بہادر کا۔"

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ کن اوصاف کے مالک تھے' حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی خدمات عالیہ کیلئے ان کا انتخاب فرمایا تھا محبوبیت کی خلعت اوڑھادی گئی تھی ان کی شخصیت ظاہر میں کامل اور باطن میں اکمل تھی۔ ذہانت' حاضر جوابی' علوم کی گہرائی اور ژرف نگاہی و تربیت آپ پر ختم تھی۔ لوگ آپ سے انتساب کے لئے اطراف و اکناف عالم سے حاضری دیتے تھے اور آپ سے ادنی نسبت کو بھی باعث صد افتخار گردانتے تھے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب کا تاریخی فتویٰ

ان تمام حالات کا جائزہ شاہ صاحب گہری نظر سے لے رہے تھے۔ زمانہ اور اس کے تقاضوں سے وہ باخبر تھے اور لائق باپ کے قابل جانشین تھے۔ اپنے اسلاف کی روایات کے امین تھے۔ انگریزوں کا بڑھتا ہوا اختیار برصغیر میں انہیں ایک عظیم خطرے کی اطلاع دے رہا تھا' انہوں نے ان تمام حالات و واقعات کا مشاہدہ کیا اور ایک مستفتی کے جواب میں وہ عظیم الشان فتویٰ تحریر فرمایا جو برصغیر پاک و ہند میں جہاد کے اجراء کے لئے خشت اول ثابت ہوا' ان کا وہ تاریخی فتویٰ یہ ہے۔ [1]

یہاں روؤساء نصاریٰ (عیسائی افسران) کا حکم بلاد غدغہ اور

[1] فتاویٰ عزیزی فارسی جلد اول ص 17' مطبوعہ مطبع مجتبائی

بے دھڑک جاری ہے اور ان کا حکم جاری اور نافذ ہونے کا مطلب یہ ہے' کہ ملک داری' انتظامات رعیت خراج' باج' عشر و مال گزاری' اموال تجارت' ڈاکوؤں اور چوروں کے انتظامات' مقدمات کا تصفیہ' جرائم کی سزاؤں وغیرہ (یعنی سول' فوج' پولیس' دیوانی اور فوجداری معاملات' کسٹم اور ڈیوٹی وغیرہ) میں یہ لوگ بطور خود حاکم اور مختار مطلق ہیں' ہندوستانیوں کو ان کے بارے میں کوئی دخل نہیں' بے شک نماز جمعہ' عیدین' اذان اور ذبیحہ گاؤ جیسے اسلام کے چند احکام میں وہ رکاوٹ نہیں ڈالتے۔ لیکن جو چیز ان سب کی جڑ اور حریت کی بنیاد ہے (یعنی ضمیر اور رائے کی آزادی اور شہری آزادی) وہ قطعاً بے تیقت اور پامال ہے۔ چنانچہ بے تکلف مسجدوں کو مسمار کر دیتے ہیں۔ عوام کی شہری آزادی ختم ہو چکی ہے انتہا یہ کہ کوئی مسلمان یا ہندو ان کے پاسپورٹ اور پرمٹ کے بغیر اس شہر یا اس کے اطراف و جوانب میں نہیں آسکتا۔ عام مسافروں یا تاجروں کو شہر میں آنے جانے کی اجازت دینا بھی ملکی مفاد یا عوام کی شہری آزادی کی بنا پر نہیں بلکہ خود اپنے نفع کی خاطر ہے۔ اس کے بالمقابل خاص خاص ممتاز اور نمایاں حضرات مثلاً شجاع الملک اور ولایتی بیگم ان کی اجازت کے بغیر اس ملک میں داخل نہیں ہو سکتے۔ دھلی سے کلکتہ تک انہیں کی عمل داری ہے۔ بے شک کچھ دائیں بائیں مثلاً حیدر آباد' لکھنو' رام پور میں چونکہ وہاں کے فرمانرواؤں نے اطاعت قبول کر لی ہے' براہ راست نصاریٰ کے احکام جاری نہیں ہوتے (مگر اس سے پورے ملک کے دارالحرب ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑتا)۔

شاہ عبدالعزیز صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے اس عظیم الشان تاریخی فتوے نے برصغیر میں تہلکہ برپا کر دیا۔ شاہ صاحب کو اگرچہ اس فتویٰ کی بہت بھاری قیمت ادا کرنی پڑی' جو اہل علم پر مخفی نہیں مگر اس مرد قلندر نے جو اینٹ رکھ دی تھی اسے کوئی اکھیڑ نہ سکا اور جہاد کا یہ علم جو اس شاہ ولی اللہ خاندان نے بلند کیا تھا اسے گرانے کو بہت ہاتھ اٹھے لیکن توڑ دیئے گئے۔ اس فتویٰ کے اعتبار سے

www.ahnafmedia.com

برصغیر دارالحرب قرار دیا گیا تھا اور یہاں کے ہر محبّ وطن کا یہ فریضہ بنتا تھا کہ وہ انگریز حکومت کے خلاف جہاد کرے۔

سید احمد شہید رحمتہ اللہ علیہ

قضاء وقدر نے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کے اس فتویٰ کے مطابق عملی جدوجہد کا آغاز کرنے کے لئے جو وقت مقرر کر رکھا تھا وہ آگیا اور ایک نوجوان سید احمد لکھنؤ سے دہلی پہنچا اور شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مخزن احمدی کی روایت ہے کہ[1] شاہ صاحب نے مصافحہ و معانقہ کے بعد اپنے برابر بٹھایا اور پوچھا "کہاں سے تشریف آوری ہوئی؟" سید احمد نے عرض کیا "رائے بریلی سے" پوچھا "کس خاندان سے ہیں"؟ کہا "وہاں کے سادات میں شمار ہے" فرمایا "سید ابو سعید صاحب اور سید نعمان صاحب سے واقف ہیں"؟ سید صاحب نے عرض کیا "سید ابو سعید صاحب میرے نانا اور سید نعمان صاحب میرے حقیقی چچا ہیں" شاہ عبدالعزیز صاحب اٹھ کھڑے ہوئے، بڑی گرم جوشی سے دوبارہ مصافحہ و معانقہ کیا اور آنے کا مقصد دریافت کیا سید احمد نے جو جواب دیا وہ سائل و مسئول دونوں کے شایان شان تھا، عرض کیا، آپ کی ذات مبارکہ کو غنیمت سمجھ کر اللہ تعالیٰ کی طلب کے لئے یہاں حاضر ہوا ہوں"۔

شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اس جواب کو سن کر جھوم گئے اور فرمایا

> اللہ کا فضل اگر شامل حال رہا تو اپنے دو ھیال اور ننھال دونوں کی میراث تم کو مل جائے گی۔

شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحبؒ دونوں حضرات نے اس ہیرے کی تاب کو چمکا دیا ـــــ سلوک کی وہ منازل جو سالہا سال کی کٹھن

[1] ص 18

ریاضتوں اور مجاہدوں کی مرہون منت ہوتی ہیں، آناً فاناً گزرتی چلی گئیں اور جن خشک لکڑیوں کو وہ لے کر آئے تھے عشق خداوندی کی آگ نے انہیں فوراً پکڑ لیا۔[1]

ان ترقیات کی تفصیل کا کچھ اندازہ تو ان خطوط سے ہوتا ہے جو حضرت سید صاحب نے بعد ازاں اپنے مسترشدین کو تحریر فرمائے اور کچھ اس سے بھی کہ اس وقت کے تمام اہل اللہ کے قلوب آپ کی طرف متوجہ ہو گئے اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کے خاندان کے بھی جید علماء و مشائخ نے آپ کی طرف رجوع کیا۔ مولانا اسماعیل شہیدؒ جنہیں تیس ہزار احادیث نوک بر زبان تھیں، جن کا قلم "عبقات" میں متقدمین صوفیاء سے آنکھیں ملاتا ہوا نظر آتا ہے، ولی اللہی خانوادے کے فرزند جلیل، ان کی شہادت اس نوجوان کے بارے میں کیا ہے؟ تحریر فرماتے ہیں۔[2]

> ایک بار خواب میں رسول اللہ ﷺ نے سید صاحب کے منہ میں تین چھوہارے دیئے اور بہت شفقت و محبت سے کھلائے، جب آپ بیدار ہوئے تو ان کی شیرینی آپ کے ظاہر و باطن سے ظاہر تھی، اس کے بعد ایک روز سید صاحبؒ نے خواب میں حضرت علیؓ اور حضرت فاطمۃ الزہراؓ کو دیکھا۔ حضرت علیؓ نے اپنے دست مبارک سے آپ کو اس طرح نہلایا جیسے باپ اپنے بچوں کو نہلاتے دھلاتے ہیں، اور حضرت فاطمۃ الزہراءؓ نے اپنے ہاتھ سے ایک لباس فاخر آپ کو پہنایا، اس کے بعد سے طریق نبوت کے کمالات آپ پر ظاہر ہونے لگے، یہاں تک کہ ایک روز اللہ تعالیٰ نے خاص اپنے دست قدرت سے آپ کا دایاں ہاتھ پکڑ کر امور قدسیہ میں سے ایک چیز، جو نہایت رفیع و بدیع تھی، آپ کو عنایت کی اور فرمایا کہ اور چیزیں بھی ہم تم کو دیں گے۔

شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اس نوجوان کے بارے میں خود بھی بہت بلند خیالات

[1] سید احمد شہید نور اللہ مرقدہ کے حالات زندگی سے ہم نے عمداً صرف نظر کیا تاکہ کہیں باعث تطویل نہ بن جائیں۔
[2] صراط مستقیم ص 164

www.ahnafmedia.com

رکھتے تھے۔ اس "مردمیدان" کی ڈیل ڈول دیکھ کر انہیں اندازہ ہو چلا تھا کہ شریعت کے جس پیغام کو ان کے والد شاہ ولی اللہ صاحب نے خواص کی زبان اور محافل کا موضوع سخن بنا دیا تھا اور پھر انہوں نے خود عوامی سطح پر اتر کر عوام کی زبان میں یہ پیغام سمجھایا تھا' اس کے عملی مراحل کیلئے اب وہ آیا ہے جس کے بارے میں بلا تکلف یہ کہا جا سکتا ہے کہ

آمد آں یارے کہ ما می خواستیم
وہ دوست آ گیا جس کی ہم نے خواہش کی تھی

دو مبارک خواب

سید احمد شہید شوق شہادت اور جذبہ جہاد کے تحت نواب امیر خان والئی ٹونک کے ہاں بھی کچھ عرصہ کے لئے گئے مگر جب وہاں کے حالات کو ناساز گار پایا تو واپس شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت اگرچہ دیکھنے کے اعتبار سے ان کی عمر 33 برس تھی مگر درحقیقت وہ مرتبہ امامت پر فائز تھے ان کی حاضری سے کچھ ہی دن پہلے شاہ صاحب نے ایک خواب دیکھا اور قبل اس کے کہ ہم شاہ عبدالعزیز صاحب کا خواب بیان کریں۔ ان کے والد حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا بھی ایک خواب پڑھ لیجئے۔ فرماتے ہیں۔

16۔ جمادی الاخر بروز پنجشنبہ میں نے خواب دیکھا کہ جیسے میں ایک مسجد میں بیٹھا ہوں' اور وہ مسجد جامع مسجد دہلی ہے یا مسجد بیگم اکپہ آبادی ناگاہ لوگ کہنے لگے کہ اس جگہ سرور کائنات ﷺ کی صورت کریمہ ظاہر ہوگی' یہ سن کر مشتاقوں کی ایک جماعت آپ کے جلوہ دل افروز کی آرزو میں صف بستہ ہے اور میں بھی جمال باکمال کے مشاہدہ کی تمنا میں جدھر بتایا گیا تھا متوجہ ہوں۔

کیا دیکھتا ہوں کہ ایک آئینہ میں آنحضرت ﷺ کی صورت کریمہ آہستہ آہستہ ظاہر ہونا شروع ہوئی' یہاں تک کہ پوری طرح ظاہر ہو گئی' پھر اس آئینہ سے نکل کر خارج میں جلوہ گر ہو گئی اور ہم نے عرض کی کہ حضور ﷺ کی عنایت و توجہ ہماری

شریک حال ہو' اور علم حدیث کی اشاعت و ترویج میں عالی ہمتی عطاء ہو' آپ نے فرمایا کہ ہوگی' پھر عرض کیا کہ ہوگی' پھر عرض کیا کہ اس علم کی اشاعت ہمارے ہاتھوں نیز ہماری اولاد اور بھائیوں کے ہاتھوں ہو' فرمایا "ایسا ہی ہوگا" پھر وہ صورت کریمہ روپوش ہو گئی اور ہم نماز کے لئے مسجد کی جانب چلے ہی تھے کہ یہ آواز آئی کہ' آپ ﷺ کی صورت کریمہ پھر جلوہ گر ہوگی۔ ہم پھر اس طرف گھومے' دیکھا کہ اس مرتبہ بھی وہی صورت آئینہ میں متجلی ہونا شروع ہوئی یہاں تک کہ پوری صورت ظاہر ہو گئی۔

اسی اثناء میں ایک سولہ سالہ جوان حاضر کیا گیا اور آنجناب ﷺ کی جانب سے ہماری طرف ارشاد ہوا کہ اس جوان کو خرقہ پہناؤ۔ میں نے آپ ﷺ کے فرمانے کے مطابق اپنی چادر اس جوان کو اڑھا دی اور' آنحضرت ﷺ کی طرف سے بھی اس (جوان) کو خرقہ عطاء ہوا اور یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ جوان کون تھا۔

ہمارا مقصد اس خواب کو بیان کرنے سے صرف اتنا سا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے جس سولہ سالہ نوجوان کو دیکھا' وہ کون تھا؟ اس خواب کی تعبیر کا مصداق کون تھا؟ جس کی شخصیت اتنی قد آور تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے اپنا خرقہ عطاء فرمایا اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کو حکم ملا کہ اپنا خرقہ اسے اڑھائیں یہ تمام سعادتیں کس کا مقدر بنیں؟

اب آپ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا خواب بھی سن لیجئے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

"جیسے حضرت سرور عالم ﷺ (دہلی کی) جامع مسجد میں تشریف فرما ہیں اور بے شمار انسان فوج در فوج اور جوق در جوق چاروں طرف سے حضرت ﷺ کی زیارت شریفہ کے لئے بھاگتے دوڑتے آ رہے ہیں سب سے پہلے جناب امام المحدثین (شاہ عبدالعزیز) دست بوسی سے مشرف ہوئے' اس وقت حضرت ﷺ کے دست مبارک میں عصا تھا' حضرت ﷺ نے امام المحدثین سے فرمایا "اے عبدالعزیز! یہ عصا لو' اور مسجد کے دروازہ پر بیٹھ جاؤ' مخلوق خدا زیارت کے لئے آ رہی ہے' ہر شخص کا حال (آ کر) میرے سامنے عرض کرو' جس کو میں اجازت فرماؤں اس کو آنے دو" جناب امام المحدثین حسب ارشاد حضرت سید المرسلین ﷺ سے عصا لے کر مسجد کے

www.ahnafmedia.com

دروازہ پر بیٹھ گئے اور ہر طرف سے جوبے شمار اشخاص پروانہ وار زیارت
کے لئے جمع تھے' اور اجازت طلب کر رہے تھے' امام المحدثین
حضرت رسول اکرم ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر ایک ایک شخص
کا حال عرض کرتے اور حکم عالی کے مطابق کچھ لوگوں کو زیارت
کی اجازت سے مشرف فرماتے اور کچھ کو منع کر دیتے"

اس خواب کی تعبیر کے لئے شاہ صاحب اپنے دور کے سلسلہ نقشبندیہ کے مجدد حضرت مولانا غلام علی صاحبؒ کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے خواب کی تعبیر دریافت کی۔ مولانا غلام علی صاحبؒ نے بہت حیرت و استعجاب کا اظہار کیا اور فرمایا۔

"تعجب ہے یوسف وقت مجھ سے تعبیر پوچھتا ہے"

اور پھر فرمایا میرے ناقص خیال میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ۔

"حضرت رسول اکرم ﷺ کی عنایت و کرم (کا فیضان خاص) جو
حضرت سید حسن' کی وفات (1103 ہجری) کے بعد سے' جس پر
تقریباً ایک سو پچاس برس گزر گئے ہیں' محدود اور (تقریباً) بند تھا
وہ اب آپ کے یا آپ کے کسی مرید کے ذریعے سے ظاہر اور
عام ہو گا"۔

شاہ صاحب نے شکریہ ادا کیا اور فرمایا۔

"میں بھی یہی تعبیر سمجھا ہوں مگر اپنے اطمینان کے لئے آپ سے'
جو اس میدان کے مرد اور اس فن میں کامل ہیں جاننا چاہتا ہوں"

اب ان دونوں جلیل القدر ہستیوں کے خواب ملا کر دیکھئے تو وہ سولہ سالہ نوجوان جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کو دکھایا گیا تھا وہ سید احمد شہید تھے۔ جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے دروازے وا فرما دیئے۔ اسی طرح شاہ عبدالعزیز صاحب کو اپنے خواب کی بنیاد پر یہ یقین ہو گیا تھا کہ ان کے جس مرید کے ذریعے "فیض" عام ہو گا اس کے مصداق یہی سید احمد ہیں۔ یہ کچھ ہمارا خیال ہی نہیں' مولانا غلام رسول مہر صاحب فرماتے ہیں [1]

---

[1] سید احمد شہید - ج 1' ص 114۔

"شاہ صاحب کو یقین ہو گیا کہ جس سلسلہ ہدایت کے اجراء کی
بشارت خواب میں دی گئی تھی' وہ خدا چاہے تو سید صاحب ہی کے
ذریعے سے جاری ہو"۔

انجام کار اللہ تعالیٰ نے چاہا اور یہ ہدایت کے اجراء کا سلسلہ سید صاحب کے ذریعہ سے جاری ہو گیا۔

سید احمد شہید اور ان کے مرشد حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب میں ایک باہمی مناسبت بہ درجہ غایت یہ بھی ملتی ہے کہ دونوں حضرات کا مقصد اصلی برصغیر میں دین کا غلبہ تھا اور اس کو حاصل کرنے کے لئے جہاد ناگزیر تھا۔

ورزش اور مجاہدات

سید احمد شہید کو ابتدائے عمر ہی سے اس قسم کی ورزش اور مجاہدات سے رغبت تھی جو جہاد میں ممد و معاون ثابت ہوں اور جسم کو اس عالی شان مقصد کے لئے تیار رکھیں۔ چنانچہ "وقائع احمدی" اور "منظورہ" میں بیان ہے۔

سید عبدالرحمٰن صاحب مرحوم' سپہ سالار افواج نواب وزیرالدولہ مرحوم سید صاحبؒ کے چھوٹے بھانجے تھے' آپ بیان کرتے ہیں کہ آپ کی عادت تھی کہ سورج نکلنے کے گھنٹوں بعد تک ورزش اور کشتی میں مشغول رہتے' میں بچہ تھا' آپ کے بدن پر مٹی ملتا' یہاں تک کہ خشک ہو کر جھڑ جاتی' پیروں پر مجھے کھڑا کر کے پانچ سو ڈنٹ لگاتے' پھر کچھ ٹھہر کر پانچ سو اور من بھر' بیس اور تیس سیر کے مگدر ہلاتے تھے۔ ان میں تعداد کا خیال نہیں تھا' بلکہ وقت کا اندازہ تھا مثلاً دو گھنٹے' تین گھنٹے' چار گھنٹے۔

معین خان کے مقبرے کے پاس (تکیے کے قریب' ندی کنارے) پتھر کا ایک ستون ہے' چار ہاتھ لمبا اور بہت دبیز' نیچے سے موٹا' اوپر سے پتلا' یہ شہ زوروں کی ورزش گاہ تھی' اوپر سے ہر زور آور اس کو کھڑا کر دیتا تھا' نیچے سے کوئی زانو تک کوئی کمر تک لے آتا تھا' ایک روز چاندنی رات میں ہم وہاں

www.sirat-e-mustaqeem.net

ت گزرے تو سید صاحب نے فرمایا کہ اس کو اٹھانا چاہئے' یہ کہہ کر کرتا اتار کاندھے پر رکھ اور پتھر کے قریب کچھ جھک کر اس کو اپنے کاندھے پر رکھ لیا اور بیس قدم چل کر اس کو زمین پر اس زور سے پٹکا کہ ایک ہاتھ کے قریب زمین کھد گئی' دوسرے روز لوگ آئے اور اس کو اپنی جگہ سے اتنی دور گڑھے میں پڑا دیکھا تو کہنے لگے کہ کون دیو یا جن تھا' جس نے اتنی دور لا کر ڈال دیا۔

شاہ عبدالعزیز صاحب کا جذبہ جہاد

شاہ عبدالعزیز صاحب کے جذبہ جہاد اور مردانگی کی تنہا دلیل تو ان کا فتویٰ ہی تھا جو انہوں نے ہندوستان کے دارالحرب ہونے پر دیا تھا۔ تراجم علمائے حدیث ہند میں لکھا ہے کہ [1]

> شاہ ممدوح (شاہ عبدالعزیز صاحب) بنفسہ سکھوں کے مظالم کی وجہ سے ان کے خلاف جہاد کی متمنی تھے۔ مگر ضعف پیری اور کف البسر کے ہاتھوں بے بس تھے۔ چنانچہ جب سید صاحب دہلی سے باہر بیعت کے لئے دورہ کو نکلے تو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے اپنا سیاہ عمامہ اور سفید قبا دست مبارک سے سید صاحب کو پہنا کر رخصت کیا۔

شاہ صاحب سمجھ چکے تھے کہ جہاد کا فریضہ اب اسی نوجوان سے زندہ ہوگا۔ معرکہ سکھوں کے ساتھ ہو یا فرنگیوں کے ساتھ کفر پر ضرب لگانے کے لئے اس زمانے میں اس سے بہتر آدمی نہیں مل سکتا۔

سید احمد ـــــ فوجی لباس میں

شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی ژرف نگاہی کی اس وقت بے اختیار داد دینی پڑتی ہے جب سید احمد شہیدؒ بعد کی زندگی میں اکثر فوجی لباس اور فوجی کارناموں میں مصروف نظر آتے ہیں۔ سیرت سید احمد شہید میں لکھا ہے۔ [2]

---

[1] بحوالہ موج کوثر ص 210 [2] ج 1' ص 167

> لکھنؤ میں تقریباً تین ماہ قیام رہا' قیام گاہ سے کہیں تشریف لے جاتے تو بسا اوقات ایک فوجی سپاہی کی طرح پورے ہتھیار لگا کر تشریف لے جاتے۔ ایک روز آپ قندباریوں کی چھاؤنی میں تشریف لے جا رہے تھے۔ آپ بھی پورے ہتھیار لگائے ہوئے تھے'
>
> اور آپ کے ساتھی بھی اسی طرح ہتھیار بند تھے عبدالباقی خان صاحب نے آپ کی یہ شان دیکھی تو عرض کرنے لگے حضرت آپ کی تمام باتیں بہت اچھی ہیں مگر یہ تلوار بندوق وغیرہ اسباب جہالت آپ کے بدن پر زیب نہیں دیتے۔ آپ جس خاندان کے چشم و چراغ ہیں یہ اسلحہ بندی اس کی روایات کے بھی خلاف ہے۔ آپ نے عبدالباقی خان صاحب کے یہ الفاظ سنے تو غصہ سے چہرہ سرخ ہو گیا۔ فرمانے لگے جس چیز کو رسول خدا ﷺ نے استعمال کیا آپ اس کو اسباب جہالت فرماتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ ہتھیار باندھ کر میدان جنگ میں تشریف لے جائیں اور آپ اسلحہ بندی کو شان بزرگانہ کے لئے عار قرار دیں۔ تف ہے اس شان بزرگانہ پر۔

فقیری اور درویشی

پیٹ بھر کر کھانا اکثر صوفیائے کرام نے منع لکھا ہے اور تقلیل طعام کو قرب خداوندی میں معاون تحریر فرماتے ہیں مگر یہاں معاملہ برعکس تھا کہ خوب پیٹ بھر کر کھاؤ [1] اور اسلحہ کی مشق کرو اس بات کی تعلیم دی جاتی تھی۔

> "آپ اکثر اسلحہ لگاتے تاکہ دوسروں کو اس کی اہمیت معلوم ہو اور شوق ہو۔ آپ نے ایک مرید کو تفنگ دیا اور کہا' جہاد فی سبیل اللہ کی نیت سے لگاؤ۔ پیٹ بھر کر کھاؤ اور اسلحہ کے استعمال کی مشق کرو۔ اس سے بہتر کوئی فقیری اور درویشی نہیں"۔ [2]

معیار انتخاب

جہاد کا خیال اس قدر رچ بس گیا تھا کہ ان کے انتخاب کا معیار کسی آدمی

1..... اس معاملے میں دونوں اطراف درست تھیں اور ہیں کیونکہ معاملہ تصحیح نیت کا ہے۔ نیت اگر غلط ہو تو بھوکے پیٹ رہنا کچھ نفع نہیں دیتا اور نیت اگر درست ہو تو پیٹ بھر کر کھانا بھی مضر ثابت نہیں ہوتا۔

[2] سیرت سید احمد شہید - 1' ص 167۔

www.ahnafmedia.com

کا جہاد کے قابل ہونا بن گیا تھا۔ اس نظر سے دیکھتے تھے اور تندرستی وتوانائی کا بہترین مصرف جہاد کو قرار دیتے تھے۔ اس دور کے پیرزادے جو نزاکت اور نازونعم کا ایک مرکب تھے انہیں اپنے کام کا قرار نہ دیتے تھے۔ کیونکہ اللہ کے راستے میں جہاد کا تقاضا سخت کوشی وجاں فشانی ہے نہ کہ نزاکت طبع و آرام طلبی مصنف وقائع احمدی تحریر فرماتے ہیں۔ [1]

"آپ کو سب سے زیادہ خیال جہاد کا رہتا تھا۔ جس کو مضبوط وتوانا دیکھتے' فرماتے یہ ہمارے کام کا ہے۔ مورا تین (ضلع نلاہ) کے شمشیر خان' اللہ بخش' شیخ رمضان اور مہربان خان ملاقات کو آئے چاروں بڑے ڈیل ڈول کے نوجوان تھے۔ آپ ان کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور کہا ایسے جوان ہمارے کام کے ہیں۔ پیرزادے لوگ ہمارے کام کے نہیں ہیں اور بہت تعریف کی۔ یہ نوجوان آپ کے اخلاق سے بہت متاثر ہوئے کہ ہم غریب آدمی چار روپے کے سپاہی آپ ہماری اس طرح تعریف کرتے ہیں' بعد میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جہاد میں اپنا کام تم سے بہت لے گا۔ پھر مہربان خان سے کہا اللہ تعالیٰ تم سے اور کام لے گا اور ان تینوں سے اور کام لے گا اور وہ دونوں کام خدا کی مرضی کے ہوں گے۔ [2]

مسلمان افغان زادیاں سکھوں کے گھر میں

سید احمد شہید رحمتہ اللہ علیہ ایک مرتبہ وعظ اور تبلیغ کے سلسلے میں رام پور تشریف لے گئے۔ اس زمانے میں ان کا شہرہ پھیلنا شروع ہو چکا تھا۔ وہاں آپ کی ملاقات پٹھانوں سے ہوئی جنہوں نے ایک بڑا پر درد واقعہ سید صاحب کو سنایا' کہنے لگے۔

1..... ص 440 ج 4 مولانا سید ابوالحسن علی الندوی تحریر فرماتے ہیں کہ "چنانچہ مہربان خان حضرت کے متعلقین کی خدمت کیلئے سندھ میں رہے پھر وہاں ان کے ساتھ ٹونک گئے اور باقی اکوڑہ کے پہلے چھاپے ہی میں شہید ہو گئے" اس اعتبار سے حضرت سید احمد کا کہنا سچ ثابت ہوا تین شہید ہو گئے اور ایک غازی' دونوں کام اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا ذریعہ بن گئے۔ (جب ایمان کی بہار آئی۔ ص 76)

"ہم اپنے اثنائے راہ ملک پنجاب میں ایک کنویں پر پانی پینے کو گئے۔ ہم نے دیکھا کہ چند سکھنیاں یعنی سکھوں کی عورتیں اس کنویں پر پانی بھر رہی تھیں۔ ہم لوگ دیسی زبان نہیں جانتے تھے ہم نے اپنے مونہوں پر ہاتھ رکھ کر ان کو اشاروں سے بتایا کہ ہم پیاسے ہیں۔ پانی پلاؤ تب ان عورتوں نے ادھر ادھر دیکھ کر پشتو زبان میں ہم سے کہا کہ ہم مسلمان افغان زادیاں فلاں علاقے اور بستی کی رہنے والیاں ہیں اور یہ سکھ لوگ ہمیں زبردستی پکڑ لائے اور سکھنیاں بنا کر اپنی جوروئیں کر لیا ہے۔ یہ سن کر ہمیں بہت رنج ہوا کہ مسلمان عورتیں جبراً اس طرح کافر بنائی جائیں۔ اے سید صاحب! آپ ولی اللہ ہیں کچھ ایسا فکر کرو کہ ان کو اس کفر سے نجات ملے۔ تب سید صاحب نے فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ میں عنقریب سکھوں سے جہاد کروں گا"۔

جہاد کے لئے ترتیب وتنظیم

حضرت سید احمد شہید رحمتہ اللہ علیہ نے باقاعدہ جہاد کے لئے کام کرنا شروع کر دیا۔ ملک کے طول وعرض کے دورے کرنے شروع کئے اور ترتیب وتنظیم کے ساتھ ساتھ مختلف حضرات کو خطوط لکھ لکھ کر اپنے اس جہاد کا مقصد بیان کیا اور یہ کوشش فرماتے رہے کہ برصغیر کو غیر ملکیوں کے تسلط سے آزاد کرایا جائے اور مسلمانوں کی عظمت رفتہ کو بحال کرنے کی کوشش کی جائے۔ جہاد میں انہیں کیا منافع نظر آتے تھے اور وہ کن سے جہاد کرنا چاہتے تھے مناسب ہو گا کہ ان سوالات کے جوابات ہم انہیں کے مکتوبات میں دیکھیں' جہاں انہوں نے بار بار اس امر کا شدت سے اظہار کیا ہے کہ ان کا جہاد اور یہ تمام تر تحریک انگریزوں کے خلاف ہے مگر چونکہ اس راہ میں سکھ حائل ہیں اس لئے ان کے ساتھ جہاد کرنا بھی ضروری ہے۔ اس اعتبار سے بیک وقت دو محاذ ان کا ہدف تھے۔

www.ahnafmedia.com

دو ہدف

ایک انگریز جنہیں وہ اپنے مکتوبات میں ہمیشہ "نیلی آنکھوں والے" اور "لمبے بالوں والے" الفاظ سے ذکر کرتے ہیں (اور وہ مقصود اصلی تھے) اور دوسرے سکھ (جو درمیانی رکاوٹ تھے) اس وقت سری نگر، دریائے ستلج، لاہور، جہلم، راولپنڈی، پشاور، نوشہرہ، خوشگی اور دریائے بیاس تک کے علاقے کے حکمران تھے۔ ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

ہمارا جھگڑا امراء و رؤسائے اسلام سے نہیں ہے، بلکہ ہم کو لانبے بال والوں، بلکہ تمام فتنہ انگیز کافروں سے جنگ کرنا ہے نہ کہ اپنے کلمہ گو بھائیوں سے اور ہم مذہب مسلمانوں سے۔

برصغیر پر انگریزی تسلط کے خلاف فرماتے ہیں:

جناب کو خوب معلوم ہے کہ یہ پردیسی سمندر پار رہنے والے دنیا جہان کے تاجدار اور یہ سودا بیچنے والے سلطنت کے مالک بن گئے ہیں، بڑے بڑے اہل حکومت کی حکومت اور ان کی عزت و حرمت کو انہوں نے خاک میں ملا دیا ہے، جو حکومت و سیاست کے مرد میدان تھے، وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں، اس لئے مجبوراً چند غریب و بے سروسامان کمر ہمت باندھ کر کھڑے ہو گئے اور محض اللہ کے دین کی خدمت کے لئے اپنے گھروں سے نکل آئے، یہ اللہ کے بندے ہرگز دنیادار اور جاہ طلب نہیں ہیں۔ محض اللہ کے دین کی خدمت کے لئے اٹھے ہیں، مال و دولت کی ان کو ذرہ بھر طمع نہیں۔

ان کے زمانے میں جہاد جیسے اہم فریضے سے غفلت برتنے کی وجہ سے مسلمان کیسے بے بس ہو گئے تھے اور اہل کفر کو کیسے غلبہ مل رہا تھا، ہندوستان کے شرفاء و علماء و مشائخ کے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

اگرچہ کفار اور سرکشوں سے ہر زمانے اور ہر مقام میں جنگ کرنا لازم ہے، لیکن خصوصیت کے ساتھ اس زمانے میں کہ اہل کفر و طغیان کی

سرکشی حد سے گزر چکی ہے، مظلوموں کی آہ و فریاد کا غل غلہ بلند ہے، شعائر اسلام کی توہین ان کے ہاتھوں صاف نظر آ رہی ہے، اس بنا پر اب اقامت رکن دین، یعنی اہل شرک سے جہاد عام مسلمین کے ذمے کہیں زیادہ موکد اور واجب ہو گیا ہے۔

(بنام شرفاء و سادات و علماء و مشائخ ہندوستان)

سکھوں سے نجات حاصل کرنا بھی ضروری ہے اس لئے کہ اگر عیسائی غیر مسلم ہیں، بنائے اسلام ہدم کرنے کے درپے ہیں تو سکھ بھی تو مشرک ہیں۔ شاہ سلیمان والی چترال کے نام ایک گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

تقدیر سے چند سال سے ہندوستان کی حکومت و سلطنت کا یہ حال ہو گیا ہے کہ عیسائیوں اور مشرکین نے ہندوستان کے اکثر حصے پر غلبہ حاصل کر لیا ہے اور ظلم و بیداد شروع کر دی ہے

ان تمام اقتباسات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ جہاد برصغیر میں انگریزوں کے خلاف تھا اور ہر حالت میں اس خطے میں ایک اسلامی حکومت کا قیام چاہتے تھے۔ اپنے مکتوبات میں جابجا انہوں نے اس خیال کا اظہار بھی کیا ہے۔ اسی طرح ان کی نظر میں ان کے شیخ اور مربی شاہ عبدالعزیز صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا وہ فتویٰ بھی تھا جس میں ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا گیا تھا۔ سید صاحب کی پوری کوشش تھی کہ ہندوستان کی سابقہ کیفیت لوٹ آئے اور یہ مقدس سرزمین دوبارہ دارالاسلام کی حیثیت اختیار کر لے۔ اپنے مکتوبات میں اسی وجہ سے وہ اس تاریخی فتوے کا ذکر بھی کئی مقامات پر کرتے ہیں۔

اس داعی اللہ اور مجاہد فی سبیل اللہ کا اپنا مقصد اس جہاد سے کیا ہے، بالکل واضح اور دوٹوک الفاظ میں تحریر فرماتے ہیں۔

کفر و شرک کی رسومات کا غلبہ ہو گیا ہے اور شعائر اسلام اٹھ گئے ہیں۔ یہ حال دیکھ کر ہم لوگوں کو بڑا صدمہ ہوا، ہجرت کا شوق دامن گیر ہوا۔ دل میں غیرت ایمانی اور سر میں جہاد کا جوش و خروش ہے۔"

www.ahnafmedia.com

جہاد کے لئے اطلاع نامہ

اس مہاجر فی سبیل اللہ اور جس کے دل میں غیرت ایمانی اور سر میں شوق جہاد سمایا ہوا تھا' برصغیر کی ایک ہزار سالہ پچھلی تاریخ اس کی نظیر لانے سے عاجز ہے۔ جہاد کی تیاریاں زور و شور سے جاری تھیں اسی دوران حج کا سفر بھی پیش آ گیا اور واپسی پر 1824ء میں آپ نے اپنے دو جلیل القدر خلفاء مولانا محمد اسماعیل شہید رحمتہ اللہ علیہ اور مولانا عبدالحئی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو اطراف واکناف ہندوستان میں بھیجا تاکہ جہاد کی اطلاع دی جا سکے۔ اس اطلاع نامہ کی عبارت یہ تھی۔

"سکھ قوم عرصے سے لاہور اور دوسری جگہوں پر قابض ہے اور ان کے ظلم کی کوئی حد نہیں رہی۔ انہوں نے ہزاروں مسلمانوں کو بلا قصور شہید کیا ہے اور ہزاروں کو ذلیل کیا ہے۔ مسجدوں میں نماز کے لئے اذان دینے کی اجازت نہیں اور ذبیحہ گاؤ کی قطعی ممانعت ہے۔ جب ان کا ذلت آمیز ظلم و ستم ناقابل برداشت ہو گیا تو حضرت سید احمد ایدہ اللہ بنصرہ نے خالصتاً حفاظت دین کے لئے کئی مسلمانوں کو کابل اور پشاور کی طرف لے جا کر مسلمانوں کو خواب غفلت سے جگایا اور ان کو جرأت دلا کر امادہ عمل کیا۔ الحمدللہ کہ ان کی دعوت پر کئی ہزار مسلمان راہ خدا میں لڑنے کو تیار ہو گئے ہیں اور سکھ کفار کے خلاف 21۔ دسمبر 1826ء کو جہاد شروع ہو گا۔"

رائے بریلی سے روانگی

حضرت رحمتہ اللہ علیہ 17 جنوری 1826ء کو رائے بریلی سے جہاد کے لئے روانہ ہوئے اور سکھ حکومت سے ٹکر لینے کا منصوبہ طے پا چکا تھا ہزاروں ہندوستانی مسلمان آپ کے ہمراہ تھے جو اس مقدس مہم میں حصہ لینے کے لئے اپنے گھر بار چھوڑ کر نکلے تھے۔ گوالیار' ٹونک' اجمیر' مارواڑ' حیدر آباد سندھ' شکارپور'

کوئٹہ' درہ بولان اور قندھار سے ہوتے ہوئے کابل پہنچے۔ اسی سفر میں آپ نے بہاولپور کے قریب پڑنے والا مشہور ریگستان چولستان کا صحرا بھی عبور کیا۔ کابل سے غزنی پھر زرہ خیبر کے راستے پشاور میں داخل ہوئے اور یہاں سے نوشہرہ تشریف آوری ہوئی

رنجیت سنگھ کے نام خط

شرعی دستور کے مطابق نوشہرہ سے آپ نے رنجیت سنگھ کے نام ایک تحریر بھیجی جس میں اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی اور پھر ان شرائط کا ذکر کیا گیا جن میں سے آخری بات میدان جنگ میں اترنے کی تھی۔ "دربار لاہور" اس کا جواب تو کیا دیتا' انہوں نے جنرل بدھ سنگھ کی زیر قیادت ایک لشکر مجاہدین کے مقابلے کیلئے لاہور سے بھیجا اور یوں باقاعدہ جنگ کا آغاز دسمبر 1826ء میں ہوا۔

اکوڑہ خٹک پر شب خون

جنرل بدھ سنگھ کی فوج نے اکوڑہ خٹک پہنچ کر ڈیرے ڈال دیئے۔ حضرت سید احمد شہید رحمتہ اللہ علیہ جب سے ان مجاہدوں کو ہمراہ لے کر چلے تھے' باقاعدہ جہاد کی نوبت نہیں آئی تھی۔ اس موقع پر آپ کے ہمراہ قابل اعتماد اور پختہ کار مجاہد' سات سو (700) تھے مقامی حضرات ان کے علاوہ تھے اور سکھ فوج کی تعداد سات ہزار (7000) تھی گویا کہ ایک اور دس کا معرکہ درپیش تھا۔

آپ نے اس تمام صورت حال کا نہایت باریک بینی سے جائزہ لیا اور دو اہم فیصلے فرمائے ایک تو یہ کہ ساری فوج کو میدان جہاد میں اتارنے کی بجائے صرف چیدہ چیدہ بہادر مجاہدین کو منتخب کر کے معرکہ کارزار میں اتارا جائے اور دوسرے فی الحال براہ راست ٹکر لینے کی بجائے دشمن پر شب خون مارا جائے۔ یہ پہلا حملہ

www.ahnafmedia.com

تھااور آپ کو احساس تھا کہ اس معرکے کی کامیابی اور ناکامی کا آئندہ منصوبوں پر کس قدر گہرا اثر ہو سکتا تھا کامیابی کی صورت میں فوج کے حوصلے بڑھ سکتے تھے اور بصورت ناکامی ایک دل شکستگی کی کیفیت پیدا ہو سکتی تھی اس لئے آپ نے صرف شب خون اور وہ بھی چنے ہوئے مجاہدین کے ذریعے مارنے کا ارادہ فرمایا۔

شوق شہادت

لشکر کے تمام ذیلی سپہ سالاروں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے اپنے دستے کے بہترین مجاہدین کے نام پیش کریں تمام فہرستیں پیش خدمت ہوئیں تو ان میں ایک نام عبدالمجید خان کا بھی تھا جو جہاں آباد رائے بریلی کے باشندے تھے۔ سید صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے ان کا نام کاٹ دیا اور فرمایا انہیں شدید بخار ہے اس لئے انہیں اس چھاپے میں نہ لے جایا جائے۔ وہ بانکا مجاہد یہ خبر سن کر اٹھ کر چلا آیا اور عرض کیا "حضرت آج اللہ کی راہ میں دشمن سے پہلا مقابلہ ہے ایسی بھی بیماری نہیں کہ جہاد میں مانع بن جائے میرا نام مجاہدین کی فہرست میں ضرور شامل فرمادیجئے"۔

سید صاحبؒ نے اس شوق شہادت کو ملاحظہ فرمایا اور ان کا نام دوبارہ چھاپہ مارنے والے مجاہدین کی فہرست میں داخل کر لیا گیا۔

آخر کار روانگی کا وقت آیا سید احمد شہید رحمتہ اللہ علیہ نے دعا مانگی مجاہدین جو رخصت ہو رہے تھے اور جو ان کے بعد باقی رہ جانے والے تھے، تمام آپس میں گلے ملے کہا سنا معاف کرایا اور اکوڑہ خٹک کی طرف روانہ ہوئے۔

سکھ جہاں بھی جنگ کرنے جاتے تھے دشمن سے حفاظت کے لئے اپنے پڑاؤ کے ارد گرد خاردار جھاڑیاں اور درخت کاٹ کر بچھا دیتے تھے تاکہ حملہ آور فوج کو یکلخت ٹوٹ پڑنے کا موقع نہ ملے۔ ان مجاہدین نے ایک جاسوس روانہ کیا کہ پتہ چلا لے دشمن کا کون سا حصہ غیر محفوظ ہے تاکہ وہاں سے حملہ کیا جا سکے۔ تھوڑی

دیر میں خبر آ گئی کہ سکھ فوج فلاں طرف سے غافل ہے۔ مجاہدین کے درمیان وقت طے ہوا اور آدھی رات میں جب گھڑیال نے تین گھنٹیاں بجائیں تو مجاہدین نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور دشمن کی فوج پر جا پڑے۔ سکھ فوج کے پہرے دار اس اچانک افتاد سے گھبرا گئے اور گولیاں چلنا شروع ہو گئیں۔ ایک سکھ پہرے دار کی گولی شیخ باقر علی صاحب کو لگی وقت پورا ہو چکا تھا کہنے لگے "کوئی میرے ہتھیار لے لے یہ اللہ کا مال ہے میرا کام تو ہو گیا مگر اپنی آنکھوں فتح دیکھ لیتا یہ ارمان دل میں باقی رہا" ہزاروں کوس سے جس شہادت کی تمنا میں چلے تھے پوری ہو گئی اور جان جان آفریں کے حوالے کر دی۔

لڑائی کی شدت

شدت کی لڑائی شروع ہو گئی، سکھ جو سوئے ہوئے تھے سمجھ نہیں پا رہے تھے کہ اب کیا کیا جائے۔ رات کا اندھیرا اس پر مزید تھا۔ مجاہدین نے خیموں کی طنابیں کاٹنی شروع کر دیں اور جو بھی اللہ کا دشمن نظر آیا بلا تکلف اس کی گردن اڑانے لگے عبدالمجید خان صاحب جو بخار کی شدت سے اٹھ کر آئے تھے تلوار کے جوہر دکھا رہے تھے پندرہ سکھوں کو جہنم واصل کیا بالآخر خود بھی شہید ہو گئے۔ مولوی امیرالدین صاحب کی شروع سے عادت یہ تھی کہ دو تلواریں ہمیشہ پاس رکھا کرتے تھے۔ انہوں نے بھی خوب بہادری کے جوہر دکھائے۔ حتیٰ کہ عبداللہ بسم اللہ نام کا ایک مخنث تھا جو سید احمد شہید رحمتہ اللہ علیہ سے متاثر ہو کر فوج میں آ گیا تھا اور حضرت نے بھی اس چھاپے میں اسے روانہ کر دیا تھا۔ اس نے ایک برچھی اٹھالی اور سات یا آٹھ سکھوں کو ٹھکانے لگا دیا مجاہدین جنرل بدھ سنگھ کے خیمے تک پہنچ گئے مگر وہ اس رات اپنی فوج میں نہ تھا فقط اس کا خیمہ نصب تھا۔

www.ahnafmedia.com

کامیابی اور شہداء

مجاہدین نے اس قتل عام کے بعد مال غنیمت سمیٹنا شروع کیا اور صبح صادق کے قریب واپس لوٹنے کا اعلان ہوا۔ کامیابی اور مال غنیمت اللہ تعالیٰ کے ان دو انعامات کے ساتھ مجاہدین اپنے قائد سید احمد شہید رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شہداء کی تعداد کی گئی تو معلوم ہوا کہ چھتیس (36) آدمی جو سید صاحب کے ہمراہ ہندوستان سے آئے تھے اور چالیس (40) آدمی جو قندھار سے آپ کے ہمراہ ہو گئے تھے شہید ہوئے ہیں۔ 36 + 40 = 76 جبکہ سکھوں کے آٹھ سو آدمی مارے گئے۔

پہلا چھاپہ جو کامیاب رہا

یہ پہلا چھاپہ تھا جو کامیاب رہا۔ شب خون تھا جس کی دھاک تمام سکھ فوج اور قرب وجوار کے دشمنوں پر پڑ گئی مجاہدین کے حوصلے مزید جوان ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ایک مسلمان کو دس سے زائد سکھوں پر غالب فرما کر اپنی سنت قدیمہ کا اعادہ فرما دیا۔

جنرل بدھ سنگھ جب واپس اپنے لشکر میں لوٹا تو اس غیر متوقع صورت حال سے گھبرا گیا اور اکوڑہ چھوڑ کر شیدو کے قریب خیمے لگوا دیئے۔ وہ مزید پیچھے ہٹنا چاہتا تھا' مگر اٹک اور خیر آباد میں متعین فوج اور قلعہ داروں نے اسے سمجھایا کہ اگر وہ اٹک سے بھی پیچھے چلا جائے گا تو مجاہدین اٹک کے قلعہ پر قابض ہو جائیں گے اور اس طرح ایک نہایت مضبوط مرکز ان کے ہاتھ آ جائے گا۔

حضرو کا چھاپہ

سکھوں کا ایک اور اہم مقام اس علاقے میں حضرو تھا جہاں ان کی تجارتی

منڈی لگا کرتی تھی۔ سید صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے وہاں بھی چھاپہ مارنے کا پروگرام ترتیب دیا۔ خود نگرانی فرمائی اور یہ دوسرا شب خون تھا جو کامیابی کی نوید اپنے ساتھ لایا۔

اس چھاپے میں کچھ مقامی لوگ بھی شریک تھے جن کی ابھی تک دینی تربیت نہیں ہوئی تھی انہوں نے حضرت سید احمد شہید رحمتہ اللہ علیہ کی شریعت پر سختی سے پابندی اور اتباع سنت ابھی نہیں دیکھا تھا اور نہ ہی انہیں جنگ اور مال غنیمت سے متعلق شریعت کے احکامات سے زیادہ واقفیت تھی اس لئے ان سے کچھ بے قاعدگیاں بھی سرزد ہوئیں۔ مگر اس کامیابی کا ایک نہایت اچھا اثر یہ پڑا کہ قرب وجوار کے سردار اور خوانین جوق در جوق سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ اطراف واکناف کے علاقوں میں مجاہدین کی دھاک بیٹھ گئی اور دربار لاہور کو احساس ہونا شروع ہو گیا کہ یہ لوگ کسی اہم اور عظیم مقصد کی خاطر جہاد کر رہے ہیں۔ ان کی حیثیت اس گروہ کی نہیں ہے جو اپنے میں سے کسی ایک کو قائد چن لیتا ہے پھر قتل وغارت گری کا بازار سجایا جاتا ہے اور لوٹ مار کے بعد اپنا مقصد پورا ہونے پر یہ شورش مٹ جایا کرتی ہے۔ سید احمد شہید رحمتہ اللہ علیہ جو در حقیقت برصغیر کو فرنگیوں کے تسلط سے آزاد کرانا چاہتے تھے' اس بات کے شدت سے مدعی تھے کہ مجاہدین اپنی زندگیاں مکمل طور پر اتباع شریعت سے آراستہ کریں۔ لشکر کے علماء کرام نے بالاتفاق یہ فیصلہ کیا کہ ہمیں ایک آدمی کو اپنا امیر اور امام بنانا چاہئے' تاکہ شرعی جہاد جس کے لئے امیر کا مقرر ہونا ضروری ہے' کے تقاضے پورے کئے جا سکیں۔ اس کے حکم سے مال غنیمت کی تقسیم ہو۔ حدود شریعہ کا اجراء کیا جا سکے اور وہ امیر اپنی صوابدید سے کچھ قاضی اور محتسب بھی مقرر کر دیں تاکہ ایک اسلامی حکومت کا نقشہ لوگوں کی آنکھوں میں پھر جائے۔

www.ahnafmedia.com

سید احمد ـــــ امیر المومنین کے عنوان سے

اس مقصد کے لئے سب کی نگاہ انتخاب حضرت سید احمد شہید رحمتہ اللہ علیہ ہی پر پڑی اور گیارہ جنوری اٹھارہ سو ستائیس (11-1-1827ء) بروز جمعرات برصغیر کی تاریخ میں وہ مبارک و مسعود دن تھا جب اس علاقے کے تمام خوانین مشائخ علماء اور عام مسلمانوں نے بیعت کر کے خلافت کے دور کی یاد تازہ کر دی۔ حضرت سید احمد باقاعدہ امیر المومنین تسلیم کر لئے گئے اور عام مسلمانوں سے لے کر خواص یعنی علماء و مشائخ تک نے آپ کی اطاعت وجاں گزاری کے لئے سر تسلیم خم کر دیا۔

شریعت مطہرہ نے انعقاد خلافت وامارت پر جس قدر شدت سے زور دیا ہے مسلمان اس کو فراموش کر چکے تھے اور عامتہ الناس کے قلوب سے یہ احساس مٹتا چلا جارہا تھا کہ خلیفہ اور امیر المومنین کے بغیر کی زندگی گزارنا ایک گناہ کبیرہ ہے' ایک جرم عظیم ہے' جس کا کفارہ ادا کرنا فرض اولین ہے۔ سید احمد شہید نے انہیں یہ احساس دلایا اور اس اجتماعی نافرمانی سے تمام مسلمانوں کو نجات دلائی۔[1]

جمعہ کے خطبے میں باقاعدہ امیر المومنین سید احمد کا نام پڑھا جانے لگا منبر سے ان کے لئے دعا ہونے لگی اور سید صاحب نے قاضیوں کا تقرر کرنا بھی شروع کر دیا تاکہ تمام قوانین شریعت کے مطابق ہوں اور تمام فیصلے اس ہی کے تابع ہوں۔

ہندوستان کے حضرات جو اس مبارک موقع کے منتظر تھے اور باقاعدہ حکومت

---

[1] انعقاد خلافت کی فرضیت کے سلسلے میں کچھ دلائل تو آئندہ صفحات میں آرہے ہیں اور مزید دلائل کے لئے حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب ازالۃ الخفا کے ابتدائی 55 صفحات اور شرح المقاصد للتفتازانی کی مبحث خلافت ملاحظہ کی جائیں۔

شریعہ کا قیام چاہتے تھے انہیں بھی اطلاع دینا ضروری تھی اس موقع پر حضرت سید احمد شہید رحمتہ اللہ علیہ نے بغرض اطلاع جو خط تحریر کرایا اس کا ترجمہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از فقیر سید احمد بخدمت فضائل مآب مناقب اکتساب

سلام مسنون و دعائے قبول کے بعد واضح ہو کہ اللہ کا شکر و احسان ہے کہ فقیر اپنے تمام رفقاء کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمایت و حفاظت سے خیر و عافیت کے ساتھ اضلاع یوسف زئی پہنچا۔ شہر شکارپور تک فقیر کے کوچ و مقام کی روداد آپ تک پہنچ چکی ہوگی۔ اس کے بعد بھاگ شال اور درہ ڈھاڈر سے عافیت کے ساتھ گزرتا ہوا شہر قندھار میں پہنچا سات روز وہاں قیام کر کے کابل کا عزم کیا راستے میں راسخ العقیدہ مسلمان اور مخلص اہل ایمان' کیا امیر کیا غریب کیا چھوٹے کیا بڑے کمال محبت و مودت اور اخلاص و اتحاد سے پیش آئے' جب ہم دارالسلطنت کابل پہنچے تو وہاں کے باشندے اور اطراف و جوانب کے سادات کرام' علمائے عظام' مشائخ ذوی الاحترام اور رؤسائے عالی مقام اور ہر طرح کے خواص و عوام بڑے ذوق و شوق سے ملاقات کرتے تھے' ان ایام میں سرداران کابل کے درمیان کچھ جنگ و جدل تھا' فقیر نے ان کے نزاع کو دور کرنے کے لئے ایک مہینہ سات دن قیام کیا' جب مصالحت کی کوئی صورت نہ نکلی تو پشاور کی جانب کوچ کر دیا' اثنائے راہ میں پہلے ہی کی طرح بلکہ اس سے کچھ زائد ہی مخلص مسلمانوں کا ہجوم تھا' وہاں سے پشاور پہنچے اور اہل شہر سے ملاقات کی' دو تین روز وہاں ٹھہر کر موضع ہشت نگر میں آئے' چند روز وہاں قیام کر کے وہاں کے اہل ایمان کو اقامت جہاد اور ازالہ کفر و فساد کی دعوت دی۔ خدائے قدیر کی مہربانی سے ان اطراف و اکناف کا ایک جم غفیر اس عبادت کی ادائیگی اور اس سعادت کے حصول کے لئے جمع ہو گیا تھا' وہاں سے موضع خوشحالگی میں آنا ہوا

www.ahnafmedia.com

جہاں سے نوشہرے پہنچے اور چند روز قیام کا ارادہ کر لیا' اس اثنا میں سکھوں کا ایک لشکر' جو سات ہزار سوار و پیادہ کی تعداد میں تھا' رنجیت سنگھ کے چچازاد بھائی بدھ سنگھ کی سرکردگی میں موضع اکوڑہ میں پہنچ گیا جو موضع نوشہرہ سے سات کوس کے فاصلے پر واقع ہے' اگرچہ مجاہدین اور سکھ لشکر کے درمیان ایک دریا حائل تھا جو لنڈے کے نام سے مشہور ہے' لیکن ہر ایک کا دوسرے پر رعب طاری تھا' اس وقت مصلحت کا تقاضا ہوا کہ مجاہدین و مہاجرین کے ایک گروہ کو راتوں رات دریا عبور کرا کے مخالفین پر شبخون مارنے کے لئے روانہ کیا جائے' چنانچہ مجاہدین 20- جمادی الاولیٰ 1242ھ کو بوقت صبح اہل کفر پر ملائکہ عذاب کی طرح جا پڑے اور دفعتاً ان لوگوں کے سر پر پہنچ گئے جو بالکل غافل تھے' توپ بندوق بالکل بے کار ہو گئیں۔ تلواریں چلنے لگیں اور موت کا بازار گرم ہو گیا۔ آٹھ سو کے قریب سکھ مارے گئے اور بہت سے خطرناک طور پر زخمی ہوئے' بہت سلاح اور ہتھیار ایک ہزار گھوڑے یال غنیمت میں آئے چند مجاہدین بھی درجہ شہادت کو پہنچے' یہ مجاہدین کے لئے ایک بڑی فتح اور مخالفین کے لئے بڑی ہزیمت تھی' اس کے بعد مجاہدین اپنے پڑاؤ پر بخیر و خوبی واپس آ گئے چند روز کے بعد موضع نوشہرہ سے کوچ کر کے موضع ہنڈ میں آئے' جو دریائے سندھ کی گزرگاہ ہے۔ دوسری بار لشکر مجاہدین کے کچھ لوگوں نے دریائے سندھ عبور کر کے راتوں رات حضرو پر چھاپہ مارا' جو سکھوں کا ایک مرکز اور دولت مندوں کا ایک اڈہ ہے۔ کچھ لوگ تلوار کی نذر ہوئے' کچھ گرفتار ہو کر آئے۔ اس مرتبہ بہت بڑا مال غنیمت' جس میں نقود و اجناس تھیں' عام لوگوں کے ہاتھ لگیں۔ لوگ پندرہ سولہ لاکھ روپے کا اندازہ کرتے ہیں' بدھ سنگھ کے لشکر نے دونوں مرتبہ اہل ایمان کی شجاعت اور مجاہدین کی جوانمردی دیکھی اور مرعوب ہو کر اپنی فرودگاہ سے دور جا ایک دوسری جگہ بہت بڑا سنگر لگایا۔ اس خط کے تحریر کے وقت وہ اس سنگر کے اندر مقیم و مقید ہے۔ کمک پہنچ جانے کی امید پر اس نے بھاگ جانے کا سہارا نہیں لیا ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ ہر

مرتبہ مجاہدین کا لشکر ایک بے سری فوج اور عام بلوائیوں کی طرح تھا اور کوچ اور مقام میں کہیں کوئی نظم نہیں تھا' اس لئے مال غنیمت شرع شریف کے قانون کے مطابق تقسیم نہ ہو سکا۔ اس بنا پر تمام مسلمانوں نے جو موجود تھے' جن میں سادات علماء' مشائخ' امرا اور خواص و عوام تھے' بالاتفاق اس بات کو کہا کہ جہاد کا قیام اور کفر و فساد کا ازالہ امام کے تقرر کے بغیر مسنون اور شرعی طریقے پر انجام نہیں پا سکتا' اس بنا پر 12- جمادی الاخرہ 1242ھ کو ان سب نے اس فقیر کے ہاتھ پر بیعت امامت کی اور اس کی اطاعت کا عہد کیا جمعہ کے روز خطبہ بھی اس فقیر کے نام پڑھا گیا' انشاء اللہ اس رکن رکین کے ادا کرنے کی برکت سے جس پر دین کے اکثر احکام کا مدار ہے' فتح و نصرت ظاہر ہو گی یہ حالات کی مختصر روداد تھی' اس تحریر سے فقیر کی غرض یہ ہے کہ کام کا وقت سر پر آ گیا ہے اور معرکہ کارزار درپیش ہے ہر صاحب ایمان اور ہر مسلمان کو جسے اللہ نے اطاعت و انقیاد کی دولت عطا فرمائی ہے' اس وقت لازم ہے کہ جس طرح ممکن ہو فقیر کے پاس پہنچ جائے اور مجاہدین اور مہاجرین کے زمرے میں شامل ہو جائے۔ اگرچہ یہ سلسلہ انجام کو پہنچ کر رہے گا۔ وکان حقاً علینا نصر المومنین (30 - 47) اور اللہ کے وعدے کے مطابق یہ دین متین تمام ادیان پر غالب ہو کر رہے گا لیکن جو شخص اس معرکے میں خود حاضر ہو گا' وہ سعادت سے مشرف ہو گا اور دوسروں سے سبقت لے جائے گا اور جو اس معاملے میں کاہلی اور سستی سے کام لے گا' وہ کل قیامت میں کف افسوس ملے گا

حاکمان پشاور کی بیعت

پشاور جو اس وقت سردار یار محمد اور سلطان محمد خان کے پاس تھا اور سکھ حکومت نے انہیں وہاں اپنا نمائندہ مقرر کر رکھا تھا ان کے خطوط بھی سید احمد شہید رحمتہ اللہ علیہ کو ملے اور انہوں نے باقاعدہ سید صاحب کو امیر المومنین کی حیثیت سے تسلیم کر لیا۔ کچھ خوانین اور سرداروں نے اس موقع پر سردار یار محمد خان کی

www.ahnafmedia.com

طبیعت کا سید صاحب کو بتایا کہ وہ ایک دنیا پرست آدمی ہے' اس کی بات قطعاً قابل اعتبار نہیں مگر سید صاحب نے فرمایا دل کا حال تو اللہ ہی جانتا ہے لیکن وہ اطاعت کا اظہار کر رہا ہے تو ہمیں اس کا اعتبار کر لینا چاہئے۔

نظام خلافت کیوں ضروری ہے؟

سرحد اور افغانستان کے کچھ علماء نے سید صاحب کے امیر المومنین ہونے پر کچھ اعتراضات کئے جن کا جواب حضرت نے خطوط کی صورت میں تحریر کرایا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اہل انصاف وہدایت سے پوشیدہ نہیں کہ اہل کفر وضلال کے ساتھ جو جنگ وجدال اور قتل وقتال ہوتا ہے' اگر محض مال وعزت اور حکومت وریاست حاصل کرنے کے لئے ہو تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا کچھ اعتبار نہیں اور اگر نصرت دین اور اعلائے کلمۃ اللہ اور ترویج سنت نبوی ﷺ کے لئے ہو تو اس کو عرف شرع میں جہاد کہتے ہیں' اور وہ تمام عبادات میں افضل اور تمام طاعات سے اکمل ہے کہ کوئی عبادت رفع درجات اور تکفیر سیات میں اس کے مساوی نہیں' جیسے آیۃ کریمہ۔

فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝

(۴: ۹۵-۹۶)

اور اللہ نے بیٹھے رہنے والوں سے لڑنے والوں کو اجر عظیم میں زیادہ کیا ہے جو کہ درجے ہیں اللہ کی طرف سے اور بخشش ہے اور مہربانی ہے

سے معلوم ہوتا ہے' پس اس کے لئے ضروری ہے کہ یہ فرض قانون شریعت کے مطابق ادا کیا جائے تاکہ آخرت میں وسیلہ نجات اور دنیا میں مثمر ثمرات اور نزول رحمت یزدانی اور تائید آسمانی کا باعث ہو' جہاد کے لئے سب سے بڑی شرط امام کا مقرر کرنا ہے' چنانچہ آیت ہے۔

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ۔

(۴: ۵۹)

اور اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول ﷺ کی اور تم میں سے جو حاکم ہوان کی۔

وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ

(۴: ۸۳)

اور اگر یہ (اپنے کام کو) لوٹائیں رسول ﷺ کی طرف اور ان حاکموں کی طرف جو ان میں سے ہیں۔

اور حدیث میں ہے

" من لم یعرف امام زمانہ
فقد مات میتۃً جاھلیۃً "

جس نے اپنے زمانے کے قائد کو نہیں پہچانا وہ جہالت کی موت مرا۔

اور حدیث

صلوا خمسکم وصوموا اشھرکم و
اطیعوا ذا امرکم، تدخلوا جنۃ ربکم۔

پانچوں وقت کی نماز پڑھو اور رمضان کے روزے رکھو اور جب تمہیں حکم دیا جائے اسے مانو اپنے پروردگار کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

اور حدیث

" من قتل تحت رایۃ عمیاء
فقد مات میتۃً جاھلیۃً "

جو بغیر کسی جھنڈے کے نیچے آئے مر گیا' تو وہ جہالت کی موت مرا۔

ایک اور حدیث میں ہے

من خرج من بیتہ مجاھداً اصلح ذات البین

www.ahnafmedia.com

وأطاع الامام فنومه ويقظته حسنة ومن خرج وأفسد في الارض ولم يطع الامام، فلم يرجع كفافاً "

جو اپنے گھر سے جہاد کی نیت سے نکلا اور اپنے امام کی اطاعت کی تو اس کا سونا اور جاگنا سب نیکیاں ہیں اور جو اپنے گھر سے نکلا اور زمین میں فساد مچایا اور امام کی اطاعت نہ کی تو وہ جب لوٹے گا ثواب لیکر واپس نہ ہو گا۔ اسی طرح بے شمار آیات واحادیث پر دلالت کرتی ہیں، چونکہ اقامت جہاد اور ازالہ کفر و فساد اس زمانے میں کہ اہل کفر و طغیان کی شورش کا زمانہ ہے عام مسلمانوں کے ذمے واجب موکد ہو گیا ہے، پس امام کا مقرر کرنا بھی ان پر واجب موکد ہے۔

اللہ کا شکر و احسان ہے کہ اس نے اپنے فضل سے اس فقیر یعنی سید احمد کو پہلے اشارات غیبی و الہامات لاریبی سے اس منصب شریف سے مشرف فرمایا، چنانچہ بروز پنج شنبہ بتاریخ 12۔ جمادی الاخرہ 1242ھ مخلص مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت نے جس میں خادی خان، اشرف خاں، فتح خاں، سعادت خاں، بہرام خاں اور علماء سادات اور خوانین تھے، اس فقیر کے ہاتھ پر بیعت امارت کی اور فقیر کو اپنا امام قرار دیا اور اس کی امامت و ریاست کو تسلیم کیا اور اطاعت کا حلقہ اپنی گردنوں میں ڈالا اور اسی مہینے کی 13۔ تاریخ کو جو جمعہ کا دن تھا، خطبے میں فقیر کا نام داخل کیا، انشاءاللہ عنقریب اس سنت کی ادائیگی کی برکت سے مظفر و منصور ہوں گے۔

ان مسلمانوں کو بھی جو یہاں موجود نہیں لازم ہے کہ جہاد کے لئے اور کفر و فساد کے مٹانے کے لئے کمر ہمت باندھیں اور اس فقیر کی امامت کی بیعت اس کے نائبوں، مثلاً سعادت مآب کمالات انساب اخوی اعزی شیخ صابر صاحب کے ہاتھ پر کریں اور پوری توجہ، دلچسپی اور بلند ہمتی سے جہاد میں مشغول ہوں اور فقیر کے نام کا خطبہ پڑھیں تاکہ کفار سے جنگ اور جمعہ و عیدین کی نماز مشروع طریقے پر ہوں اور دنیا و آخرت میں ثمرات جلیلہ اور اجور جزیلہ کی موجب ہوں "۔

اور اسی موقع پر مولانا محمد اسماعیل رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تاریخی کتاب "منصب امامت" تحریر فرمائی[1]

متحدہ ریاست کی تشکیل

سید صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی اس عمومی بیعت نے اس تمام علاقے کو ایک متحدہ ریاست کی صورت دیدی۔ شرعی نظام کو زندہ کرنے کی کوششیں شروع کر دی گئیں اور قاضیوں کا تقرر شروع کر دیا گیا۔ خوانین اور قبائل کی صدیوں پرانی غیر شرعی رسمیں ٹوٹنے لگیں اور فیصلے شریعت مطہرہ کے مطابق کئے جانے لگے۔ بعض کینہ پرور اور بدباطن سردار اس اچانک پیش آمدہ واقعہ سے گھبرا اٹھے اور بظاہر مختلف وجوہات کی بناء پر اگرچہ سید صاحب سے بیعت کر لی تھی مگر دل سے خوش نہ تھے اور چاہتے تھے کہ جاہلیت کا وہی نظام جس میں ان کی سرداری اور جاہلانہ قوانین کو تحفظ حاصل تھا لوٹ آئے۔ کھل کر مخالفت کرنا ان کے بس کی بات نہ تھی کیونکہ سید صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے جو قبولیت عام عطا فرمائی تھی علاقے کا بچہ بچہ اپنے دل کو سید صاحب کی محبت اور احترام سے معمور پاتا تھا۔ تیرہ باطن حاسدین کے دل میں اندر ہی اندر یہ لاوا پکتا رہا۔

معرکہ شیدو

اسی اثناء میں سید صاحب کو اطلاع ملی کہ حاکمان پشاور سردار یار محمد خان اور سلطان محمد خان جن کے متعلق لوگ پہلے ہی شکوک و شبہات کا اظہار کر چکے تھے

---

[1] "منصب امامت" ان چند ایک کتابوں میں سے ایک ہے جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو ایک امیر کی اطاعت، اس کا انتخاب اور شریعت کے اس حکم کو قائم کرنا کس قدر ضروری ہے۔ دنیا اور آخرت کی کس قدر کامیابیاں اور کامرانیاں اس حکم کی اتباع میں مضمر ہیں۔ کوئی انسان جو اس منصب کے عملی انعقاد یا اس کی برکات سے آگاہ ہونا چاہتا ہو ہم نہیں سمجھتے کہ اس کتاب کا مطالعہ کئے بغیر اپنے مقصد تک پہنچ سکے۔

www.pdfbooksfree.pk

نوشہرہ سے پانچ میل کے فاصلے پر اپنے اسلحہ سمیت حاضر ہوئے ہیں اور جہاد میں شرکت کے لئے سید صاحب کے حکم کے منتظر ہیں۔ اسی طرح نوشہرہ میں دریائے کابل سے پار درانیوں کا بھی قبیلہ تھا جو اپنے توپ خانے سمیت سید صاحب کے حکم کا منتظر تھا۔ ان کی تعداد اسی ہزار (80000) کے قریب بنتی تھی اور سید صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے ان تمام حضرات کو اپنے ساتھ لے کر شیدو کی طرف کوچ کرنا شروع کر دیا۔

سکھ شیدو پہنچ چکے تھے اور مقابلے کے لئے دربار لاہور کی ہدایات کے مطابق پوری طرح تیاری کر چکے تھے۔

سید احمد شہید رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ اس موقع پر افرادی قوت کتنی تھی؟ تمام مورخ اس بات پر متفق ہیں کہ لشکر اسلام کی جمعیت اس موقع پر ایک لاکھ (100000) افراد پر مشتمل تھی۔ یوسف زئی سردار' درانی اور حکومت پشاور میدان جنگ میں ایک اہم عنصر تھے' اگر حاکمان پشاور کے دلوں میں اس موقع پر ذرا بھی خوف خدا ہوتا اور وہ اپنی ہوس کی بھینٹ تمام لشکر کو نہ چڑھاتے تو سرحد کی کایا پلٹ جاتی' لاہور کا دربار ماتم کدہ بن جاتا اور برصغیر کی تاریخ ایک نیا رخ اختیار کر لیتی۔

غداری ایک ناسور

سکھوں کے کمانڈر جنرل بدھ سنگھ کو احساس ہو گیا کہ ان حضرات سے ٹکر لینا کچھ آسان کام نہیں اس مشکل کو حل کرنے کے لئے جنگ شروع ہونے سے پہلے جنرل بدھ سنگھ نے پشاور کے حاکموں سے ملاقات کی اور انہیں مختلف انعامات واعزازات کا لالچ دے کر نہ صرف اس بات پر آمادہ کر لیا کہ اگر مسلمانوں کو فتح ہونے لگے تو یہ اپنے فوجی دستے اور درانی قبائل دونوں عین اس

موقع پر میدان جنگ چھوڑ دیں گے اور جیتی ہوئی جنگ فتح کی بجائے شکست میں تبدیل ہو جائے گی بلکہ کسی طرح سے سید صاحب کو زہر دے دیا جائے تاکہ یہ قصہ ہی پاک ہو جائے۔

صبح حق و باطل کے درمیان فیصلہ کن معرکہ تھا۔ مورخ خاموش کھڑا حیرت انگیز نظروں سے دیکھ رہا تھا کہ کل کا دن کس باب میں رقم کرے۔

امیر المومنین کو زہر دے دیا گیا

رات کا آخری کھانا امیر المومنین نے تناول فرمایا جو حسب معمول درانیوں کے لشکر سے آیا تھا۔ کھچڑی اور گنڈیریاں بھیجی گئی تھیں۔ کھانے کے بعد چند ایک گنڈیریاں چوسیں اور طبیعت بگڑ گئی۔ قے شروع ہوئی اور بے ہوشی طاری ہونے لگی۔ لمحہ بہ لمحہ حالت نازک ہوتی جا رہی تھی اور یار محمد خان حاکم پشاور کا دیا گیا زہر اپنا اثر دکھا رہا تھا۔

رات بھر یہ کیفیت رہی لیکن مسلسل قے ہو جانے کی وجہ سے زہر کا اثر ہلکا ہو رہا تھا۔ طبیعت حد درجہ نڈھال تھی مگر صبح ہونے پر یہ فیصلہ فرمالیا کہ میدان جنگ میں بہر صورت جانا ہے۔ مولانا اسماعیل شہید رحمتہ اللہ علیہ مسلسل آپ کی خدمت میں رہے۔ سکھوں کے ساتھ مجاہدین کی ٹکر ہوئی اور اس طرف کے حملے کا پہلا ہلہ ہی اتنا شدید تھا کہ سکھوں سے توپ خانہ چھین لیا گیا۔ توپیں چلنا بند ہو گئیں اور کچھ ہی دیر بعد لوگوں نے سید صاحب کو مبارک باد دینا شروع کر دی کہ اللہ تعالیٰ نے لشکر اسلام کو فتح نصیب فرمائی۔

طے شدہ منصوبے کے مطابق عین فتح کے موقع پر پشاور کا حاکم اور درانی اپنے سواروں کو لے کر پیچھے پلٹے تاکہ سکھوں کو یہ تاثر دیا جا سکے کہ مسلمان ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ صورت حال ایک دم سے ڈرامائی انداز میں تبدیل ہوئی اور

www.ahnafmedia.com

مجاہدین جو سینکڑوں ہزاروں میل کا فاصلہ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے طے کر کے آئے تھے اس تبدیلی پر حیراں و سراسیمہ رہ گئے۔ بھاگتے ہوئے سکھوں کے قدم جم گئے اور انہوں نے مجاہدین کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ پشاور کی فوج اور درانی بالکل ایک طرف کو ہٹ گئے اور یوں جیتی ہوئی جنگ ہار میں بدل کر رہ گئی۔

مورخ نے مسلمانوں کی تاریخ میں غداری کے ایک سیاہ ترین نئے باب کا اضافہ کر دیا۔

غداری کا جھنڈا

یہ حقیقت ہے جس سے آنکھیں چرانا مشکل ہے کہ مسلمانوں کو جب بھی ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا ہے اس میں غیروں سے زیادہ اپنوں کی "کرم فرمائیاں" جلوہ گر رہی ہیں کوئی بھی سازش اس وقت تک کامیاب نہیں ہوا کرتی جب تک کہ خود اپنے گھر کے بھیدی لنکا ڈھانے میں شریک نہ ہو جائیں۔ یہ حقیقت اگرچہ تلخ ہے مگر تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

یہ امت غداری جیسے مہلک مرض میں مبتلا نہ ہو جائے اسی خدشے کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل از وقت تنبیہ فرمائی تھی کہ [1]

وکان فیما قال الا انه ینصب لکل غادر لواء یوم القیامة بقدر غدرته ولا غدرة اعظم من غدرة امام عامة یرکزلواٰه عند استه۔

اور نبی کریم ﷺ یہ بھی فرماتے تھے کہ قیامت کے دن ہر ایک بے وفا اور غدار کی رسوائی ظاہر کرنے کے لئے اس کے پاس اتنا ہی بڑا جھنڈا گاڑا جائے گا جتنی بڑی غداری اس نے کی ہوگی۔ اور لوگو یاد رکھو کوئی بے وفائی اور غداری اپنے امیر سے بے وفائی اور غداری سے بڑی نہیں اور

[1] جامع ترمذی۔ باب ما اخبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم اصحابہ بما ہو کائن الی یوم القیامة ابواب الفتن۔ ج 2 ص 48

اس بے وفا اور غدار کا جھنڈا اس کے بالکل قریب اس کے ساتھ ہی گاڑا جائے گا (تاکہ اس کی خوب رسوائی ہو اور لوگ اس غدار کو پہچان لیں)۔

جنرل بدھ سنگھ کے ساتھ جو کچھ طے ہو چکا تھا پورا ہو گیا اور مجاہدین جو نہایت اخلاص سے اس جہاد میں شریک تھے تتر بتر ہو گئے۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ کی خوشی

مسلمانوں کے اس انتشار اور پراگندگی کی خبر جب رنجیت سنگھ کو ملی تو خوشی سے جھوم اٹھا سکھوں کی فتح پر جشن منانے کا حکم دیا گیا۔

تبلیغ دین و تحریک کے مختلف مراکز

سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے بعد چارسدہ تشریف لے گئے اور وہاں اپنی تحریک کو منظم کرتے رہے۔ پھر وہاں سے سوات اور بونیر کا رخ فرمایا جہاں اللہ کے ہزارہا بندوں نے آپ کے ہاتھ پر توبہ کی اور اللہ تعالیٰ سے نیکی اور تقویٰ کا راستہ استوار کیا۔

اس کے بعد آپ نے ہزارہ کو اپنی تبلیغ اور جہاد کی سرگرمیوں کا مرکز بنایا اور سکھوں اور ان کے افغان ساتھیوں پر ڈمگلا اور شنکیاری میں مولانا محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے کامیاب چھاپے مارے اسی اثناء میں ہندوستان سے علماء کرام اور مجاہدین کی ایک بڑی تعداد بھی پہنچ گئی اور جو رقوم ہندوستان سے بھیجی گئی تھیں ان کی وجہ سے مجاہدین کی مدد کا مسئلہ بھی کسی حد تک حل ہو گیا۔

درانی جو شیدو کی جنگ میں غداری کا داغ دے چکے تھے ان کی سرکوبی کے لئے آپ چارسدہ تشریف لے گئے اور وہاں بھی ان کے خلاف میدان جنگ جیت لیا۔

اس کے بعد آپ نے بخارا (روس) کی طرف نو (9) آدمیوں پر مشتمل ایک

www.ahnafmedia.com

وفد بھجوایا اور وہاں کے حاکم کے لئے ایک قلمی قرآن مجید کا نسخہ جس پر سونے سے کام کیا گیا تھا اور کچھ مزید تحائف روانہ کئے۔ عام عوام اور شاہ بخارا کو اس بات کی دعوت دی کہ جہاد کے اس مقدس اور اہم فریضے میں وہ سید صاحب کا ساتھ دیں اور اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی اور احیاء کے لئے ان کا ہاتھ بٹائیں۔

نظام خلافت کی برکات و ثمرات

اس کے بعد سید صاحب نے دوبارہ سوات کا رخ کیا اور خیبر کے علاقہ میں دوبارہ جہاد اور تبلیغ کا کام شروع کیا گیا۔ پنج تار کے علاقے میں مجاہدین کی چھاؤنی قائم کر دی گئی اور سید احمد صاحب کے امیر المومنین ہونے پر دوبارہ بیعت کی گئی۔ سید صاحب نے احتساب اور قضاء کے نظام پر خصوصی توجہ فرمائی اور مختلف علاقوں میں ممتاز اہل علم و فضل کو قاضی اور محتسب کے عہدے پر مقرر فرمایا۔ اس نظام کو قائم کرنے کا نتیجہ کیا نکلا؟ ہم اس کی صرف ایک مثال یہاں تحریر کرتے ہیں۔ سید محمد میر صاحب کو آپ نے پنج تار کے علاقہ میں قاضی القضاۃ مقرر کیا انہوں نے جو کارنامے انجام دیئے وہ یہ تھے کہ

احکام شریعہ نافذ کئے گئے نزاعات شرع اسلامی کی روشنی میں طے کئے جانے لگے۔ تارکین نماز اور فساق و فجار کی تادیب کے لئے محتسب مقرر کئے گئے اور اس نظام کی برکتیں جلد ظاہر ہونا شروع ہوئیں۔ دین کا اقتدار اور شوکت و عزت قائم ہوئی سو سال سے لوگوں نے جو حقوق غصب کر رکھے تھے اور جن زمینوں اور املاک پر قبضہ کر رکھا تھا وہ سب مستحقین کو واپس ملیں۔ جن لوگوں کے حقوق چھینے گئے تھے یا جس کی آبروریزی ہوئی تھی انہوں نے داد خواہی کی اور اپنے حقوق حاصل کئے۔ اس نظام نے تھوڑے دن میں وہ کر دکھایا جو بڑی بڑی منظم حکومتیں نہیں کر سکتیں۔ اس احتساب و نگرانی کا اثر یہ ہوا کہ لوگ ادائیگی فرائض

میں پوری طرح مشغول ہو گئے یہاں تک کہ پورے پورے گاؤں میں ایک آدمی بھی ڈھونڈے سے نماز کا تارک نہ ملتا۔ غرض بہت عرصہ کے بعد دین نے سربلندی و قوت حاصل کی اور اس کا رعب و دبدبہ لوگوں کے دلوں پر قائم ہوا۔

معرکہ پھلڑہ

اسلامی اور شرعی نظام حکومت قائم کرنے کے ساتھ ساتھ امیر المومنین جہاد سے قطعاً غافل نہیں ہوئے۔ مختلف جگہوں پر مجاہدین کی ٹولیاں سکھوں سے برسرپیکار رہیں تاکہ اس عبوری طاقت سے ٹکر لے کر ان کی جمعیت پر کاری ضرب لگائی جائے اور انہیں آئندہ ابھرنے کا موقع نہ دیا جائے اور اس کے بعد وہ قوم جو سمندر پار سے تجارت کے لئے آئی تھی "نیلی آنکھوں" اور "لمبے بالوں والے" ان کے تسلط سے برصغیر کو آزاد کرایا جا سکے۔

مانسہرہ سے دس میل دور موضع "پھلڑہ" جہاں آج کل ایک نہر "سرن" نامی بہتی ہے میں سکھوں اور مجاہدین کی زبردست جنگ ہوئی۔ امیر المومنین کے بھانجے سید احمد علی بھی اس میں شریک تھے۔ اپنی جگہ پر ڈٹ گئے اور سکھوں کو مردانگی اور جرات کا سبق سکھلایا۔ بندوق سے مسلسل فائرنگ کرتے رہے اور جب بندوق جواب دے گئی تو میدان میں بالکل سامنے آ کر سکھوں کو للکارا اور بندوق کے کندے سے داد شجاعت دینے لگے۔ جس شہادت کی غرض سے رائے بریلی سے چلے تھے وہ منزل "پھلڑہ" پہنچ کر پالی۔ امیر المومنین سید احمد شہید رحمتہ اللہ علیہ کو اطلاع دی گئی تو فرمایا "الحمدللہ" پھر یہ بتلایا گیا کہ تمام کے تمام زخم چہرے پر آئے ہیں تو آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ بار بار فرماتے تھے 'الحمدللہ' 'الحمدللہ'۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کا ارشاد بالکل صحیح اور درست ہے۔

www.ahnafmedia.com

من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ فمنھم من قضیٰ نحبہ و منھم من ینتظروا ما بدلوا تبدیلا۔ الاحزاب 32/33

ان مومنین میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ انہوں نے جس بات کا اللہ سے عہد کیا تھا اس میں سچے اترے پھر بعضے تو ان میں وہ ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے اور بعضے ان میں منتظر ہیں اور انہوں نے ذرا تغیر و تبدل نہیں کیا۔

تلوار کا دھنی

ان مجاہدین میں ایک میر احمد علی بہاری بھی تھے جن کا نشانہ تمام فوج میں ضرب المثل تھا' اڑتی چڑیا کو نشانہ پر لے لیتے تھے۔ لوگ نشانے کی درستگی میں ان کا نام لیتے تھے۔ معرکہ شروع ہوا تو انہوں نے فائر کرنے شروع کئے اور ایسے چن چن کر سکھوں کو ہلاک کیا کہ دشمن کا حوصلہ ٹوٹ گیا۔ ان کی سمجھ میں یہ نہیں آرہا تھا کہ اس بندوق کا منہ کیسے بند کیا جائے۔ سکھوں نے اپنے شہ سواروں کو بھیجا اور آہستہ آہستہ ان کے گرد دشمن کے فوجیوں کا پورا جال بن گیا۔ ان کے پاس بھی بارود ختم ہو چکا تھا بندوق پھینک دی اور باہر نکل کر لوگوں سے کہنے لگے' "اللہ کا واسطہ دیتا ہوں مجھ پر گولی نہ چلانا پہلے میری تلوار کے جوہر بھی دیکھ لو کہ میں کیسی شمشیر بازی کرتا ہوں۔ پھر جو چاہے سو کر لینا۔ میرا وعدہ ہے کہ اس دائرے سے باہر نہیں نکلوں گا"

دشمن کے جوان بھی مان گئے اور تلوار چلنا شروع ہوئی وہ یوں پینترے بدل رہے تھے جیسے تلوار نہیں ان کے ہاتھ بچوں کا کھلونا لگ گیا ہے۔ سر کٹنے شروع ہوئے اور کلائیوں نے بازوؤں کا ساتھ چھوڑنا شروع کیا لوگ حیران تھے کہ یہ جنگ کر رہا ہے یا کسی کھیل میں شرکت کے لئے آیا ہے۔ مگر وہ کب تک یہ

برداشت کرتے اور اپنے جوانوں کے سر کٹاتے آخر کار ایک گولی چلی اور انہیں شہادت کے اعزاز سے نوازتی ہوئی سینے کے دوسری طرف سے نکل گئی۔

مسئلے کا حل

مہاراجہ رنجیت سنگھ اس مسئلے کے حل کے لئے سنجیدگی سے سوچنے لگا دربار لاہور کے ہر سردار کو فکر لاحق ہوئی کہ اگر اس تحریک کو ابھی نہ دبایا گیا تو پورا ملک ہاتھ سے نکل جائے گا۔ مہاراجہ نے ایک چال چلنے کا منصوبہ بنایا اور اپنے عزیز سردار وزیر سنگھ اور حکیم عزیز الدین کو اپنا سفیر قرار دے کر امیر المومنین کی خدمت میں روانہ کیا۔ ایک خط بھی تحریر کیا جس میں ابتداء" تو حضرت سید احمد کے لئے نہایت بلند القاب استعمال کئے گئے تھے اور اس کے بعد کا مضمون یہ تھا کہ اگر سید احمد ہم سے مفاہمت کر لیں تو دریائے سندھ سے بائیں طرف کا علاقہ جس پر فی الحال ان کا قبضہ ہے اور اسلامی حکومت قائم ہے اس کے وہ مالک رہیں اور دائیں طرف کے علاقے کا خیال چھوڑ دیں یا یہ کر لیں کہ دریائے اٹک سے پار وہ علاقہ جس میں پشاور اور افغانستان تک کا حصہ شامل تھا یہ تمام علاقہ اور وہاں کی آمدنی جو نو لاکھ (900000/-) روپے پر مشتمل تھی سب کے تن تنہا مالک تصور کئے جائیں گے۔ مگر مزید پیش قدمی کا ارادہ نہ کریں اور اگر یہ دونوں شرائط نامنظور ہوں تو وہ خود لاہور تشریف لے آئیں اور تمام فوج کے کمانڈر ان چیف (CNC) کا عہدہ انہیں دے دیا جائے گا۔ اس طرح کل سپاہ ان کے قبضے میں ہو گی۔ وہ جیسے چاہیں گے استعمال کر سکیں گے۔ ان شرائط کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ امیر المومنین کے پاؤں کس مضبوطی سے جم رہے تھے اور مہاراجہ رنجیت سنگھ اس حقیقت کو تسلیم کر رہا تھا کہ اب اس علاقے سے اسلامی حکومت کو ختم کرنا یا امیر المومنین کی افواج کا میدان جنگ میں مقابلہ کرنا اس کے بس کی بات نہیں رہی تھی۔

www.ahnafmedia.com

سفارت کی ناکامی

امیرالمومنین نے ان سفراء کی آؤبھگت کی۔ کھانے کا بہترین بندوبست کیا اور ان کی رہائش کے لئے بھی خصوصی انتظامات کروائے مگر ان تمام شرائط کو ماننے سے قطعی انکار کر دیا۔ جوابی خط مہاراجہ رنجیت سنگھ کے نام لکھوایا۔ اسے سب سے پہلے اسلام کی دعوت دی اور پھر اپنی آمد کا مقصد بتایا اور یہ واضح کیا کہ جہاد کو چھوڑ دینا اللہ کے حکم کو پامال کر دینے کے مترادف ہے جس کی توقع ان سے ہرگز نہ کی جائے۔ اس خط کے چند ایک فقرات ہم یہاں نقل کرتے ہیں جس سے ان کے عزائم 'اللہ کے دین کی سربلندی اور جہاد فی سبیل اللہ کے لئے تڑپ 'اخلاص اور اعلیٰ وارفع مقاصد کا پتہ چلتا ہے۔ لکھتے ہیں۔

"ہم جو مسلمانوں کے اس ملک میں اتنے لوگوں کے ساتھ آئے ہیں تو نہ تو کسی کی ریاست چھیننے کی غرض سے آئے ہیں نہ ملک گیری کے شوق میں۔ ہم تو محض جہاد فی سبیل اللہ اور اعلاء کلمتہ اللہ کے واسطے آئے ہیں جو رنجیت سنگھ اتنے ملک دینے کا لالچ دیتا ہے 'اگر وہ تمام ملک دے تب بھی ہم کو غرض نہیں ہے البتہ اگر وہ مسلمان ہو جائے تو ہمارا بھائی ہے۔ اللہ کی تائید سے جو ملک ہمارے ہاتھ لگے ہیں 'ہم اس کو دے دیں اور جو اس کا ملک ہے وہ بھی اس کے پاس رہے"۔

یہ سفارت ناکام ہو کر واپس چلی گئی۔

جنرل ونٹورا کی آمد

دوسری طرف مہاراجہ رنجیت سنگھ کی فوج کا منجھا ہوا بہترین فرانسیسی جنرل ونٹورا (VINTORA) بھی دریائے سندھ عبور کر کے پہنچ چکا تھا۔ جنرل ونٹورا کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ یہ اٹلی کا ایک معزز باشندہ تھا اور نپولین کی فوج میں اٹلی اور سپین میں مصروف کار رہا تھا۔ نپولین کی شکست کے بعد یہ فرانس سے نکل کھڑا ہوا اور

فوجی زندگی گزارنے کی تلاش میں مصر اور ایران چلا گیا جب وہاں بھی خاطر خواہ ماحول نہ ملا تو اس نے افغانستان کا رخ کیا اور اس واسطے سے وہ پنجاب اور پھر رنجیت سنگھ کے دربار میں پہنچ گیا۔ رنجیت سنگھ نے اس کی پوری قدردانی اور حوصلہ افزائی کی۔ آہستہ آہستہ اس نے رنجیت سنگھ کے دربار میں اپنا مقام بنالیا اور یہاں تک کہ حکومت خالصہ میں رنجیت سنگھ پہلی شخصیت اس کا نائب دوسری شخصیت اور جنرل ونٹورا تیسری شخصیت تصور کی جاتی تھی۔ مختلف زبانوں پر اسے دسترس حاصل تھی اور خاص طور سے فارسی زبان بہت اچھی طرح بولتا اور سمجھتا تھا۔

موت پر بیعت

اس آمد سے قبل بھی ایک مرتبہ جنرل ونٹورا کا اور امیرالمومنین سید احمد شہید نوراللہ مرقدہ کا میدان جنگ میں مقابلہ ہو چکا تھا۔ وہ ایسا موقع تھا جس میں امیرالمومنین نے حدیبیہ کی یاد تازہ کر دی تھی۔ اس اجمال کی تفصیل یوں ہے کہ مولانا اسماعیل شہید رحمتہ اللہ علیہ نے مسجد میں کھڑے ہو کر وہ آیات پڑھیں جو سورۂ فتح میں صلح حدیبیہ کے سلسلے میں نازل ہوئی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے درخت کے نیچے بیعت کرنے والے اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی رضا کا پروانہ عنایت فرمایا ہے پھر ان کا ترجمہ اور تشریح بیان کی۔ آیات بیعت رضوان کی اور اس پر بیان مولانا اسماعیل شہید رحمتہ اللہ علیہ کا 'آگ سی لگ گئی اور لوگ امیرالمومنین کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو ٹوٹ پڑے۔ آپ کو معلوم ہے یہ بیعت کس بات پر ہو رہی تھی؟ موت پر! وہ موت جس کے نام سے کلیجہ منہ کو آتا ہے اور لوگوں کے پتے پانی ہو جاتے ہیں اسی موت کو حاصل کرنے کے لئے لوگ حضرت سید احمد شہید کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے۔

سب سے پہلے مولانا اسماعیل شہید نے اپنا ہاتھ امیرالمومنین کے ہاتھ پر رکھا اس کے بعد فوج کے دوسرے عمائدین نے اپنا اپنا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر رکھا پھر

www.ahnafmedia.com

جب جگہ نہیں مل رہی تھی تو فوجیوں نے ایک دوسرے کی پشت اور کندھوں پر ہاتھ رکھ کر سید صاحب سے موت پر بیعت کے الفاظ دھرانا شروع کر دیئے۔

تعلیمات نبوی

کیا یہ سب اثر سید احمد کا تھا؟ نہیں بلکہ ان تعلیمات کا تھا جو ان کے جد امجد صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری امت کو دی تھیں اور جن پر امیر المومنین کامل اخلاص کے ساتھ عمل پیرا تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کو صرف دو حالتوں کی تعلیم دی تھی یا تو وہ اللہ کے لئے 'اللہ کے راستے میں لڑ کر شہادت کے مقام پر فائز ہو جائے اور یا پھر مسلم معاشرے میں غازی بن کر سینہ تان کر چلے۔ کامیابی و کامرانی کو شہادت کے خون میں ڈبو دیا تھا اور عزت و عظمت کو نیزے کی آنی میں رکھ دیا تھا۔ انہوں نے ہر ایک کو یہ سبق پڑھا دیا تھا کہ عزت سر بلند رکھ کر چلنے میں ہے۔ بزدلی 'غداری 'ہوس دنیا اور اپنے مقصد سے بے وفائی وہ عیوب ہیں جو انسانی شخصیت کو کھوکھلا کر دیتے ہیں۔ ان مصائب سے نفرت کی تلقین فرمائی تھی اور محلات کو تلواروں کے سائے میں دکھا دیا تھا حوروں کے خیمے مقتل میں گاڑ دیئے تھے اور اللہ کی رضا اور اپنے مقصد کے حصول سے وفاداری اور لگن گھٹی میں ڈال دی تھی۔

جنرل ونٹورا کی پسپائی

جنرل ونٹورا کو موت پر بیعت کی اطلاع مل چکی تھی اور اس نے مجاہدین کو دور بینوں سے دیکھ کر ان کی تعداد کا کچھ اندازہ کر لیا تھا۔ اگرچہ اس کا اندازہ غلط تھا مگر پنجتار میں جب ٹکر ہوئی تو یہ مجاہدین جو کسی اکیڈمی کے تربیت یافتہ نہیں تھے 'جنہوں نے کسی باقاعدہ اور منظم فوج میں رہ کر تربیت حاصل نہیں کی تھی۔ جن کا قائد فوجی اعتبار سے جنرل ونٹورا کی طرح تربیت یافتہ نہ تھا 'سکھوں پر سبقت لے

گئے۔ [1] اور فرانسیسی جنرل کو پسپائی اختیار کرنی پڑ گئی۔

اس شکست کی وجہ سے جنرل ونٹورا کو امیر المومنین کی صلاحیتوں اور ان کے رفقاء کار کی اپنے مقصد کیلئے غیر معمولی تڑپ اور لگن کا اندازہ ہو گیا تھا۔ چنانچہ اب دوبارہ آمد پر اس نے یہ خواہش ظاہر کی کہ امیر المومنین اپنی فوج کے کسی ایسے آدمی کو ملاقات کیلئے روانہ فرمائیں جس سے اس مسئلے کے لئے گفتگو کی جا سکے۔

مذاکرات

امیر المومنین نے مولانا خیر الدین شیر کوٹی کا اس مقصد کیلئے انتخاب کیا اور وہ اس تمام لشکر میں نہایت زیرک اور معاملہ فہم آدمی سمجھے جاتے تھے بعد کے حالات و واقعات نے یہ بات ثابت کر دی کہ امیر المومنین کی نگہ انتخاب چنداں غلط آدمی پر نہ پڑی تھی مولانا خیر الدین صاحب شیر کوٹی جب ملاقات و مذاکرات کے لئے گئے تو اس خیمے میں سکھ فوج کے دو ممتاز غیر ملکی جنرل 'جنرل ونٹورا اور جنرل الارڈ منتظر تھے اس موقع پر ان عمائدین کے درمیان جو گفتگو ہوئی ہمیں افسوس ہے کہ طوالت کے خوف سے ہم اسے یہاں نقل نہیں کر رہے مگر یہ امر واقعہ ہے کہ مولانا خیر الدین گفتگو میں واضح طور پر حاوی اور غالب نظر آتے تھے جنرل ونٹورا نے کئی مواقع پر انہیں لاجواب کرنے اور دھوکہ دینے کی کوشش کی مگر مولانا نے سچائی سے کام لیا خداداد ذہانت کو بروئے کار لائے اپنی صلاحیتوں کے بہترین جوہر دکھائے اور جنرل الارڈ اور جنرل ونٹورا کے پاس اس اعتراف کے سوا کچھ باقی نہ رہا کہ یہ شاہین زیر دام آنے والی نسل سے تعلق نہیں رکھتے اس گفتگو کے دوران جنرل ونٹورا نے چاہا کہ کسی طرح چکمہ دے کر مولوی صاحب کو

---

[1] یہ حقیقت ایک مرتبہ پھر واضح ہو رہی ہے افغانستان میں مجاہدین کے سامنے روس کی بہترین اور مسلح تربیت یافتہ افواج اتاری گئیں مگر تاریخ نے اپنا فیصلہ مجاہدین کے حق میں دے دیا۔ جو کسی اکیڈمی کے تربیت یافتہ نہ تھے اور جن کی "افواج" اس درجہ کی منظم نہ تھیں جتنا کہ فریق مخالف مگر وما علینا الا البلاغ۔

www.ahnafmedia.com

تحائف اور ہدایہ کے تبادلے کی رسم میں پھنسالے اور مہاراجہ رنجیت سنگھ اور امیرالمومنین آپس میں تبادلہ تحائف کی رسم اختیار کرلیں مولوی صاحب نے جواب دیا کہ یہ آپ کی غرض ہے تو اس سلسلے میں آپ پہل کریں امیرالمومنین بلند حوصلہ ہیں، عالی ہمت ہیں ضرور آپ کے تحفوں کا جواب دیں گے مگر خلیفتہ المسلمین امیرالمومنین جب تحفہ عنایت فرماتے ہیں تو کسی کو جبہ، کسی کو پگڑی اور کسی کو ٹوپی یا رومال وغیرہ عطا فرماتے ہیں۔ ان کے ہاں بہت قیمتی اسلحہ بندوقیں وغیرہ بھی ہیں ممکن ہے وہ بھی عنایت فرمادیں۔

گھوڑا یا گدھا

جنرل ونٹورا یہ چاہتا تھا کہ کسی طرح امیرالمومنین اپنا گھوڑا عنایت فرمادیں کیونکہ اس زمانے میں جب کسی علاقے کا حاکم اپنا گھوڑا دوسرے حاکم کے حوالے کر دیا کرتا تھا تو یہ اس بات کی علامت اور نشان سمجھا جاتا تھا کہ دینے والے نے دوسرے حاکم کی اطاعت قبول کرلی ہے اور آئندہ اپنے علاقے سے خراج وصول کر کے اس حاکم کی خدمت میں پیش کرے گا اور اپنے آپ کو اس حاکم کا ماتحت بنا کر آئندہ اس کے احکامات کی تعمیل کرے گا۔

جنرل ونٹورا کا خیال تھا کہ اگر مولوی صاحب اس بات پر آمادہ ہوگئے تو امیرالمومنین کا گھوڑا مہاراجہ رنجیت سنگھ کی خدمت میں بھیج کر یہ مشہور کر دیا جائے گا کہ سید احمد صاحب نے مہاراجہ کی اطاعت قبول کرلی ہے۔ جنرل ونٹورا نے جب مولوی صاحب کی زبانی امیرالمومنین کی عنایات وعطایا کا تذکرہ سنا تو کہنے لگا مولوی صاحب ہم پگڑی اور جبہ لیکر کیا کریں گے؟ ہاں اگر امیرالمومنین گھوڑا عنایت فرمادیں تو یہ معقول تحفہ ہے۔

مولانا اپنی زیرکی اور دانشمندی سے اس معاملہ کی تہ تک پہنچ گئے کہ اس غیر

ملکی کے کیا عزائم ہیں اور گھوڑا لینے کیلئے کیوں بات چلائی جارہی ہے۔ جنرل ونٹورا نے جب گھوڑا لینے پر اصرار شروع کیا اور ہر مرتبہ اس کی بات اسی تان پر ٹوٹتی تھی کہ امیرالمومنین تحفے میں گھوڑا عنایت فرمائیں تو مولوی صاحب نے جس جرات سے جواب دیا ان کا وہ جواب جذبہ ایمانی، اہل لشکر کی ہمت وشجاعت اور ان مجاہدین کے بلندی عزائم کا آئندہ دار ہے۔ اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ امیرالمومنین نے اپنی اس مقدس جماعت کی تربیت کس رنگ اور ڈھنگ سے کی تھی۔ فرمانے لگے۔

"جنرل صاحب اس بات کو بار بار دہرانے سے کچھ فائدہ نہیں گھوڑا تو گھوڑا ہم تو تمہیں اپنا گدھا بھی نہیں دیں گے۔ ہمارا تو اپنا ارادہ یہ ہے کہ تمہیں اپنا ماتحت بنائیں۔ تم سے جزیہ اور خراج وصول کریں یہ خوش فہمی کب سے ہوگئی ہے کہ ہم تمہارے ماتحت بن کر زندگی گزاریں گے اور تمہیں خراج ادا کریں گے؟"

مولانا خیرالدین صاحب شیر کوٹی اس کے بعد اٹھ کر چلے آئے اور یوں دربار لاہور جو اس مرد قلندر اور اس کے ساتھیوں کو اپنا ماتحت بنا کر رکھنا چاہتا تھا ایک مرتبہ پھر ناکام ہوگیا۔

ایک معرکہ منافقین کے ساتھ بھی

دوسری طرف والی پشاور یار محمد خان "زیدہ" کی جنگ میں مجاہدین کے ہاتھوں مارا جاچکا تھا۔ اس کا دوسرا بھائی سلطان محمد خان ہر صورت اپنے بھائی کے خون کا انتقام لینا چاہتا تھا اور یہ دونوں وہ غدار تھے جنہوں نے شیدو کی جنگ میں امیرالمومنین کو زہر دینے اور اسلامی لشکر کو تباہ کن حالات سے دوچار کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں اٹھا رکھی تھی۔

سلطان محمد خان نے امیرالمومنین سے ٹکر لینے کا فیصلہ کرلیا اور ان تمام خوانین اور علاقے کے عمائدین کو ساتھ ملالیا جو اپنی بدطینت سرشت کی وجہ سے امیرالمومنین

www.ahnafmedia.com

سید احمد شہیدؒ کی دشمنی میں پیش پیش تھے۔

پشاور کی فوج نے پیش قدمی شروع کر دی اور مردان کے قریب موضع "ہوتی" میں ڈیرے ڈال دیئے [1]۔ سید احمد شہید امیر المومنینؒ نے بھی اپنے لشکر کو آگے بڑھایا اور "تورو" میں قیام پذیر ہو گئے۔

امیر المومنین اس جنگ سے ہر صورت میں خلاصی اختیار کرنا چاہتے تھے۔ کیونکہ دونوں طرف سے لڑنے والی افواج مسلمان تھیں۔ انہوں نے اس بات کی کوشش کی کہ یہ دونوں فوجیں آپس میں متحد ہو جائیں اور سکھوں سے ٹکر لی جا سکے مگر یہ کوشش ناکام ہو گئی۔ آپ نے سلطان محمد خان کو کئی ایک خطوط لکھے اور کئی حضرات کو اس کے پاس بھیجا کہ وہ اس غلط ارادے سے باز آ جائے اور وہ بھائی جو ایسی ہی حرکتوں کا مرتکب ہو کر مجاہدین کی گولیوں اور تلوار کا نشانہ بنا تھا۔ اس نے ان تمام نمائندوں کی بات چیت کو رد کر دیا اور امن و آشتی کے ہر پیغام کو نہایت سختی سے مسترد کرتا چلا گیا۔

امیر المومنین نے آخر کار جب کوئی چارہ کار نہ رہا تو جہاد کی تیاری کا حکم دے دیا تورو اور ہوتی کے درمیان مایار کے مقام پر جنگ لڑنے کا فیصلہ کر لیا گیا۔

تصحیح نیت

مایار کی جنگ شروع ہونے سے پہلے ایک نوجوان جس کا ڈیل ڈول بتاتا تھا کہ کسی اونچے خاندان سے تعلق رکھتا ہے اور صحت و جوانی بھی قابل رشک تھی حاضر ہوا اور کہنے لگا امیر المومنین کو ایسے جوان جو قربانی کے جذبے سے سرشار اور صحت و ظاہری اسباب و معیار پر پورے اترتے ہوں' اپنی امنگوں کے صحیح ترجمان نظر آتے تھے۔ امیر المومنین سے بالکل کھلے لفظوں میں بات کرنے لگا۔ ایسی

[1] "ہوتی" اب بھی وہاں ایک مشہور قصبہ ہے اور وہاں کا ایک خاندان سالہا سال تک پاکستان پر کسی نہ کسی طور حکومت کرنے والے افراد میں شریک رہا ہے۔

بات جس میں کوئی اشتباہ اور ابہام نہیں تھا۔

"امیر المومنین جس دن سے میں گھر سے نکلا ہوں آج تک میرا یہ خیال تھا کہ آپ میرے عزیز ہیں اور میں آپ کے ساتھ رہ رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ جب آپ کو کوئی عہدہ دے گا مجھے بھی کچھ مل جائے گا۔ اتنا عرصہ نہ تو اللہ تعالیٰ کو راضی رکھنے کی نیت سے گزارا اور نہ ہی اسے کار ثواب جانا۔ مگر اب اس غلط خیال سے توبہ کرتا ہوں اور دوبارہ آپ کے دست مبارک پر اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے کی نیت سے بیعت کرتا ہوں اور میرے لئے دعا بھی کر دیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اس نیت اور ارادہ پر ثابت قدمی عنایت فرمائے"

یہ نوجوان جسے تمام لشکر والے سید ابو محمد کے نام سے پکارتے تھے تیر' تلوار' بندوق تمام آلات جنگ چلانا جانتا تھا' خوبصورت اور عمدہ کپڑے کی پگڑی باندھنے کا اتنا شوقین تھا کہ پندرہ سے زائد مختلف طریقے کی تو صرف پگڑی باندھ لیتا تھا۔ بہترین گھڑ سوار تھا تصحیح نیت کی غرض سے بیعت کر رہا تھا۔ حاضرین نے یہ سچا جذبہ اور اپنی خطاؤں کا اقرار اور رجوع یوں دیکھا تو آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ سید صاحبؒ نے جہاد کی بیعت لی' پرانے خیالات سے توبہ کروائی اور ثابت قدمی کی دعا دی۔ دعا کے بعد سید ابو محمد نے امیر المومنین سے ہاتھ ملایا اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ با آواز بلند کہنے لگے "لشکر والو اس بات پر گواہ رہنا کہ آج تک ہم گھوڑے پر اپنی شان و شوکت کے اظہار کے لئے اپنے نفس کو خوش کرنے کے لئے سوار ہوتے تھے مگر اب محض اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے' اس کی رضا حاصل کرنے' اس کی راہ میں جہاد کرنے اور ثواب حاصل کرنے کیلئے سوار ہو رہے ہیں"

جس لشکر میں ایسے ایسے باکمال و بے لوث مجاہدین شامل ہوں وہ منافقین کے مقابلے میں کیسے پٹ سکتا تھا۔

www.ahnafmedia.com

بعدازاں میدان جنگ میں لڑے اور بہت دلیری اور بانکپن کا مظاہرہ کیا۔ دشمن کی فوج میں گھس گئے گہرے زخم کھائے اور زمین پر گر گئے تڑپنے لگے ان کے ساتھی انہیں اٹھا کر "تورو" کی ایک مسجد میں لے آئے۔ اپنے ہونٹ چاٹ رہے تھے اور بار بار اپنے پروردگار کا شکر ادا کر رہے تھے۔ الحمد للہ' الحمد للہ کے الفاظ ورد زبان تھے اور کوئی بات نہیں کر رہے تھے۔ اتنے میں کسی نے آکر امیرالمومنین کی فتح کی خبر سنائی تو بار بار الحمد للہ کا ورد کیا۔ کون جان سکتا ہے کہ وہ اللہ کا شکر اس فتح پر ادا کر رہے تھے یا شہادت کی محبوب منزل سے ہم آغوش ہونے پر۔ یہی الفاظ دہراتے رہے یہاں تک کہ مالک حقیقی کے حضور میں پہنچ گئے۔

سید صاحب امیرالمومنین صرف دنیوی انتظامات کے لئے ہی نہیں تھے ان کی صحبت کی برکات نے لوگوں میں تصحیح نیت کا جذبہ پیدا کر دیا تھا۔ وہ اس لشکر کے قائد تھے جس لشکر میں انہوں نے عشق رسالت اور اتباع سنت کے چلن کو عام کر دیا تھا۔ ہر ہر فرد کو رسول اللہ ﷺ کے طریقے پر مرمٹنے والا بنا دیا تھا۔ اور شریعت جس نے موت کو حیات جاوداں اور شہادت کا خوبصورت لباس پہنا دیا تھا' ان کے لئے طریقہ حیات بن گئی تھی۔

تعمیر کردار

اب بھی اس بات کی ضرورت ہے کہ ہمارا ایک ایک فرد اپنے کردار کی تعمیر کرے اپنے ارادوں کو آرزوؤں کو شریعت کی حدود کا پابند رکھے۔ اپنی زندگی اور موت دونوں کو اللہ کے لئے وقف کرے اور رسول اللہ ﷺ کی سنن مبارکہ کا اتباع اس کی فطرت میں ایسے رچ بس جائے جیسے سورج کی روشنی میں حرارت اور گلستان کے پھولوں میں خوشبو۔

نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو وہ سبق سکھلایا جس کی بنیاد پر انہوں نے آخرت کو

دنیا پر ترجیح دینی شروع کر دی اور وہ موت جس کے خوف سے لوگ گھروں میں چھپتے پھرتے تھے صحابہ رضی اللہ عنہم ببانگ دہل اس کی تمنا کرنے لگے تھے۔ ان کی کایا ایسی پلٹی کہ۔

زندگانی کے پجاری موت پر مرنے لگے
اور لوگ پیغام اجل کی آرزو کرنے لگے

مذہبی جنگ

مایار کی اس جنگ میں فریق ثانی سلطان محمد خان اور اس کے بھائی پوری طرح مسلح ہو کر جنگ لڑنے آئے تھے۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے قرآن کریم پر سب نے ہاتھ رکھ کر قسم اٹھائی کہ جنگ جیتیں گے اور اس "فتنے" کی ہر حال میں سرکوبی کریں گے۔ اپنی بقیہ فوج کو اشتعال دلانے اور اسے ایک مذہبی جنگ ظاہر کرنے کیلئے انہوں نے ایک چال یہ بھی چلی کہ دو نیزوں پر ایک کپڑا بندھوا کر ان نیزوں کو نصب کر دیا گیا اور ان کی شکل ایک محراب کی سی بنا دی گئی۔ اس کپڑے کے بیچ میں ایک قرآن رکھوا دیا اور پورے لشکر کو یہ حکم دیا کہ اس کپڑے اور قرآن کریم کے نیچے سے گزریں گے اور عملاً یہ قسم اٹھائیں گے کہ یہ جنگ ہم نے جیتنی ہے۔ اس طرح امیرالمومنین کے خلاف اٹھنے والے لوگوں کو مزید جوش و خروش بھی دلایا گیا۔ اور اس جنگ نے ایک مذہبی جنگ کی صورت اختیار کر لی۔

امیرالمومنین سید احمد شہید نور اللہ مرقدہ بھی لشکر سمیت میدان جنگ میں اتر چکے تھے یہ لڑائی ان کی آخری لمحہ تک کوشش رہی کہ نہ ہو اور مسلمان مسلمانوں سے نہ ٹکرائیں مگر منافقین کی سازش اپنا رنگ دکھا رہی تھی اور سلطان محمد خان کا لشکر اس آگ میں کودنے کیلئے بے تاب تھا۔

www.ahnafmedia.com

آغاز جنگ

پشاور کا یہ لشکر آٹھ ہزار (8000) سوار اور چار ہزار (4000) پیادوں پر مشتمل تھا۔ جبکہ مجاہدین کے لشکر میں تین ہزار (3000) پیادے اور پانچ ہزار (5000) سوار تھے۔ امیر المومنین نے فجر کی نماز پڑھائی اور جہاد کے آغاز سے پہلے ہدایات دے کر ابھی دعا میں مصروف تھے کہ ایک مجاہد نے آکر اطلاع دی کہ دشمن نے جنگ کا طبل بجا دیا ہے۔

امیر المومنین نے جنگ شروع کرنے کا حکم دیا اور مجاہدین نے مولانا خرم علی بلہوری کی ایک نظم جو "قصیدہ جہادیہ" کہلاتی تھی پڑھنی شروع کی گولی چلنے لگی اور توپوں کی گھن گرج میں مجاہدین ان منافقین کی صفوں میں گھس گئے۔

امیر المومنین پر اس فریضے کی ادائیگی میں خوشی کی وجہ سے سرور طاری تھا بہادری اور دلیری میں اپنے ساتھیوں سے ممتاز نظر آتے تھے۔ دائیں اور بائیں دو رفیق کار رکھے تھے جو بندوق بھر بھر کر دیتے تھے اور آپ تاک تاک کر نشانہ لگا رہے تھے۔ گھوڑے پر سوار تھے اور ایک پیادہ دستے نے چاروں طرف سے آپ کو حفاظتی اقدامات کے تحت گھیرے میں لے رکھا تھا۔ درانی اس انتظار میں تھے کہ کوئی موقع میسر ہو اور امیر المومنین کو شہید کیا جا سکے۔ جو دستہ آپ کی حفاظت پر متعین تھا اس نے درانیوں کے اس ارادے کو بھانپ لیا اور حضرت سے درخواست کی کہ وہ اگر گھوڑے سے اتر کر جہاد میں حصہ لیں تو جنگی نقطہ نظر سے یہ پہلو زیادہ احتیاط پر مبنی ہے سید صاحب چونکہ نمایاں نظر آ رہے تھے اس لئے درانی آسانی سے توپ سے آپ کو نشانہ بنا سکتے تھے۔ امیر المومنین نے یہ مشورہ مان لیا اور پیدل ہو کر لڑنے لگے۔ دشمن کو جب یہ اندازہ ہو گیا کہ امیر المومنین کو دور سے نشانے پر لینا ممکن نہیں رہا تو ان میں سے ایک غول نے هله بول دیا اور ٹھیک اس حفاظتی دستے پر جا پڑے جو امیر المومنین کے گرد متعین تھے بار بار یہ جملہ دہرا

رہے تھے۔

سید کجا است' سید کجا است سید کہاں ہے؟ سید کہاں ہے؟

جب اتنے قریب ہو گئے کہ ان میں اور سید صاحب میں چالیس' پچاس (40 - 50) قدم کا فاصلہ رہ گیا تو آپ نے با آواز بلند تکبیر کہی اور فائر کھول دیا۔ مجاہدین نے تلواریں چلانی شروع کر دیں اور ہوا میں سر اور کلائیاں اڑنے لگیں۔ چیخ وپکار کا ایک شور برپا ہو گیا اور کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

توپ خانے پر قبضہ

مولانا اسمٰعیل شہیدؒ بے خوف و خطر دشمنوں میں جا گھسے اور جو جتھہ ان کے ساتھ تھا انہوں نے بہادری کا حق ادا کر دیا۔ دشمن کا توپ خانہ مولانا اسمٰعیل شہید اور حافظ ولی محمد نے قبضے میں لے لیا اور توپوں کا رخ دشمنوں کی طرف پھیر دیا۔ امیر المومنین توپ خانہ مل جانے پر بہت خوش تھے۔ وہاں پہنچ گئے اور توپیں چل رہی تھیں کہ ایک توپ میں کچھ خرابی پیدا ہو گئی آپ نے سب کام چھوڑ کر توپ کو درست کرنا شروع کر دیا اور مجاہدین کو جنگ جاری رکھنے کا حکم برابر دیتے رہے۔ یہاں تک کہ توپ ٹھیک ہو گئی اور دوبارہ داغی جانے لگی۔

صالح اور متقی مجاہد

سید صاحب کے ہمراہ جو سوار تھے برابر شجاعت کے جوہر دکھا رہے تھے ان میں سے ایک کالے خان آفریدی بھی تھے۔ داڑھی منڈاتے تھے اور بسا اوقات ایسی بات بھی کر دیتے تھے جو اہل لشکر کو پسند نہ ہوتی تھی۔ مگر ان تمام باتوں سے سید صاحب درگزر فرماتے تھے اور انہیں اپنے ہمراہ رکھتے تھے۔ ایک دن انہوں نے داڑھی منڈائی اور امیر المومنین رحمتہ اللہ علیہ تشریف لے آئے۔ آپ نے ان کی ٹھوڑی پر ہاتھ پھیرا اور صرف یہ فرمایا کالے خان تمہاری ٹھوڑی کیسی چکنی ہے

www.banafsajdia.com

کالے خان خاموش ہو گئے لیکن امیر المومنین کے اس کہنے میں خدا معلوم کیا جادو تھا کہ آئندہ وقت میں حجام آیا اور جب داڑھی مونڈنے لگا تو فوراً بولے اس ٹھوڑی پر حضرت کا ہاتھ لگ گیا ہے اب یہاں تیرا استرہ نہیں چلے گا۔ داڑھی رکھ لی جوانی کی تمام شوخیاں سرد پڑ گئیں اور صالحیت اور تقویٰ شعار بن گیا۔

کالے خان معرکہ مایار میں بھی امیر المومنین کے ہمراہ تھے۔ امیر المومنین کی نظر پڑی تو انہیں بلایا اور اپنا ایک خاص گھوڑا انہیں عنایت فرما دیا۔ یہ اپنے شیخ اور مربی کی عطا پر امیر المومنین کی عنایت پر دیوانے ہو گئے خوشی سے جھوم اٹھے گھوڑے پر سوار ہو گئے اور کہنے لگے حضرت اب تو انشاء اللہ "اپنا سر توپ میں دے دوں گا۔ گولے سے ٹکرا جاؤں گا"۔

مجاہدین کی صفوں میں چلے گئے اور انہیں کہنے لگے اپنی صفوں کو سیدھا کر لو بھائی دیوار بن جاؤ اور پھر ان کا قول پورا ہو گیا۔ دشمنوں نے حملہ کیا لڑائی ہوئی اور اس دوران ایک توپ کا گولہ ان کے پاس آ کر پھٹا اور اس کے ٹکڑے جسم کے ایک ایک حصے میں پیوست ہو گئے۔ شدید زخمی تھے کہ دوست اٹھا کر مایار کی ایک مسجد میں لے گئے جان کنی شروع ہو گئی۔ اور زبان پر بار بار صرف ایک ہی لفظ آ رہا تھا اللہ 'اللہ اور صرف ایک ہی سوال پوچھ رہے تھے کہ لڑائی کا کیا بنا۔ جواب دیا گیا کہ ابھی مقابلہ جاری ہے پھر بار بار پوچھتے رہے اور آخر ہدایت اللہ بانس بریلی نے اطلاع دی کہ امیر المومنین کو فتح ہوئی ہے۔ یوں لگتا تھا جیسے اسی خبر کے منتظر تھے۔ خوشخبری پر الحمد للہ کہا اور فوراً ہی جان اللہ کے حوالے کر دی۔ گویا کہ اپنے آقا کی فتح کے منتظر تھے اور روح منتظر تھی کہ اس خوش کن اطلاع کے بعد اپنے قدیم مسکن کو خیرباد کہے۔

امیر المومنین ـــــ جنگ کے نگران

امیر المومنین بنفس نفیس اس جنگ کی نگرانی کر رہے تھے اور مجاہدین کو لڑوا

رہے تھے۔ آخر کار حکم دیا کہ تمام اسلحہ میدان جنگ میں جھونک دیا جائے اور خود توپ خانے پر تشریف لے گئے اور توپچی کو حکم دیا کہ درانیوں کے جھنڈے کو نشانہ بناؤ وہ کب سے اس کوشش میں تھا لیکن کامیابی نہیں ہو رہی تھی۔ آپ خود توپ کے قریب بیٹھ گئے نشان صحیح کیا ایک پیچ کو درست کیا اور جب نشانے سے مطمئن ہو گئے تو گولہ چلانے کا حکم دیا اس کے بعد مسلسل تین گولے پھینکوائے اور درانیوں کا جھنڈا اور ان کا نشان زمین بوس ہو گیا۔ اسلحہ تو پہلے سے میدان جنگ میں آ چکا تھا حکم ہوا کہ فائر کھول دو اور جس قدر گولیاں بھی چل جائیں پروا نہیں۔

اس شدید حملہ سے درانیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور انہوں نے پشاور کی طرف راہ فرار اختیار کی امیر المومنین رحمتہ اللہ علیہ نے فتح کا اعلان کروایا اور مجاہدین زخمیوں کی مرہم پٹی میں مصروف ہو گئے۔

اللہ نے فتح و نصرت عطا فرمائی اور مورخ کے قلم نے مایار کے میدان جنگ کی فتح امیر المومنین کے نام سے ثبت کر دی۔

مقدس گرد و غبار

میدان جنگ سے کچھ فاصلے پر ایک آبشار تھی اور چند درختوں کا ایک چھوٹا سا باغیچہ تھا' آپ وہاں رکے' مجاہدین بھی آپ کے ہمراہ چل رہے تھے۔ وہ بھی رک گئے۔ ہر آدمی کا چہرہ اور جسم گرد و غبار سے اٹا ہوا تھا۔ حتیٰ کہ بعض کے تو چہرے بھی پہچانے نہیں جا رہے تھے۔ ارباب بہرام خان سب سے پہلے آگے بڑھ کر امیر المومنین کے پاس آئے اور گرد و غبار جھاڑنا چاہا۔ امیر المومنین نے ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا اور فرمایا "خان بھائی! ابھی ٹھہر جاؤ یہ گرد و غبار بہت برکت والا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس کے پیروں پر جہاد کے میدان یا راستے کا گرد و غبار دوران جہاد پڑ گیا وہ شخص جہنم سے آزاد ہے یہ تمام تکلیف اور پریشانی اس غبار کو حاصل کرنے ہی کے لئے تو اٹھائی ہے"۔

www.ahnafmedia.com

یہ فضیلت سن کر تمام لوگ گرد میں اٹے رہے اور گرد جہاد جھاڑنے سے رک گئے اس کے بعد قیام گاہ تو رو میں واپس ہو گئے۔

اب امیر المومنین نے پشاور کی فتح کا منصوبہ بنایا تاکہ درانی حکام جو ایک مرتبہ غداری کے مرتکب ہوئے اور پھر اس اسلامی فوج سے جنگ کرنے میدان میں اتر آئے ان کو ان اعمال کی سزا دی جاسکے۔ دو دن مردان میں قیام ہوا اور پھر پشاور کی طرف چل پڑے۔

پشاور کی فتح

حاکمان پشاور میں سے پہلا حاکم یار محمد خان جو مجاہدین کے ہاتھوں قتل ہو چکا تھا اس کی زندگی میں رنجیت سنگھ نے پشاور کا دورہ کیا تھا اور اس کے بیٹے کو یرغمال بنا کر ساتھ لاہور لے گیا تھا تاکہ یار محمد خان آئندہ نہ صرف یہ کہ بغاوت نہ کرے بلکہ سید احمد شہید رحمتہ اللہ علیہ اور ان کے ہمراہ مجاہدین کا جو سر بکف گروہ ہے ان کا بھی کچھ بندوبست کرے۔ اس اثناء میں وہ مارا گیا تو اس کا بھائی سلطان محمد خان حاکم پشاور بن گیا۔ اس نے مایار کی جنگ سے سبق حاصل کر لیا تھا کہ ان مجاہدین اور امیر المومنین کا مقابلہ کرنا ہمارے بس سے باہر ہے اس لئے عافیت کا راستہ یہی ہے کہ ان سے کسی طرح صلح کر لی جائے۔ چنانچہ جب امیر المومنین سید احمد شہید نور اللہ مرقدہ پشاور کے راستے میں تھے سلطان محمد کی طرف سے صلح کا پیغام ملا فیض اللہ خان کو اپنا وکیل بنا کر اس نے روانہ کیا اور اس نے امیر المومنین کو یہ پیغام دیا کہ سلطان محمد خان حاکم پشاور کہتے ہیں کہ ہم سے بہت غلطی ہوئی جو مایار میں آپ کے مقابلے میں آئے ہم اپنے قصور سے معذرت خواہ ہیں۔ آپ ہمیں معاف فرما دیجئے اور پشاور کی فتح کے ارادے کو ختم کر کے واپس لوٹ جائیے آپ کے اخلاق اس قدر کریمانہ ہیں کہ اگر کوئی کافر خدمت مبارکہ میں حاضر ہو تو

مسلمان ہو جائے۔ اسے معافی مل جائے میں تو مسلمان اور مسلمان باپ کا بیٹا ہوں، اپنی غلطی کا معترف ہوں آئندہ کبھی ایسی خطا کا مرتکب نہ ہوں گا اور آپ کا ہمیشہ فرمان بردار رہوں گا۔

سید صاحب نے اس تمام پیغام کو غور سے سنا اور فرمایا ہم پشاور فتح کئے بغیر واپس نہ ہوں گے۔ البتہ وہ اگر فی الحقیقت معذرت خواہ ہے تو اس کی معذرت قبول کر لی جائے گی۔

امیر المومنین کی مایار کی تاریخی جنگ و فتح سے پہلے بھی یہی کوشش تھی کہ مسلمان آپس میں نہ ٹکرائیں اور ان کی قوتیں مجتمع ہو کر فرنگیوں اور سکھوں کے خلاف استعمال ہوں۔ سو جو خود مسلمانوں سے ٹکرانے سے گریز چاہتے تھے فتح پشاور میں مسلمانوں کو کیسے قتل کر سکتے تھے [1] سلطان محمد خان نے آپ کا

---

[1] اللہ کی مخلوق پر وہ کس قدر شفیق تھے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ مسلمان تو در کنار انسان کو مبتلائے ایذا کرنا انہیں گوارا نہ تھا۔ جانوروں تک سے شفقت کا رویہ تھا۔ مولانا سید جعفر علی صاحب اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں کہ موسم سرما میں ایک شہد کی مکھی اڑ رہی تھی اور اپنی روزی تلاش کر رہی تھی آپ نے اپنے خدام سے فرمایا کہ تھوڑا سا شہد اس مکھی کے سامنے ڈال دو اس لئے کہ یہ مکھیاں ان دنوں میں شہد کا ذخیرہ کر لیتی ہیں اور بھوکی رہ جاتی ہیں چنانچہ تھوڑا سا شہد ڈال دیا گیا ایک اور واقعہ بھی نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ آپ حاضرین مجلس میں تشریف رکھتے تھے اچانک ایک طرف سے کتے کی دردناک آواز آنا شروع ہو گئی۔ آپ کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور فرمایا

یہ کون ظالم ہے؟ لوگوں نے اطلاع دی کہ فلاں صاحب نے یہ کام کیا ہے اور کتے کو مارا ہے آپ نے انہیں طلب اور سخت تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ تمہاری سزا یہ ہے کہ اب روزانہ ہمارے باورچی سے روٹی لے کر گاؤں کے سب کتوں کو تلاش کر کے کھلایا کرو۔

اس طرح کے کئی واقعات امیر المومنین نور اللہ مرقدہ کی سیرت میں ملتے ہیں ہمارے پیش نظر چونکہ ان کی زندگی کا ایک خاص پہلو جو جہاد سے متعلق ہے، بیان کرنا مقصود ہے اس لئے ایسے واقعات کا ذکر نہیں کیا گیا ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ ان صفات قدسیہ کے مالک تھے جو انتہائی بلند درجے کی ولایت پر دلالت کرتی ہیں اور جب تک کوئی انسان اپنے ظاہر و باطن کو اتباع سنت سے آراستہ و پیراستہ نہ کرے اسے ان کمالات کا عشر عشیر بھی نصیب نہیں ہوتا۔ بارہویں صدی ہجری کے مجدد تھے اور مقام تجدید کی ان بلندیوں پر فائز تھے جو صدیوں میں کسی ایک مجدد کو نصیب ہوتی ہیں۔

غور کرنا چاہئے کہ جو انسان ان اخلاق کریمانہ کا مالک ہو گا اور جانوروں تک کے حقوق اور ان کے ساتھ نیکی کرنے کا خواہاں ہو گا اس سے انسانوں اور وہ بھی مسلمانوں پر ظلم ڈھانے کی توقع کیوں کر کی جا سکتی ہے؟

www.ahnafmedia.com

مقابل بننے سے انکار کر دیا اور یوں پشاور دوسری مرتبہ بغیر کسی لڑائی کے اٹھارہ سو تیس (1830ء) میں فتح ہو گیا۔

اسلامی قانون کا نفاذ

اسلامی حکومت کی برکات ایک مرتبہ پھر شہر میں لوٹ آئیں' قاضی مقرر کئے گئے اور شرعی قوانین کا نفاذ کر دیا گیا۔ برصغیر جو ایک مدت سے نظام اسلام کو حکومتی سطح سے نافذ ہونے کو ترس رہا تھا۔ اس کی پیاس کی سیرابی کا سامان اس چھوٹے سے خطے میں مہیا ہو گیا۔ مولوی سید مظہر علی صاحب عظیم آبادی کو امیر المومنین نے پشاور کا قاضی مقرر کر دیا۔ شراب اور بھنگ' چرس کی دکانیں ختم کر دی گئیں۔ طوائفوں کے بازار ختم کر دیئے گئے اور اس قماش کی عورتیں اپنے ورثا کے پاس چلی گئیں یا روپوش ہو گئیں۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ اگر کسی مرد کو پتہ چلتا کہ اس قماش کی کوئی عورت فلاں مقام پر رہتی ہے اور یہ اپنے برے ارادے سے ان کے گھر جاتا تو وہ دروازہ کھولنے سے انکار کر دیتی اور اندر ہی سے کہہ دیتی کہ خبردار یہاں کا رخ مت کرنا وگرنہ تمہاری اور ہماری خیر نہ ہوگی۔

فیصلے قاضی صاحب کی عدالت میں شرعی قوانین کے مطابق ہونے لگے۔ سید صاحب نے مختلف فیصلوں میں خود احکامات صادر فرمائے۔ عشر کا نظام رائج کیا گیا اور قرب وجوار کے علاقوں میں بھی تحصیلدار مقرر کر دیئے گئے جو عشر' زکوٰۃ اور خراج وصول کرنے لگے۔ احتساب کے محکمے کو از سر نو ترتیب دیا گیا اور یہ نظام اس مضبوطی سے باندھا گیا کہ بسا اوقات پورے کا پورا گاؤں محتسب کو یہ گواہی دینے لگا کہ ہمارے گاؤں میں ایک آدمی بھی ایسا نہیں ہے جو بے نمازی ہو۔

شراب کی بھٹیاں تباہ کر دی گئیں اور اس دختر زر وعنب کے بیچنے والے ناپید ہو گئے۔ سود کو ختم کر دیا گیا اور یہ قانون بنا دیا گیا کہ اگر کہیں سود کا کاروبار

پایا گیا تو سخت سزا دینے سے گریز نہیں کیا جائے گا۔

وہاں کی خلاف شریعت وانسانیت رسوم میں سے ایک رسم یہ بھی تھی کہ اپنی بیٹی کے عوض میں بھاری رقمیں وصول کرتے تھے۔ یہ رقم اگر دولہا کی استطاعت سے بڑھ کر ہوتی تھی تو وہ سودی قرض لینے پر مجبور ہو جاتا تھا۔

پٹھانوں سے باقاعدہ توبہ کروائی کہ وہ آئندہ اس دختر فروشی کی رسم بد کے مرتکب نہ ہونگے۔ اور سرکاری شرعی قانون بنا دیا کہ جو لڑکیاں بالغ ہو جائیں ان کا نکاح کر دیا جائے اور ان کے عوض کوئی رقم وصول نہ کی جائے۔ عملاً آپ نے یہ قدم اٹھایا کہ ایک جماعت اس کام کیلئے مقرر کر دی گئی حافظ عبداللطیف صاحب اور خضر خان صاحب کابلی کو اس جماعت کا سربراہ بنا دیا گیا۔ جس شخص کو اس رسم سے نقصان ہوتا تھا وہ قاضی کی عدالت میں آکر شکایت کرتا تھا۔ قاضی صاحب اس جماعت کو حکم دیتے تھے کہ اس لڑکی کو اور اس کے ورثاء کو دارالعدل (عدالت) میں حاضر کریں۔ پھر اس لڑکی کے گھر والوں پر زور ڈالا جاتا تھا کہ وہ رقم وصول نہ کریں اور اپنی لڑکی کی رخصتی کر دیں اور اگر لوگ تیار نہیں ہوتے تھے تو لڑکی کا شوہر اس جماعت کے افراد کو اپنے ساتھ لے کر لڑکی کے گھر چلا جاتا تھا۔ قاضی صاحب تاریخ مقرر کر دیتے تھے اور لڑکی کی رخصتی عمل میں لائی جاتی تھی۔

اس طرح اس بدرسم کو توڑنے کی کوشش کی گئی اور عورتوں کو "جنس بازار" کی حیثیت کے بجائے وہ مقام عنایت کیا گیا جو شریعت نے ان کیلئے متعین کیا تھا جبری طور پر حکومتی سطح سے دختر فروشی کی اس قبیح رسم کا ازالہ کیا گیا۔

جمعہ کے خطبات میں امیر المومنین کا نام لے کر ان کیلئے دعائیں ہونے لگیں اور اسلامی حکومت کے قیام کا خواب جو ایک عرصہ سے بے تعبیر ہو گیا تھا' کم درجے پر سہی لیکن تعبیر پذیر ہونے لگا۔

www.ahnafmedia.com

پشاور کی فتح کے بعد امیر المومنین نے واپس جانے کا عندیہ ظاہر کیا تو یہ سوال اٹھا کہ پشاور کس کے سپرد کیا جائے؟ اور آئندہ کیلئے یہاں کس کو حاکم مقرر کیا جائے؟

کئی آدمیوں کا اس سلسلے میں نام لیا گیا اور مختلف تجاویز آپ کے اور آپ کے رفقاء کار کے درمیان زیر بحث رہیں لیکن مسئلے کا کوئی تسلی بخش حل نہیں مل رہا تھا۔ اسی دوران سلطان محمد خان سابق حاکم پشاور نے بہت معذرت کی اور اپنے سابقہ افعال پر از حد ندامت کا اظہار کیا۔ بار بار اس بات کو دہراتا رہا کہ آئندہ کبھی بھی ایسی حرکت نہ ہوگی اور اگر اسے دوبارہ حاکم پشاور بنا دیا جائے تو وہ حکومت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کے مطابق چلاتا رہے گا۔

کس کس کی مہر ہے سر محضر لگی ہوئی!

اس موقع پر ایک دلچسپ قصہ یہ بھی ہوا کہ امیر المومنین نے اس سے اپنی مخالفت اور آج تک جو کچھ وہ کر چکا تھا اس کی وجہ دریافت کی؟ سلطان محمد خان نے ایک محضر نامہ اپنے سامان سے نکال کر پیش کر دیا کہ امیر المومنین سے لڑائی کرنے اور ان کی اطاعت کی بجائے ان کے خلاف سازش کرنے کی اصل وجہ یہ ہے۔

امیر المومنین نے اسے کھول کر دیکھا تو اس میں ایک مضمون لکھا تھا جس کا مختصر خلاصہ یہ تھا کہ سرحد کے تمام علماء، سرداروں اور خوانین کو یہ لکھا گیا تھا کہ "سید احمد نامی ایک آدمی چند علماء ہندوستان کو اپنے ساتھ ملا کر تمہارے ملک میں آئے ہیں جو بظاہر جہاد کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور یہ صرف ان کا مکر و فریب ہے۔ وہ ہمارے اور تمہارے دین کا مخالف ہے انہوں نے ایک نیا دین و مذہب نکالا ہے۔ وہ کسی ولی اور بزرگ کو نہیں مانتے، سب کو برا کہتے ہیں۔ وہ انگریزوں کے

بھیجے ہوئے ہیں۔ تمہارے ملک کا حال معلوم کرنے آئے ہیں۔ تم کسی طرح ان کے وعظ و نصیحت سے متاثر نہ ہونا عجب نہیں کہ تمہارا ملک تم سے چھنوا دیں۔ جس طرح ہو سکے انہیں تباہ کر دو اور اپنے ملک میں جگہ نہ دو۔ اگر اس معاملے میں سستی اور غفلت سے کام لوگے، تو پچھتاؤ گے اور ندامت کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ اس محضر نامے پر ہندوستان کے کئی علماء اور پیرزادوں کی مہریں لگی ہوئی تھیں۔

علماء سوء

گویا یہ ان اہل حرص و ہوا کا متفقہ فیصلہ تھا جو ان دنیا دار قبر پرست مولویوں اور پیروں نے جاری کیا تھا۔ یہ رسم کچھ نئی نہ تھی جو ——— انہوں نے ادا کی ہو۔ شروع دن سے علماء سوء اور برے مشائخ کا یہ وطیرہ رہا ہے۔ ہر وہ آدمی جو اپنے زمانے میں کتاب و سنت کی دعوت دیتا ہو اور دین کو اس کے اصلی رنگ میں پیش کرتا ہو، دنیا دار لوگ اس کی مخالفت کرتے چلے آتے ہیں اور مخالفت کی وجہ یہ نہیں ہے کہ شریعت مطہرہ اس کی اجازت دیتی ہے یا اسے ضروری قرار دیتی ہے بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ اہل اللہ کی ان تحریکات اور دعوتوں کے نتیجے میں ان کے اپنے مفادات پر زد پڑتی ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے میں یہ اللہ کے نیک اور مخلص بندے انبیاءؑ کے نائب ہوتے ہیں، علماء سوء و مشائخ دنیا بالکل ٹھیک اسی طرح کسی اور کی نیابت کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندی نور اللہ مرقدہ نے ایسے ہی مولویوں اور دنیا دار پیروں کے متعلق مکتوبات میں تحریر فرمایا ہے کہ۔

عزیزے شیطان لعینرا دید کہ فارغ نشستہ است واز تضلیل واغوا خاطرجمع ساخت آنعزیزسران راپرسید لعین گفتکہ علماء سؤ این وقت در بنکار باسن خود بدد عظمی کردند ومرا ازیں مہم فارغ ساختند

www.ahnafmedia.com

ایک عزیز نے شیطان مردود کو دیکھا کہ فارغ بیٹھا ہے اور لوگوں کی گمراہی کا کوئی سامان نہیں کر رہا اس نے شیطان سے یوں فارغ بیٹھنے کی وجہ دریافت کی تو اس مردود نے جواب دیا کہ اس دور کے برے مولوی گمراہ کرنے میں میری مدد کر رہے ہیں اس لئے مجھے انہوں نے اس کام سے فارغ کر دیا ہے۔

اس داعی الی اللہ، مجاہد کبیر، سید السادات، مجدد دوراں اور امیر المومنین سید احمد شہید نور اللہ مرقدہ کو یہ دنیادار مولوی بھلا کب معاف کرنے والے تھے۔ یہ "فتویٰ" صادر فرما کر انہوں نے اپنے خیال میں ایک بہت بڑی نیکی انجام دی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے احیاء کے لئے اٹھنے والی اس تحریک کو شدید نقصان پہنچایا۔

دنیادار علماء و مشائخ

امیر المومنین فتوے کا یہ مضمون پڑھ کر نہایت متعجب ہوئے اور فرمایا "ہندوستان میں دنیادار علماء اور مشائخ پیر پرستی اور قبر پرستی میں گرفتار ہیں اسی کو اپنا دین و آئین جانتے ہیں۔ حلال و حرام میں امتیاز نہیں رکھتے اور یہی ان کا ذریعہ معاش ہے ہمارے وعظ و نصائح سے اللہ تعالیٰ نے وہاں لاکھوں آدمیوں کو ہدایت نصیب کی۔ وہ پکے موحد اور متبع سنت ہو گئے۔ اس کی وجہ سے ان دنیادار عالموں پیروں کے شرک کا بازار سرد ہو گیا اور اہل حق کی نظروں سے وہ گر گئے اور جب ان سے کچھ نہ ہو سکا تب انہوں نے ہم پر یہ بہتان و افتراء کیا اور آپ کے پاس بھیجا۔ مگر آپ سے بڑی غلطی ہوئی جواب تک اس بات کی اطلاع ہم کو نہ کی اور اپنا دین و دنیا کا نقصان کیا۔ ورنہ یہ شک و شبہ ہم آپ کے دل سے پہلے ہی دور کر دیتے اس میں بھی خدا کی کوئی مصلحت ہو گی۔

امیر المومنین نے اپنے دور کے دنیادار عالموں اور پیروں کا یہ رویہ بیان کیا ہے۔ وہ ہمارے دور میں ہوتے تو ہم انہیں وہ دنیادار بھی دکھاتے جن کے

علم و فضل کا غلغلہ مچانے کی کوشش ہوتی ہے اور وہ محض اپنی دنیا بنانے کیلئے اور لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کیلئے اب بھی سید احمد شہید پر کفر کے فتوے صادر فرماتے ہیں۔ جن کا اب بھی یہی فرمان ہے کہ جو شخص سید احمد اور ان کے رفقاء کے کفر اور ہمیشہ ہمیشہ جہنمی ہونے کے بارے میں شک کرے اس کا نکاح ٹوٹ جائے گا اور وہ بھی کافر ہو جائے گا۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہم جن کی شخصیت محتاج تعارف نہیں اسی بات پر ماتم کناں ہیں، تحریر فرماتے ہیں [1]

"مولانا کی دوسری فضیلتیں تو رہیں بر طرف ان کی شہادت مسلم ہے اور شہداء کی مغفرت مسلم، لیکن 24 ذوالقعدہ 1248ھ سے لے کر آج تک کم و بیش 136 برس کے طویل عرصے میں شاید ہی کوئی ایسا دن طلوع ہوا ہو، جس کی صبح کو اس شہید اسلام کی تکفیر و تضلیل کا کوئی فتویٰ نہ نکلا ہو، لعنت اور سب و شتم کا کوئی صیغہ نہ استعمال کیا گیا ہو۔ فقہ و فتاویٰ کی کوئی دلیل ایسی نہیں، جو اس کے کفر کے ثبوت میں پیش نہ کی گئی ہو۔ وہ ابو جہل و ابولہب سے زیادہ دشمن اسلام، خوارج و مرتدین سے زیادہ مارق من الدین و خارج از اسلام، فرعون و ہامان سے زیادہ مستحق نار، کفر و ضلالت کا بانی، بے ادبوں اور گستاخوں کا پیشوا، شیخ نجدی کا مقلد و شاگرد بتایا گیا۔ یہ ان لوگوں نے کہا جن کے جسم نازک میں آج تک اللہ کیلئے ایک پھانس بھی نہیں چبھی، جن کے پیروں میں اللہ کے راستے میں کبھی کوئی کانٹا نہیں گڑا، جن کو (خون چھوڑ کر کہ اس کا ان کے یہاں کیا ذکر؟) اسلام کی صحیح خدمت میں پسینے کا ایک قطرہ بہانے کی سعادت بھی حاصل نہیں ہوئی۔ یہ ان لوگوں نے کہا، جن کی ماؤں بہنوں اور بیٹیوں کی عزت و عصمت

---

[1] حضرت مولانا مدظلہم نے یہ عبارت حضرت مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں تحریر کی ہے مگر مولانا نے جن حضرات کا ذکر کیا ہے ان کا یہی رویہ حضرت امیر المومنین سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بھی ہے۔ اس یگانگت کی وجہ سے ہم نے یہ عبارت نقل کی ہے حوالہ کیلئے دیکھئے سیرت سید احمد شہید۔ ج۔ 2، ص۔ 451

www.ahnafmedia.com

بچانے کیلئے اس نے سر کٹایا! کیا اس کا یہی گناہ تھا اور کیا دنیا میں احسان فراموشی کی اس سے بڑھ کر نظیر مل سکتی ہے؟ جس وقت پنجاب میں مسلمانوں کا دین وایمان، جان ومال، عزت و آبرو محفوظ نہ تھی، سکھ اپنے گھروں میں مسلمان عورتیں ڈال لیتے تھے مساجد کی بے حرمتی ہو رہی تھی اور ان میں گھوڑے باندھے جاتے تھے۔ اس وقت یہ غیرت ایمانی وحمیت اسلامی کے مدعی کہاں تھے؟

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

سید احمد شہید نوراللہ مرقدہ کے خطوط کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جھوٹ وسیع پیمانے پر پھیلایا گیا تھا کہ سید احمد ملحد اور زندیق (معاذاللہ) ہے۔ اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ اسی وجہ سے حضرتؒ نے اپنے ایک خط میں صاف اور واضح الفاظ میں یہ عبارت تحریر کی ہے کہ ان کا تعلق اہل سنت والجماعت سے ہے اور ان کے خاندان کا اور خود ان کا حنفی فقہ پر عمل پیرا ہونا مسلّم ہے اور وہ ایک سنی اور حنفی ہیں۔

ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

"سننے میں آیا ہے کہ ان افترا پردازوں کا ایک افترا یہ ہے کہ اس فقیر بلکہ پوری جماعت مجاہدین کو الحاد اور زندقہ کی طرف نسبت کرتے ہیں اور اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ان پردیسیوں کا کوئی مذہب نہیں اور یہ کسی مسلک کے پابند نہیں، محض نفسانیت پرست اور لذات نفسانی کے جویا ہیں، خواہ کتاب اللہ کے موافق ہو یا مخالف۔ خدا کی پناہ! واضح ہو کہ ہم غریبوں کے اس امر شنیع کی طرف نسبت محض افترا و بہتان ہے۔ یہ فقیر اور اس فقیر کا خاندان ہندوستان میں گمنام نہیں۔ ہزاروں ہزار آدمی، کیا خاص اور کیا عام، اس فقیر کو اور اس کے بزرگوں کو جانتے ہیں اور ان کو معلوم ہے کہ اس فقیر کا مذہب ابا عن جدّ حنفی ہے اور اس وقت بھی خاکسار کے تمام اقوال و اعمال

احناف کے اصول و قوانین اور قواعد کے مطابق ہیں، ان میں سے ایک بھی ان اصول سے باہر نہیں۔ ہاں، انسان سے باقتضائے بشریت جو کچھ غلطی ہو جائے، اس کا امکان ہے اور اس کے ہو جانے کے بعد اعتراف ہے اور اگر کوئی تنبیہ کرے تو رجوع کرنے کو تیار ہوں۔

حضرت سید احمد شہیدؒ نے برابر اس بات پر مشورہ جاری رکھا کہ پشاور کا حاکم کسے بنایا جائے اور بالآخر یہ فیصلہ کر لیا گیا کہ سلطان محمد خان کو معافی دے دی جائے اور اسے پشاور کا حاکم بحال رکھا جائے۔

یہ وہ انسان تھا جو اس سے پہلے غداری کا مرتکب ہو چکا تھا اور مایار کی جنگ میں امیرالمومنین کی مخالفت میں اس نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی مگر وہاں کے قبائل کا نظام اور خاندانی رقابتیں کچھ اس طرح کی تھیں کہ اس کے علاوہ مسئلے کا کوئی حل نہ تھا۔ اہل شہر اور لشکر کے جہاں دیدہ حضرات نے اگرچہ اس رائے سے اختلاف کیا اور شہر کو سلطان محمد خان کے حوالے کرنے پر راضی نہ تھے مگر کوئی تسلی بخش حل اس مسئلے کا ان کے پاس بھی نہ تھا۔

آپؒ کا یہ فیصلہ کس حد تک درست تھا؟ ہم طوالت کے خوف سے اس سوال کو نظر انداز کرتے ہیں مگر اتنا بتانا ضروری ہے کہ اگر اس دور اور علاقے کے تمام حالات وواقعات (جو ابھی ماضی میں پیش آ چکے تھے) کو نظر میں رکھا جائے تو سیّد شہیدؒ یہ فیصلہ کرنے میں ان لوگوں سے ہٹ کر نظر آتے ہیں جو لوگ تخیل کی ایک دنیا آباد کر لیتے ہیں۔

عملی زندگی کے پیش نظر انہوں نے یہ فیصلہ نہایت تدبر سے کیا اور ان حالات میں ان کے لئے اس سے بہتر فیصلہ کرنا ممکن بھی نہ تھا۔ اس لئے ان کے اس فیصلے پر حرف گیری آسان نہیں۔

سلطان محمد خان پشاور کا باقاعدہ حاکم قرار پایا اور اس کی مدد کے لئے امیرالمومنین نے اپنے نائب بھی وہاں چھوڑے جو شرعی قوانین اور فیصلوں میں اس

www.ahnafmedia.com

کے معاون ہوں۔ اور یہ نائبین امیرالمومنین وہ لوگ تھے جن میں سے ایک ایک آدمی تقدس وتقویٰ کا پیکر تھا۔ علم وفضل کا پہاڑ تھا اور اتباع سنّت کی دولت سے آراستہ پیراستہ تھا۔ (قرب وجوار کے تمام علاقوں میں بھی جو قاضی اور محتسب مقرر تھے وہ بھی ان صفات میں ان نائبین سے کچھ کم نہ تھے)

امیرالمومنین نے اپنی جماعت کے بہترین افراد کو اس علاقے میں چھوڑا اور خود پنجتار تشریف لے گئے۔

ابھی اس واقعہ کو تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ سلطان محمد خان کی رگ شرارت پھڑکنے لگی۔ علاقے کے خوانین اور سردار اس بات کو برداشت نہ کرسکے کہ شریعت نے ان کے اختیارات کا دائرہ محدود کرکے قاضیوں، مفتیوں اور جید علماء کرام کو وہ اختیارات منتقل کردیئے ہیں۔

انہوں نے جو کچھ کیا اس کے اسباب وعلل، ہر اس قاری پر واضح ہیں جس نے اس تحریک کا سنجیدگی سے مطالعہ کیا ہے ہم بخوف طوالت انہیں نذرانداز کررہے ہیں مگر مولانا خیرالدین شیرکوٹی نے اس سانحے کے اسباب ومحرکات پر جو بحث کی ہے اور مولوی جعفر علی صاحب نے جسے منظورۃ السعداء میں نقل کیا ہے اس سے اختلاف تقریباً ناممکن ہے۔

قبائل نے اپنے باپ دادا کی رسوم کو صاف طور سے شریعت پر ترجیح دینے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ اور عشر وخراج جس پر ان کے مولوی صاحبان کا گزارہ ہوتا تھا وہ حکومت کو اس کی ادائیگی پر قطعاً تیار نہ ہوئے۔ [1] دنیادار مولوی صاحبان جو شروع سے امیرالمومنین کو ملحد، زندیق اور وہابی کے القابات سے نوازتے چلے

[1] موج وثریا میں اللہ بخش خان یوسفی کے حوالے سے لکھا ہے "عشر پہلے علماء کو ملا کرتا تھا اسی پر ان کی زندگی کا دارومدار تھا۔ جماعت مجاہدین نے اسے امام یا امیر کا حق ظاہر کرتے ہوئے خود وصول کرنا شروع کیا۔ علماء نے اول مخالفت کی بعد میں طاقت سے دب کر ہم نوا ہوگئے نتیجہ یہ کہ دلوں میں کدورتیں بڑھنے لگیں اور اندر ہی اندر مخالفت کی آگ سلگتی رہی۔ ص۔ 30

آئے تھے، مخالفت کا طوفان انہوں نے اٹھادیا اور بالآخران تمام جاہل مولویوں، خوانین اور منافقین سرداروں نے یہ فیصلہ کرلیا کہ کہ امیرالمومنین کے تمام عمال جو اس علاقے میں پائے جاتے ہیں انہیں قتل کردیا جائے۔

سب کا قتل بیک وقت ہوتا کہ کوئی بھی ان مظلومین سے بھاگ نہ سکے۔

پشاور کی فتح اور سلطان محمد خان کا بار بار عہد اطاعت کرنا امیرالمومنین کی اس تحریک جہاد کا ایک روشن ترین باب تھا مگر اس فیصلے اور اس کے بھیانک نتائج نے اس روشنی کو ظلمت میں تبدیل کردیا۔

سلطان محمد خان نے سازش کا ایک پورا جال بچھادیا تھا۔ مولوی صاحبان نے فتوے دے دیئے کہ یہ "مجاہدین" خارج از اسلام اور واجب القتل ہیں اور سبھی کو قتل کرنے کی تیاریاں مکمل کرلی گئیں۔

امیرالمومنین کو اس سازش کی اطلاع مل گئی اور آپ نے اپنے رفقاء کو بلاکر مشورہ کیا کہ ہمیں اپنے تمام مجاہدین ساتھیوں، قاضیوں اور محتسبین کو واپس بلالینا چاہئے۔ یہ طے پاگیا اور اگلے دن آپ نے پیغامات بھجوادیئے۔ پیغام رسانوں کو آپ نے یہ تاکید کی تھی کہ خوانین اور سرداروں کو یہ پتہ چلنے نہ پائے کہ ہمیں اس سازش کی اطلاع ہوچکی ہے اور اس لئے ہم انہیں واپس طلب کررہے ہیں۔

نصراللہ خان جو گڑھی امان زئی پنجتار کا رہنے والا تھا۔ اس قتل عام کی سازش میں شریک تھا اور بظاہر امیرالمومنین کے ساتھ تھا اسے اس مشورے کا جب پتہ چلا تو اس کی بدباطنی اور منافقت نے اپنا کردار ادا کیا اور گھوڑا لے کر چل پڑا۔ جہاں جہاں سید صاحب کا یہ خفیہ پیغام پہنچا وہاں کے خوانین اور سرداروں کو بتلاتا گیا کہ اگر اب یہ مجاہدین نکل گئے تو پھر ہاتھ نہ آئیں گے۔

ادھر سید صاحب نے یہ فیصلہ کرلیا کہ ان منافقین پر بھی کاری ضرب

www.ahnafmedia.com

لگانی چاہئے کہ توپ مسجد کے شمال مغرب میں نصب کر دی جائے اور ہاتھ سے اشارہ فرماتے جاتے تھے کہ اس (بائیں) جانب کفار ہیں ان پر ضرب لگانی چاہئے اور اس (دائیں) طرف منافقین ہیں ان سے نبٹنا چاہئے۔

مجاہدین تک پیغام پہنچا تو انہوں نے لوگوں سے ملاقات کر کے جانے کی تیاری شروع کی انہیں کیا معلوم تھا کہ چند لمحوں بعد کیا قیامت ٹوٹنے والی ہے۔ اس تمام علاقہ سرحد اور خاص طور سے پشاور اور مردان کے درمیان واقع میدانی علاقہ میں تو ہر ہر گاؤں میں قاضی اور محتسب موجود تھے اور عشر اور صدقات کے عامل و محصل موجود تھے۔

سازش کے تحت جو تاریخ اور وقت طے ہوا تھا ابھی اس میں دو دن باقی تھے انہوں نے جب دیکھا کہ یہ تو بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا تو انہوں نے ایک دوسرے کے لئے جو نشان (SIGNAL) مقرر کر رکھا تھا وہ شروع کر دیا۔ اپنے اپنے علاقے کے ڈوموں سے کہا کہ گھروں کی چھتوں پر چڑھ کر ڈھول بجاؤ اور یہ آواز لگاؤ کہ جوار کی فصل کوٹ لی جائے تاکہ غلہ بر آمد ہو جائے۔ سید صاحب کو آج ہی عشر روانہ کرنا ہے۔ رات کا وقت تھا کہ ڈھول بجنا شروع ہو گئے اور جوار کی فصل کوٹنے کا اعلان کر دیا گیا۔ یہ ڈھول کا بجنا اور جوار کوٹنے کا اعلان اشارہ اور نشان تھا کہ ان عاملین کے قتل کا منصوبہ زیر تکمیل لایا جائے اور اب اس مکروہ اور گھناؤنے جرم کا ارتکاب شروع کیا جائے۔

قاضی پشاور مولوی مظہر علی صاحب کو سلطان محمد خان کے بھائی پیر محمد خان نے دعوت کے بہانے اپنے گھر بلا لیا تھا۔ ان کے ہمراہ چار صاحبان علم و تقویٰ بھی تھے اس نے انہیں پہلے ہی شہید کر دیا تھا۔ عشا کی نماز کے بعد غازیوں اور مجاہدین کا گھیراؤ کر لیا گیا۔ ہر ہر بستی میں قتل عام شروع ہو گیا، کوئی نماز پڑھ رہا تھا تو اسے نیزے پر چڑھا دیا گیا، کوئی وضو کر رہا تھا تو اسے خون شہادت

سے غسل دے دیا گیا۔ کوئی مجاہد دور سے آ رہا تھا تاکہ مسجد میں نماز پڑھ لے تو اسے نشانہ لے کر گولی سے اڑا دیا گیا اور وہ بجائے مسجد کے مسجود حقیقی کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا۔

کچھ بھاگ کر چھپ گئے تو رات بھر انہیں تلاش کر کے صبح سے پہلے ختم کر دیا گیا اور کسی کو فجر کے بعد اس ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا۔

حاجی بہادر شاہ خان رام پوری حضرت امیر المومنینؒ کے پرانے ساتھیوں میں سے تھے، اپنا گھر بار چھوڑ کر یہاں جہاد فی سبیل اللہ کے لئے آئے تھے اور امان زئی کے علاقے کی طرف جا رہے تھے انہیں ان تمام حالات و واقعات سے بے خبری تھی ایک گاؤں اسمعیلہ کے لوگوں نے زبردستی ٹھہرا لیا کہ ہمیں نماز پڑھا دیں اور ہمیں توجہ باطنی سے سرفراز فرمائیں۔ حاجی صاحب نے اس درخواست پر رکنا منظور فرما لیا اور لوگوں نے بہت تعظیم و تکریم سے کھانا کھلایا۔ وضو کرایا اور عشا کی نماز کے لئے انہیں کھڑا کر دیا پہلی رکعت کے دوسرے سجدے میں جب گئے تو ایک بد بخت خان اسماعیل خان نے جو پہلی صف میں کھڑا تھا، آگے بڑھ کر انہیں تلوار کی ایک کاری ضرب لگائی اور سر تن سے جدا کر دیا۔

سمہ کے علاقے میں جب قتل عام شروع ہوا تو مجاہدین نے مسجد میں پناہ لی اور اندر سے دروازے بند کر لئے سردار اور خوانین جمع ہو گئے یہ بحث ہونے لگی کہ انہیں کیسے اندر سے نکالا جائے۔ آخر کار یہ طے پا گیا کہ مسجد کو آگ لگا دی جائے۔ یہ تھے وہ لوگ جو اپنے آپ کو اسلام کا محافظ اور پکے مومن کہلاتے تھے جو اپنے مخالفین مجاہدین کو کفر کے فتووں سے داغ رہے تھے آج اس حرکت پر اتر آئے کہ جس کا تذکرہ ہونے پر انسانیت شرما جاتی ہے، حیوانیت سرنگوں ہو جاتی ہے اور فرشتے کانپ اٹھتے ہیں۔

مجاہدین اندر سے یہ مشورہ سن رہے تھے جب مسجد کو آگ لگنے لگی

www.ahnafmedia.com

توانہوں نے مسجد کے تقدس کو پامال نہ ہونے دیا اور اپنی جانیں قربان کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ کواڑ کھول کر باہر آ گئے اور جو جان بچا سکے وہ تو نکل گئے اور باقی کو ان سرداروں اور ان کے معاونین نے پتھروں اور نیزوں پر چڑھا لیا۔

ہر طرف ایک قتل عام تھا جو نظر آ رہا تھا۔ قصاب جانوروں کو بھی اس بے دردی سے ذبح نہیں کرتا جیسے ان مجاہدین کے ساتھ سلوک کیا گیا۔ ان حضرات کو شہید کیا جا رہا تھا جو اپنے مالک کو راضی کرنے گھر سے نکلے تھے۔ اپنے والدین، بیوی بچوں اور اعزاء و اقرباء کو اللہ کے بھروسے پر چھوڑ کر جہاد فی سبیل اللہ کے فریضے کو زندہ کرنے آئے تھے۔

جن کی راتیں اللہ کے حضور مصلے پر اور جن کے دن اللہ کی راہ میں گھوڑوں پر گزرتے تھے، جن کا قائد شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیزؒ کی خوابوں کی تعبیر تھا۔ جن کی امنگیں جوان اور عزائم بلند تھے، جو آہنی ارادوں کے مالک تھے، جنہیں دربار لاہور اپنا مطیع و فرمانبردار نہ بنا سکتا تھا۔ جنرل بدھ سنگھ، جنرل الارڈ اور جنرل ونٹورا جیسے منجھے ہوئے انسان جنہیں شکست کے نام سے روشناس نہ کرا سکے تھے، جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کی راتوں کی نیند اور دن کا چین لے اڑے تھے وہ عقابی نگاہیں رکھنے والے شاہین صفت انسان اپنوں کی سازش کا شکار ہو گئے۔ مسلمان کہلانے اور اسلام کا دعویٰ کرنے والے منافقین نے ان کی پیٹھ میں چھرا گھونپ دیا اور وہ فکری توانائی اور افرادی قوت جو صدیوں کے بعد مجتمع ہو کر ایک مرکز کے گرد اکٹھی ہوئی تھی، فنا کر دی گئی۔ وہ خون جو امتوں کی تقدیر بدلنے کو کافی تھا چند ناعاقبت اندیش مسلمانوں کی ظالمانہ حماقتوں کی نذر ہو گیا۔

گھروں سے کھینچ کر کشتوں پہ کشتے ڈالے ہیں
نہ گور ہے، نہ کفن ہے، نہ رونے والے ہیں

امیر المومنین سید احمد کو جو منافقوں سے دو دو ہاتھ کرنے کے لئے توپ نصب کروا

رہے تھے، جب یہ اطلاع ہوئی تو ان کے دل پہ اس وحشت انگیز حادثے کا نہایت گہرا اثر ہوا۔ مجاہدین جو شہید ہو گئے تھے ان کی تعداد چار ہزار تک بیان کی گئی ہے۔ تعداد اس سے کم ہو یا زیادہ مگر ان میں سے ہر ہر فرد اس تحریک کا نچوڑ تھا۔ برصغیر کی تاریخ میں یہ پہلی تحریک تھی جس کا خمیر خالصتاً اسلامی انقلاب کی بنیادوں پر اٹھایا گیا تھا۔ اور جس کا ایک ایک فرد اس نصب العین کا مدعی تھا کہ اللہ کی زمین میں اللہ کے بندوں پر اللہ ہی کا قانون قابل احترام و تسلیم ہے۔

سید احمد صاحب کو نہایت گہرا زخم لگا تھا، جس کا مندمل ہونا آسان بات نہیں تھی۔ آخر کار آپ نے اس علاقے سے ہجرت کا فیصلہ فرما لیا اور یہ طے کیا کہ اپنی اس تحریک کے مرکز کے لئے کسی اور علاقے کا انتخاب کرنا چاہئے۔ اہل علاقہ کی منافقانہ روش سے وہ بہت دل برداشتہ ہو گئے اور یوں اللہ کا وہ انعام جو صدیوں بعد اس علاقے پر ہوا رہنے والوں کی ناقدری کی وجہ سے چھین لیا گیا۔ اسی سلسلے میں آپ نے ایک موقع پر فرمایا۔

"بڑے افسوس کی جگہ ہے کہ کچھ اوپر چار برس ہم کو ہندوستان سے یہاں آئے ہو گئے۔ اتنی مدت تک ہم ان لوگوں کی اصلاح کی کوشش کرتے رہے، ہر طرح کے وعظ و نصیحت سے ان کو سمجھایا اور ان کے دین و دنیا کی بھلائی کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا، مگر خدا جانے یہ کیسے سخت دل لوگ ہیں کہ ہمارے وعظ و نصیحت ان پر ذرہ بھر بھی اثر نہ ہوا ہم نے حتی الامکان ان کی خیر خواہی میں کوتاہی نہیں کی اور انہوں نے اپنی شرارت اور بغاوت میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی اور نفاق ان کے دلوں سے نہیں گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں پر عتاب الٰہی ہے ہم کو ان لوگوں سے اپنا عوض لینا بھی منظور نہیں ہم کس کس شخص سے عوض لیں؟ بہتر یہی ہے کہ یہ معاملہ ہم اپنے خدا کے سپرد کریں۔ وہی منتقم حقیقی ہے جس طرح چاہے گا، انتقام لے گا۔"

ایک سردار نے ہجرت کے ارادے سے آپ کو باز رکھنے کی کوشش کی اور

www.ahnafmedia.com

کہنے لگا کہ ہماری قوم آپ کی مدد کرنا چاہتی ہے اور سابقہ طریقے کے مطابق عشر وغیرہ بھی دے گی تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا:

"اپنی قوم سے کہہ دو کہ ہمیں یہ کیسے معلوم ہو کہ تم اپنے قول میں سچے ہو؟ ہزارہا آدمی اپنے قول سے پھر گئے اور انہوں نے غازیوں کی لاشوں کے ساتھ وہ کیا، جو کفار نہیں کرتے۔ اب تو ہم کو تمہارے لا الہ الا اللہ کہنے میں بھی شک ہے کہ سچ دل سے کہتے ہو کہ جھوٹے دل سے تمہارا اقرار کلمہ توحید محض قوم کے رسم و رواج کی بنا پر ہے۔"

رجب 1246 ہجری میں آپ نے ہجرت کا اعلان کیا اور کشمیر کا رخ کیا۔ آپ کے بعد ان علاقوں کی حالت کیا ہوئی جہاں یہ ناحق خون بہایا گیا تھا اور اسلامی حکومت ختم کر دی گئی تھی؟ دربار لاہور کی طرف سے ہری سنگھ نے حملہ کیا اور بلا تکلف و تردد ان تمام علاقوں کو دوبارہ خالصہ حکومت میں شامل کر لیا گیا۔ لوگوں پر مختلف ٹیکس لگائے گئے اور جب رعایا نے ناداری اور غربت کا عذر کیا تو ہری سنگھ نے گھر لوٹنے اور عورتوں کو بے آبرو کرنے کا حکم دے دیا۔ تفصیلات تو کتابوں میں ملاحظہ کر لیجئے محمد امیر خان قصوری کہتے تھے میں نے ان علاقوں کی متعدد عورتوں کو لاہور کے بازار حسن میں طوائف کی حیثیت سے دیکھا۔

جو اللہ کے قانون کو اپنے اوپر نافذ نہیں کرنا چاہتے تھے، سکھوں کا قانون اور اس کے نتائج انہوں نے دیکھ لئے جو پاکیزہ خون ناحق بہایا گیا تھا، مالک حقیقی نے جب ان کا بدلہ چکایا تو یہ کس قدر شدید انتقام تھا۔

حضرت امیر المومنین سید احمد کی خدمت میں کشمیر کے راستے میں سردار حبیب اللہ خان حاضر خدمت ہوا۔ [1] سکھوں نے اسے اس کی گڑھی سے بے دخل کر دیا تھا اس نے امیر المومنین سے مدد کی درخواست کی آپ یہ فیصلہ فرما چکے تھے کہ کشمیر کے علاقے میں اپنا مرکز (HEAD QUARTER) قائم کیا جائے اور

[1] بالاکوٹ سے قبل کی گڑھی حبیب اللہ اسی سردار کے نام سے منسوب ہے۔

یہاں سے احیاء دین کی جدوجہد دوبارہ شروع کی جائے۔ گڑھی حبیب اللہ کو سکھوں سے واپس لینے، یہاں کے دوسرے مسلمان سرداروں (جنہوں نے آپ سے سکھ حکومت کے خلاف مدد کی درخواست کی تھی) کی مدد کرنے اور کشمیر فتح کرنے کے لئے، سب سے زیادہ موزوں علاقہ بالاکوٹ تھا۔ [1]

بالاکوٹ کی جغرافیائی حدود

یہ علاقہ وادی کاغان کے جنوبی دھانے پر واقع ہے۔ پہاڑی سلسلے نے اس وادی کو بند کر دیا ہے اور پہاڑوں کی دو دیواروں کے درمیان ایک خلا ہے جہاں دریائے کنھار بہہ رہا ہے۔ مشرق میں کالو خان کا بلند ٹیلہ ہے اور مغرب میں "مٹی کوٹ" نامی جگہ ہے جس کے بارے میں آج بھی وہاں کے لوگ یہ کہتے ہیں "جس کا مٹی کوٹ اس کا بالاکوٹ"۔ شمال میں تین ٹیلے ہیں اور مغرب کی سمت میں ایک نالہ بھی ہے جسے آج بھی "ست بنے کا نالہ" کہتے ہیں۔ جنوب میں وادی کنھار ہے جو وادی کاغان سے نکلتے ہی بالاکوٹ کے پاس جنوبی اور مغربی سمتیں اختیار کر لیتی ہے۔ امیر المومنین سید احمد شہید نور اللہ مرقدہ بالاکوٹ کی طرف آ رہے تھے کہ کشمیر کے مسلمانوں نے آپ کو پیغام بھجوایا کہ "ہم بالاکوٹ میں لشکر اسلام کی آمد سے بہت خوش ہوئے۔ یہاں سے کشمیر صرف تین منزل کے فاصلے پر ہے۔ ہم دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ جلد لشکر اسلام کو ہمارے ملک میں لائے تاکہ ہم کفار کے ظلم و جور سے نجات پائیں اور امام المسلمین کے سایہ حکومت میں آزادی کے ساتھ اسلام کے احکام پر چل سکیں اور سنت کی پیروی کر سکیں۔

یہ خط مولانا اسماعیل شہید رحمتہ اللہ علیہ کی معرفت بھجوایا گیا تھا۔ مولانا اسماعیل شہید نے اسے جب آپ کی خدمت اقدس میں روانہ کیا تو ایک رقعہ یہ بھی

[1] بعض روایات و تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب سندھ کو بھی اپنی تحریک کا مرکز بنانا چاہتے تھے۔

www.ahnafmedia.com

لکھ دیا کہ "جناب والا کا قیام جب "اسب" میں تھا تو اس وقت بھی کشمیر فتح کرنے کا ارادہ ظاہر فرماتے تھے وہاں سے تو کشمیر بہت دور تھا لیکن اب جبکہ ہمارا لشکر مظفر آباد تک آگیا ہے وہاں سے کشمیر صرف دو روز کا راستہ ہے اگر مقامی کشمیری ساتھ دیں تو پہلی منزل لمبی کر کے ایک رات کسی جگہ قیام کر لیں اور دوسرے روز اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہم کشمیر میں داخل ہو سکتے ہیں۔ وہاں کی رعایا اپنے حاکم "کرپارام" کے ظلم سے بہت تنگ آچکی ہے۔ اکثریت مسلمانوں کی ہے اس لئے امید ہے کہ وہاں کے اکثر لوگ لشکر اسلام میں شامل ہو جائیں گے۔"

آپ نے ان خطوط کی روشنی میں اپنے ساتھیوں سے مشورے کو پسند فرمایا اور بالاکوٹ تشریف لے آئے۔ بستی کے خان 'واصل خان نے اپنی حویلی آپ کیلئے خالی کر دی جس میں آپ فروکش ہوئے اور باقی مجاہدین بستی کے دوسرے گھروں میں اتر گئے۔

معرکہ بالاکوٹ

مہاراجہ رنجیت سنگھ کا ولی عہد شیر سنگھ دریائے کنہار کے مشرقی کنارے پر پہنچ چکا تھا۔ مئی 1831ء کا مہینہ آچکا تھا۔ برف باری رک گئی تھی اور اب لشکر آسانی سے حرکت (MOVE) کر سکتا تھا۔ امیر المومنین نے ان تمام ممکنہ راستوں کی ناکہ بندی کروادی تھی جہاں سے سکھ آسکتے تھے۔ صرف ایک راستہ قدرے غیر محفوظ تھا اور وہ یہ تھا کہ سکھ لشکر جہاں مقیم تھا وہاں سے جنوبی مغربی سمت کے پہاڑوں میں سے مٹی کوٹ ٹیلے کی طرف ایک پگ ڈنڈی آتی تھی مگر اول تو یہ راستہ دشوار گزار اور دوسرے مقامی آبادی کے علاوہ اسے کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ یہ راستہ ہندوستان کے قدیم بادشاہوں کی گزر گاہ تھا اور وہ ان علاقوں کو فتح کرنے کیلئے یہاں سے داخل ہوا کرتے تھے۔ صدیوں کا زمانہ اس راستے پر بیت گیا تھا۔ بڑے بڑے تناور درخت اگ آئے تھے۔ پہاڑوں سے

لڑھکنے والے پتھروں نے راستے کے آثار کو مزید مدھم کر دیا تھا مگر مقامی لوگ اسے استعمال کر سکتے تھے۔ ان تمام امور کے باوجود آپ نے مرزا احمد بیگ کو اس راستے پر متعین کر دیا۔

امیر المومنین دوبارہ غداری کا شکار ہو گئے۔ مقامی آبادی میں سے کسی نے سکھوں کی رہنمائی اس قدیم راستے کی طرف کر دی اور جب گولیاں چلیں تو مرزا احمد بیگ نے لوٹ کر اطلاع دی کہ ہمارے ساتھ پھر غداری ہو گئی ہے اور سکھ مٹی کوٹ پہنچ گئے ہیں۔

امیر المومنین کیلئے یہ صورتحال کچھ زیادہ غیر متوقع نہ تھی کیونکہ اس سے پہلے بھی ان کے ساتھ غداری کی جا چکی تھی۔ انہیں زہر دیا گیا تھا اور آج پھر تاریخ نے اپنے آپ کو دہرا دیا تھا۔

اپنے رفقاء کار سے مشورہ شروع کیا کہ ان ظالموں سے کیسے نمٹا جائے۔ ارباب بہرام خان نے اپنی گردن کی طرف انگشت شہادت سے اشارہ کیا اور بولے، "امیر المومنین یہ سر خدا کے راستے میں کٹنے کیلئے حاضر ہے"[1]

مختلف مشورے دیئے گئے لیکن آپ نے بالاکوٹ میں رک کر لڑنے کا فیصلہ فرمالیا۔ لوگوں نے یہ مشورہ دیا کہ بالاکوٹ سے ہٹ کر پہاڑی کے دامن میں پناہ لے لی جائے تو آپ نے فرمایا "کفار کے ساتھ چوری سے لڑنا ہمیں منظور نہیں۔ اسی بالاکوٹ کے نیچے ان سے لڑیں گے۔ اسی میدان میں لاہور ہے۔ اسی میں جنت ہے اور جنت تو پروردگار نے ایسی عمدہ چیز بنائی ہے کہ ساری دنیا کی سلطنت اس کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تمام جہاں سے جو عمدہ چیز ہو اس کو اپنے پروردگار کی نذر کروں اور وہ مجھ سے راضی ہو جائے۔ اپنی جان کو اس کی راہ میں قربان کرنے کو تو میں ایسے سمجھتا ہوں، جیسے ایک تنکا توڑ کر پھینک دینا ہے۔"

---

[1] جذبہ شہادت سے سرشار بہرام خان کے اس سر پر ہزار بار جاں نثار گیاں قربان۔

www.ahnafmedia.com

پھر مقابلے کے دن 24 ذیقعدہ 1246ھ بمطابق 7 مئی 1831ء کا سورج طلوع ہوا۔ آپ نے صبح صادق کے بعد فجر پڑھائی اور اپنی قیام گاہ پر آکر وظیفے میں مشغول ہوگئے۔ اشراق کی نماز ادا فرمائی اور وضو کر کے میدان جنگ میں اترنے کی تیاری شروع کی، وضو کیا، سرمہ لگایا اور داڑھی میں کنگھی کی، لباس تبدیل کر کے ہتھیار لگا لئے اور مسجد کی طرف چلے گئے۔ بندوق آپ کے پاس تھی اور ایک تیز چھری بھی ایک ہندوستانی تلوار اور کٹار سے چار ہتھیار اپنے ساتھ لے لئے، سکھوں کا لشکر مٹی کوٹ سے نیچے اتر کر بالاکوٹ آچکا تھا۔ آپ بالاکوٹ کی اوپر کی مسجد میں تشریف فرما تھے۔ مجاہدین سمیت نیچے کی مسجد میں تشریف لے آئے اور بقول مصنف "سیرت سید احمد شہید" "وہ مبارک ساعت تھی جب جنت آراستہ ہو کر ان کی نگاہوں کے سامنے آگئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ان کی آنکھوں سے پردہ سا اٹھ گیا ہے اور بالاکوٹ کے پہاڑ کے پیچھے سے جنت کی خوشبو ان کے مشام جان کو معطر کر رہی ہے۔"

نیچے والی مسجد میں کچھ دیر آپ ٹھہرے اور پھر سکھوں نے حملہ کر دیا۔ دونوں طرف سے بندوقیں چلنے لگیں اور دھول اڑنے لگی۔ میدان جنگ میں دھواں ہی دھواں ہو گیا یہاں تک کہ بالکل قریبی آدمیوں کو پہچاننا مشکل ہو گیا۔ سکھ جب قریب آگئے تو مجاہدین نے بندوقوں کی بجائے تلواریں نکال لیں اور سکھوں کو قتل کرنے لگے۔ دونوں طرف سے خشت باری بھی جاری تھی اور سکھوں نے توپیں چلانی بھی شروع کر دیں۔

پٹیالہ کے سادات خاندان سے متعلق ایک وجیہ و تنومند سید چراغ علی تھے۔ وہ مجاہدین کیلئے کھیر پکا رہے تھے اور بندوق بھی گلے میں ڈال رکھی تھی۔ کھیر بھی چمچہ سے ہلا رہے تھے اور سکھوں کو دیکھ رہے تھے۔ اچانک ان کی حالت بدلنی شروع ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس عالم ناسوت کے حجابات منکشف فرما کر جنت کو

اس کے تمام انعامات سمیت ان کی نظروں کے سامنے کر دیا تھا۔ وہ بظاہر بالاکوٹ میں کھڑے تھے لیکن ان کی نگاہیں کہیں اور اٹک گئی تھیں۔ ایک دم چیخنے لگے کہ دیکھو ایک حور چلی آتی ہے۔ پھر خاموش ہو گئے کچھ اور دیکھنے لگے پھر ایک دم سے بولے دیکھو کتنا خوبصورت لباس پہنے ہوئے ہے۔ پھر چمچہ دیگچی پر مارتے رہے اور سب کچھ چھوڑ کر سکھوں کے لشکر کی طرف چلنے لگے۔ کھیر پکا رہے تھے اس کا خیال کیا کرتے انہیں کچھ اور دکھائی دینے لگا تھا کہنے لگے اب تو تمہارے ہی ہاتھ کا کھانا کھائیں گے۔ لوگوں نے روکنے کی کوشش کی کہ سید ہم تمہارے ساتھ سکھوں کے لشکر کی طرف چلتے ہیں مگر وہ اس دنیا اور ان ساکنین کی باتوں سے بے نیاز ہو چکے تھے۔ آگے بڑھ گئے اور سکھوں کے مجمع میں گھس گئے اور بالآخر جس جنت کا وعدہ ان سے کیا گیا تھا اور جو اپنی تمام تر رعنائیوں سمیت ان پر عیاں کر دی گئی تھی، وہاں جا بسے۔

مولانا محمد اسماعیل شہید رحمتہ اللہ علیہ نہ صرف لڑ رہے تھے بلکہ لڑا رہے تھے۔ جس طرف انہوں نے حملہ کیا تھا سکھ وہاں سے بھاگنے لگے تھے، شہادت اس مجاہد کا مقدر تھی ایک گولی سر پر لگی اور کنپٹی سے خون جاری ہو گیا۔ زندگی کے بہترین ایام جوانی کے ماہ و سال جس امیر کی اطاعت میں گزارے تھے انہیں ڈھونڈنے لگے اور مختلف لوگوں سے پوچھنے لگے سید صاحب کہاں ہیں؟ داڑھی خون سے تربتر تھی، تلوار ہاتھ میں پکڑ رکھی تھی اور کبھی دوسرے ہاتھ سے پیشانی کا خون صاف کرتے، سکھوں کی طرف چل پڑے اور شوق شہادت میں جان کی قیمت ادا کر کے کوئے یار میں پہنچ گئے۔

www.ahnafmedia.com

جان کی قیمت دیارِ عشق میں ہے کوئے دوست
اس نوید جاں فزا سے سرو بال دوش ہے

جس نے اپنے سینے کو بچپن میں ہی حفظ قرآن کی دولت سے معمور کر لیا تھا آج اس کی آیات پر عمل کرنے کا حق ادا کر رہا تھا۔ وہ جسے رسالت مآب ﷺ کی تیس ہزار (30,000) احادیث مع اسانید کے نوک بر زبان تھیں، صاحب حدیث صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کیلئے روانہ ہو چکا تھا۔ وہ جس کی ترقی درجات آج بھی جاری ہے۔ جس کی تکفیر بند گان شکم نے اپنا دلچسپ مشغلہ بنا رکھا ہے۔ جنہیں خدا کے راستے میں قربانی دینے کا شعور آج تک بھی نصیب نہیں ہوا۔ اس با آبرو شہید فی سبیل اللہ کی قربانیوں کا مذاق اڑاتے ہیں اور اس مذاق اڑانے میں وہ بھی سچے ہیں کہ ان کے کان قربانی، شجاعت، شہادت اور جہاد فی سبیل اللہ کے الفاظ تک سے نا آشنا ہیں۔ وہ ان حقائق کی لذت سے بے خبر ہیں۔ انہیں پیٹ اور اس کے گرد و پیش کے تقاضے پورے کرنے سے کب فرصت ملی ہے کہ وہ اللہ کے راستے میں گردن کٹا دینے کے لطف سے محظوظ ہوتے۔

سید احمد نور اللہ مرقدہ نے اپنی نشست ایک چٹان پر جمالی اور فائر کرنے لگے۔ بہرام خان آپ کے قریب تھے بلکہ کچھ مجاہدین جو آپ کی حفاظت کی غرض سے آپ کے گرد جمع تھے ان میں سے ایک تھے۔ ان سے فرمایا جی چاہتا ہے کہ اس چٹان سے نیچے اتر کر سکھوں کا مقابلہ کیا جائے یہ کہہ کر آپ نیچے اترے اور مجاہدین نے جب آپ کو اترتے دیکھا تو ایک بہت بڑا گروہ آپ کے ساتھ چل پڑا۔

گولیوں کا آزادانہ استعمال شروع ہوا اور ایک گولی حضرت امیر المومنین کی ران پر لگی۔ قبلہ رو ہو کر بیٹھ گئے اور اپنے سینے پر دائیں طرف بندوق جمالی گولی چلاتے رہے۔ داہنے ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے بھی خون بہہ رہا تھا جس سے معلوم

ہوتا ہے کہ آپ کے شانے میں بھی گولی لگ گئی تھی۔ آپ بار بار مجاہدین کو ترغیب جہاد دے رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ سکھوں کا صحیح نشانہ لو اور ان ظالموں کو چن چن کر قتل کر دو۔

تاریخ عام طور پر بتاتی ہے کہ یہ آخری جملہ تھا جو آپ سے بالاکوٹ کے میدان جنگ میں سنا گیا اور یہاں ہجوم میں آپ گم ہو گئے، پھر آپ کا پتہ نہیں چلا۔

کچھ حضرات کا خیال ہے کہ آپ وہیں شہید کر دیئے گئے تھے۔ پھر آپ کا سر مبارک تن سے جدا کر دیا گیا اور پھر سر اور جسم دونوں کو دریائے کنہار کے قریب دفن کر دیا گیا جہاں آج بھی ایک چھوٹا سا قبرستان ہے جس میں درمیان کی قبر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت سید احمد شہید نور اللہ مرقدہ کی قبر ہے۔ کنور شیر سنگھ جو سکھ فوج کا کمانڈر تھا اس نے فتح کے بعد مسلمانوں کو اجازت دی کہ وہ آپ کی تجہیز و تکفین شریعت اسلامیہ کے مطابق کریں۔ اپنا دوشالہ سید صاحب کو اوڑھایا اور (-/25) پچیس روپے بھی خیرات کیلئے دے دیئے۔ چنانچہ آپ کو مکمل فوجی اعزاز کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔ [1]

ایک روایت یہ بھی ہے کہ سر اور جسم دونوں کو اگرچہ دریائے کنہار کے کنارے اکٹھا دفن کیا گیا تھا مگر بعد ازاں قبر سے لاش اور سر نکال کر دریا میں ڈال دی گئی۔ سر اور جسم بہتے ہوئے الگ الگ اور سر کو گڑھی حبیب اللہ میں نکال کر دفن کر دیا گیا اور جسم تلہٹہ میں مدفون ہے۔

تیسری بات جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی پوشیدگی کے متعلق مشہور ہوئی تھی، وقت نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ درست نہ تھی۔

---

[1] ۔ راقم الحروف نے 1981ء میں ایک پمفلٹ سیرت احمد شہید کے عنوان سے لکھا تھا اور وہاں اسی روایت کو نقل کیا گیا تھا۔ اس کا تذکرہ اور تفصیل سوانح احمدی اور مولانا غلام رسول مہر کی کتاب "سید احمد شہید" میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

www.ahnafmedia.com

حقیقت حال کچھ بھی ہو امیرالمومنین سید احمد شہید نوراللہ مرقدہ کی قبر مشکوک ہوگئی۔ [1] اور یہ بھی آپ کی اس دعا کا نتیجہ تھا جس کا تذکرہ نواب وزیرالدولہ مرحوم نے کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

> ایک مرتبہ حضرت سے ایک شخص نے کہا کہ آپ قبر پرستی اور بزرگان دین کے مزارات پر مشرکانہ اعمال اور بدعات سے اس شدومد کے ساتھ روکتے ہیں لیکن خود آپ کے ہزاروں مرید اور ہزاروں معتقد ملک میں ہیں۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے مزار پر وہی ہو گا' جو دوسرے بزرگان دین کے مزارات پر ہو رہا ہے اور آپ کی قبر کی پرستش بھی اسی طرح ہوگی' جس طرح ان قبروں کی پرستش ان کی وفات کے بعد ہوتی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ میں درگاہ الٰہی میں بہ صد آہ و زاری درخواست کروں گا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ میری قبر کو معدوم اور میرے مدفن کو نامعلوم کر دے۔ نہ قبر رہے گی۔ نہ اس پر شرک و بدعت ہوگی۔ خدائی قدرت ورحمت ملاحظہ ہو کہ حضرت کی یہ دعا قبول ہوئی اور آپ کی قبر کا آج تک پتہ نہ چلا۔ "

حضرت کا یک لخت میدان جہاد میں نظر نہ آنا' مجاہدین کیلئے جس قدر پریشان کن تھا اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ سکھ جو بھاگ کر پہاڑوں پر چڑھ کر اپنی جان بچا رہے تھے' مجاہدین کی پریشانی سے فائدہ اٹھا کر پلٹ گئے۔ جماعت کا ہر آدمی آپ کو تلاش کر رہا تھا اور سبھی ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے کہ امیرالمومنین کا کیا بنا؟ وہ کہاں ہیں؟

اسی اثناء میں سکھوں نے اپنی حالت پر قابو پاکر دوبارہ زوردار حملہ کر دیا اور جو ملا اسے شہید کرتے چلے گئے۔ تین سو (300) سے زائد مجاہدین اس معرکے میں کام آگئے۔ سکھ آگے بڑھے اور بالاکوٹ کے پورے قصبے کو

[1] میدان جنگ کے واقعات اور تاریخی شہادتوں سے یہ بات زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ حضرت سید احمدؒ میدان جنگ ہی میں شہید ہوگئے تھے۔

گھیر لیا۔ گھروں کو آگ لگادی اور جو مجاہدین اپنی بیماری کی وجہ سے اس معرکے میں شریک نہ ہوسکے تھے انہیں گھروں میں جاجا کر شہید کر دیا۔ بستی میں کہرام مچ گیا اور مرد' عورتیں' بچے اپنے اسباب واموال چھوڑ چھوڑ کر بھاگنے لگے اور وہ سماں نظر آنے لگا جو کسی بستی کی فتح کے بعد ظالم اور ناخدا ترس حکمران وہاں دکھایا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جن کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے۔ [1]

إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً وَكَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ

بادشاہ جب کسی بستی میں گھستے ہیں' اس کو خراب کر دیتے ہیں اور وہاں کے سرداروں کو بے عزت کر ڈالتے ہیں اور ایسا ہی کچھ کریں گے۔

جب یہ تمام علاقہ' سکھ خوب اچھی طرح تہ وتیغ کرچکے اور اپنے ارمان نکال چکے تو مقامی آبادی اور سکھ فوج کے مسلمانوں کو یہ اجازت ملی کہ وہ شہداء کی تجہیز وتکفین کرلیں۔

شاہ ولی اللہ کے پوتے' امیرالمومنین نوراللہ مرقدہ کے دست راست' اللہ کی توحید کا ڈنکا بجانے والے اور سنت نبوی علیہ السلام کے امین و پاسبان مولانا اسمٰعیل شہید رحمتہ اللہ علیہ کو قصبے کے شمال مشرق میں ست بنے کے نالے کے پار دفن کیا گیا اور ارباب بہرام خان کو جو اپنی انگشت شہادت سے سر کی طرف اشارہ کر کے کہتا تھا کہ امیرالمومنین یہ سر اللہ کے راستے میں کٹنے کے لئے تیار ہے' بہت عرصہ سے یہ تمنائے شہادت لئے اس گروہ مجاہدین میں سرگرداں تھا مولانا اسمٰعیل شہید کے پہلو میں آسودہ خاک ہوا۔ کیا عالم ربانی تھا جو ایک قبر میں تھا اور کیا مجاہد تھا جسے دوسری قبر ملی تھی۔ کیسے کیسے آسمان تھے۔ جو بالاکوٹ کی

[1] القرآن - 34/27

www.ahnafmedia.com

زمین میں مل گئے اور کن چاندوں کو گہن نے داغ دیا ۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گرانمایہ کیا کئے

ارباب بہرام خان کے ساتھ وہ معاملہ ہوا جو حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے والد کے متعلق بیان کرتے تھے کہ ان کی میت زمین پر کھانا حرام ہو گئی۔ محمد خان ارباب بہرام خان کا بھتیجا تھا اس نے اپنے قبیلے کو جمع کیا اور کہا کہ میرا ارادہ ہے اپنے چچا کی لاش کو بالاکوٹ سے لے آؤں اور اپنی اس بستی "تھکالی" میں دفن کروں۔ لوگوں نے مخالفت کی کہ شہادت اور تدفین کو چھ ماہ سے زیادہ عرصہ گزر گیا ہے لاش گل چکی ہو گی' ہڈیاں باقی ہوں گی یا وہ بھی نہیں۔ انہیں کھودنا کیا ضروری ہے؟

محمد خان نے کہا کہ چچا جہاں تک مجھے معلوم ہے سید بادشاہ کے ساتھ گئے تھے اور ان کی نیت محض اللہ کو راضی کرنے اور اس کے راستے میں شہادت حاصل کرنے کی تھی' اپنا گھر بار سب کچھ اسی لئے چھوڑ کر گئے تھے۔ ان کی شہادت بھی خالص اللہ ہی کے لئے تھی۔ اس لئے مجھے یقین ہے کہ انشاء اللہ چچا کی لاش قبر میں سلامت ہو گی اس لئے میں تو ضرور لاؤں گا۔

لوگ سمجھاتے رہے مگر چچا کی محبت اس اصرار پر غالب آ گئی۔ قبیلے کے چالیس (40) افراد کو ساتھ لیا اور بالاکوٹ چلا گیا۔ وہاں کے لوگوں نے بھی قبر کھودنے سے روکا مگر یہ جوطے کر کے آیا تھا' کر گزرا۔ قبر جب کھولی گئی تو لاش بالکل تروتازہ تھی جیسے اس شہید کو لٹا دیا گیا تھا ویسے ہی اٹھا لیا گیا اور صندوق میں رکھ دیا گیا۔

مجاہدین کا اخلاص نیت کی درستگی اور ان کی شہادتوں کے عنداللہ قبول ہو جانے کی یہ ایک ظاہری شہادت تھی۔ جو اللہ تعالیٰ نے اس لئے ظاہر کر دی کہ ان

با اخلاص و باوفا ہستیوں پر کفر کا بہتان اور ان کی شہادت میں شک کرنے والوں کے منہ پر قیامت تک طمانچہ رہے۔

بالاکوٹ میں دھانوں کے کھیت لاشوں سے اٹے پڑے تھے۔ مجاہدین کے اعضاء بکھرے ہوئے تھے تین سو (300) سے زیادہ لاشیں تھیں اتنی قبریں کھودنا اور کفن دفن کا بندوبست کرنا ممکن نہ تھا اس لئے لاشوں کو مٹی کوٹ کے ایک نالے میں جمع کر دیا گیا اور اوپر مٹی ڈال کر پتھر رکھ دیئے گئے۔ اس طرح وہ جو اب تک سیلاب اور برساتی پانی چلنے کی جگہ تھی گنج شہیداں بن گئی۔

فتح بالاکوٹ کی خبر دربار لاہور پہنچی تو رنجیت سنگھ کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ سرکاری طور پر توپوں کی سلامی ہوئی۔ امرتسر کے مرکزی گوردوارے (GOLDEN TEMPLE) میں چراغاں کا حکم ہوا۔ جو قاصد فتح کی خوشخبری لے کر آیا تھا مہاراجہ سے سونے کے کنگن کی ایک جوڑی اور پگڑی انعام میں لے کر گیا۔ ولی عہد سلطنت کنور شیر سنگھ کو تہنیت کا خط لکھا گیا اس کی ان خدمات کو سراہا گیا اور اس کی واپسی پر اسے ایک جاگیر عطا کرنے کا وعدہ کیا گیا۔

انگریز جو اس نوخیز ابھرتی ہوئی طاقت کو دیکھ رہا تھا۔ منتشر ہونے پر بہت خوش ہوا۔ گورنر کے سیکرٹری نے شملہ سے کیپٹن سی اے ایم ویڈ (CAM WAID) کو خط لکھا کہ گورنر جنرل کی طرف سے اس فتح پر مہاراجہ رنجیت سنگھ کو مبارک باد پیش کی جائے۔ جو مجاہدین اس قتل و غارت گری کی نذر ہونے سے بچ گئے تھے۔ یا دوسرے علاقوں میں ہونے کی وجہ سے اس معرکے میں شریک نہیں تھے ہندوستان لوٹے اس لئے نہیں کہ اس تحریک کو بھول جائیں۔ اس لئے کہ ایک نئی قیادت کی ماتحتی میں اس تحریک کو دوبارہ منظم کیا جا سکے۔

یہ تھی برصغیر کی پہلی اسلامی تحریک جہاد۔

www.sirat-e-mustaqeem.net

بالاکوٹ کے شہداء یہ نفوس قدسیہ کیا تھے؟

بالاکوٹ کے شہدا آسمان انسانیت کے وہ روشن اور درخشندہ ستارے تھے جن کی تابندگی فلک کی برس ہابرس کی گردش کا نتیجہ تھی..... جنہیں ناقدر شناسی کے ظالم ہاتھوں نے سہل جان کر مایوسی کے افق میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غروب کر دیا۔ یہ وہی جوہر لطیف تھا جو گلشن حجاز کے بے شمار پھولوں سے سینچا گیا تھا مگر اپنوں ہی کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے ہاتھوں بالاکوٹ کی سنگلاخ وادیوں کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ یہ وہی مقدس خون تھا جو قوموں کے ہزار ہا خزاں رسیدہ چمن میں بہاریں لانے کے لئے کافی تھا۔ خاک کے دامن میں لٹا دیا گیا۔ یہ وہی متاع گراں مایہ تھی جسے لاکھوں آہ سحر گاہی کے ذریعے طلب کیا گیا تھا لیکن امت کی مجموعی شقاوت قلبی کی نذر ہو گیا۔ یہ وہی روشن مقدر تھا جسے غفلت و سرمستی کی تیرہ بختیوں میں اتار دیا گیا۔ یہ وہی ماہ درخشاں تھا' جو امت کے گھر کے ہر ہر آنگن کو منور کرنے کے لئے کافی تھا مگر اپنے ہی ہاتھوں نے گہنا دیا یہ جہاد وہی جرات مندانہ اقدام تھا' جو گری ہوئی انسانیت کو معراج سے روشناس کرانے کے لئے کافی تھا۔ مگر اس کے نقش پا کو حسد و کینہ پروری کی نحوست نے صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔

افسوس یاں تو بن کے مقدر بگڑ گیا
پھل پھول لا کے باغ تمنا اجڑ گیا

شہدائے بالاکوٹ کس مقام کے حامل تھے اور ان نفوس قدسیہ کا پیغام آج بھی ہمارے لئے کیا ہے؟ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اس بات کو انتہائی احسن طریقے سے نبھایا ہے ہم اس باب کو انہی کے وقیع' خوبصورت اور دلنشین تحریر پر ختم کرتے ہیں وہ تحریر فرماتے ہیں [1]

[1] سیرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ۔ ج۔ 3 ص۔ 459

شہداء بالاکوٹ کا مقام اور پیغام

بالاکوٹ کے معرکہ میں وہ پاک نفوس شہید ہوئے جو عالم انسانیت کے لئے رونق و زینت' اور مسلمانوں کے لئے شرف و عزت اور خیر و برکت کا باعث تھے' مردانگی و جوانمردی' پاکیزگی و پاک بازی' تقدس و تقویٰ اتباع سنت و شریعت اور دینی حمیت و شجاعت کا وہ عطر جو خدا جانے کتنے باغوں کے پھولوں سے کھینچا گیا تھا' اور انسانیت اور اسلام کے باغ کا جیسا "عطر مجموعہ" صدیوں سے تیار نہیں ہوا تھا' اور جو ساری دنیا کو معطر کرنے کے لئے کافی تھا' 24۔ ذوالقعدہ 1246ھ کو بالاکوٹ کی مٹی میں مل کر رہ گیا مسلمانوں کی نئی تاریخ بنتے بنتے رہ گئی' حکومت شرعی ایک عرصہ کے لئے خواب بے تعبیر ہو گئی' بالاکوٹ کی زمین اس پاک خون سے لالہ زار اور اس گنج شہیداں سے گلزار بنی جس کے اخلاص وللہیت' جس کی بلندی و استقامت' جس کی جرات و ہمت' اور جس کے جذبہ جہاد و شوق شہادت کی نظیر پچھلی صدیوں میں ملنی مشکل ہے' بالاکوٹ کی سنگلاخ و ناہموار زمین پر چلنے والے بے خبر مسافر کو کیا خبر کہ یہ سرزمین کن عشاق کا مدفن اور اسلامیت کی کس متاع گراں نمایہ کا مخزن ہے۔

یہ بلبلوں کا صبا مشہد مقدس ہے
قدم سنبھال کے رکھیو یہ تیرا باغ نہیں ہے

اللہ کے کچھ مخلص بندوں نے ایک مخلص بندہ کے ہاتھ پر اپنے مالک سے اس کی رضا اس کے نام کی بلندی' اور اس کے دین کی فتح مندی کے لئے آخری سانس تک کوشش کرنے اور اس کی راہ میں اپنا سب کچھ لٹا دینے کا عہد کیا تھا' جب تک ان کے دم میں دم رہا اسی راہ میں سرگرم رہے' بالآخر اپنے خون شہادت سے اس پیمان وفا پر آخری مہر لگا دی' یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ 24

www.ahnafmedia.com

ذوالقعدہ کا دن گذار کر جو رات آئی وہ پہلی رات تھی، جس رات کو وہ سبک دوش وسبک سر ہو کر میٹھی نیند سوئے۔

وہ خلعت شہادت پہن کر جس کریم کی بارگاہ میں پہنچے وہاں نہ مقاصد کی کامیابی کا سوال ہے نہ کوششوں کے نتائج کا مطالبہ، شکست وناکامی پر عتاب ہے نہ کسی سلطنت کے عدم قیام پر محاسبہ، وہاں صرف دو چیزیں دیکھی جاتی ہیں، صدق واخلاص اور اپنی مساعی اور وسائل کا پورا استعمال، اس لحاظ سے شہداء بالاکوٹ اس دنیا میں سرخرو ہیں، اور انشاءاللہ دربار الٰہی میں بھی با آبرو، کہ انہوں نے اخلاص کے ساتھ اپنے مالک کی رضا کے لئے اپنی مساعی اور وسائل کے استعمال میں ذرہ برابر کمی نہیں کی، ان کا وہ خون شہادت جو ہماری مادی نگاہوں کے سامنے بالاکوٹ کی مٹی میں جذب ہو گیا، اور اس کے جو چھینٹے پتھروں پر باقی تھے، 26 ذوالقعدہ کی بارش نے ان کو بھی دھو دیا، وہ خون جس کے نتیجہ میں کوئی سلطنت قائم نہیں ہوئی کسی قوم کا مادی وسیاسی عروج نہیں ہوا، اور کوئی نخل آرزو اس سے سرسبز ہو کر بار آور نہیں ہوا، اس خون کے چند قطرے اللہ کی میزان عدل میں پوری پوری سلطنتوں سے زیادہ وزنی ہیں، یہ فقیران بے نوا جنہوں نے عالم مسافرت میں بے کسی کے ساتھ جان دی اور جن کی اب دنیا میں کوئی مادی یادگار نہیں یہ اللہ کے یہاں ان بانیان سلطنت اور موسسین حکومت سے کہیں زیادہ قیمتی اور معزز ہیں، جن کی تصویر قرآن نے ان الفاظ میں کھینچی ہے۔

وَاِذَا رَاَیْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ وَاِنْ یَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ

(پارہ 28 سورۃ المنفقون آیت 4)

اور جب تم انہیں دیکھو تو ان کے ڈیل ڈول تمہیں اچھے لگیں اور اگر کہیں تم ان کی بات سن لو کہ کیسی ہیں تو ایسی جیسے لکڑی دیوار میں گاڑ دی گئی ہو۔

بے شک شہداء بالاکوٹ کے خون نے دنیا کے سیاسی وجغرافیائی نقشہ میں کوئی فوری تغیر نہیں پیدا کیا، خون شہادت کی ایک مختصر سی سرخ لکیر ابھری تھی، اس کی جگہ نہ جغرافیہ نویس کے طبعی نقشہ میں تھی، نہ مورخ کے سیاسی مرقع میں، لیکن کسے خبر کہ یہ خون شہادت دفتر قضاوقدر میں کس اہمیت واثر کا مستحق سمجھا گیا، اس نے مسلمانوں کے نوشتہ تقدیر کے کتنے دھبے دھوئے، اس نے اللہ تعالیٰ کے یہاں جس کے یہاں محو واثبات کا عمل جاری رہتا ہے۔

یَمْحُوا اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ وَعِنْدَهٗ اُمُّ الْكِتٰبِ

(پارہ 13، سورہ رعد آیت 39)

اللہ جو چاہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہے باقی رکھتا ہے اور اسی کے پاس اصل کتاب ہے

کون سے نئے فیصلے کروائے، اس نے کسی مستحکم سلطنت کے لئے خاتمہ و زوال اور کسی پسماندہ قوم کے لئے عروج واقبال کا فیصلہ کروایا، اس سے کس قوم کا بخت بیدار ہوا، اور کس سرزمین کی قسمت جاگی اس نے کتنی بظاہر ناممکن الوقوع باتوں کو ممکن بنا دیا اور کتنی بعید از قیاس چیزوں کو واقعہ اور مشاہدہ بنا کے دکھا دیا۔

یوں تو شہداء بالاکوٹ میں سے ہر فرد کا پیغام یہ ہے کہ

قَالَ یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ بِمَا غَفَرَ لِیْ رَبِّیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُكْرَمِیْنَ ۝

(پارہ 23، سورہ یٰسین آیت 27)

کاش میری قوم کسی طرح یہ جان لے کہ کس وجہ سے مجھے میرے پروردگار نے بخش دیا اور مجھے معزز لوگوں میں سے کر دیا۔

مگر گوش شنوا اور دیدہ بینا کے لئے ان کا مجموعی پیغام یہ ہے کہ ہم ایک ایسے خطہ زمین کے حصول کے لئے جدوجہد کرتے رہے، جہاں ہم اللہ کی منشا اور اسلام کے قانون کے مطابق آزادی کے ساتھ زندگی گزار سکیں، جہاں ہم دنیا کو اسلامی زندگی اور اسلامی معاشرے کا نمونہ دکھا کر اسلام کی طرف مائل اور اس کی

www.ahnafmedia.com

صداقت و عظمت کا قائل کر سکیں جہاں نفس و شیطان ' حاکم و سلطان اور رسم ورواج کی بجائے خالص اللہ کی حکومت واطاعت ہو۔

وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ (پارہ 10 ' سورۃ الانفال 39)

اور تمام کا تمام دین اللہ ہی کیلئے ہو جائے

جہاں اطاعت وعادت اور صلاح وتقویٰ کے لئے اللہ کی زمین وسیع اور فضا ساز گار ہو ' جہاں ہم کو صدیاں گزر جانے کے بعد پھر

الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ ۔

وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو قدرت دیں ملک میں ' تو وہ قائم رکھیں نماز اور دیں زکوٰۃ اور حکم کریں بھلے کام کا اور منع کریں برائی سے (ج 41)

کی تفسیر اور تصویر پیش کرنے کا موقع مل سکے ' تقدیر الٰہی نے ہمارے لئے اس سعادت و مسرت اور اس آرزو کی تکمیل کے مقابلے میں میدان جنگ کی شہادت اور اپنے قرب ورضا کی دولت کو ترجیح دی ' ہم اپنے رب کے اس فیصلہ پر رضامند و خورسند ہیں ' اب اگر اللہ نے تم کو دنیا کے کسی حصہ میں کوئی ایسا خطہ زمین عطا فرمایا ' جہاں تم اللہ کی منشا اور اسلام کے قانون کے مطابق آزادی کے ساتھ زندگی گزار سکو ' اور اسلامی زندگی اور اسلامی معاشرہ کے قائم کرنے میں کوئی مجبوری مخل اور کوئی بیرونی طاقت حائل نہ ہو ' پھر بھی تم اس سے گریز کرو ' اور ان شرائط واوصاف کا ثبوت نہ دو ' جو مہاجرین و مظلومین کے اقتدار اور سلطنت کا تمغہ امتیاز ہیں تو تم ایسے کفران نعمت اور ایک ایسی بد عہدی کے مرتکب ہو گئے جس کی نظیر تاریخ میں ملنی مشکل ہے ' ہم نے جس زمین کے چپے چپے کے لئے جدوجہد کی اور اس کو اپنے خون سے رنگین کر دیا ' اکوڑے ' اور بشیدو کے میدان اور توروا اور مایار کی رزم گاہ سے لے کر بالاکوٹ کی شہادت گاہ تک ہمارے خون

شہادت کی مہریں اور ہمارے شہیدوں کی قبریں ہیں تم کو خدا نے اس زمین کے وسیع رقبہ اور سرسبز و شاداب خطے سپرد فرمائے اور بعض اوقات قلم کی ایک جنبش اور برائے نام کوشش نے تم کو عظیم سلطنتوں کا مالک بنا دیا '

ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِن بَعْدِهِم لِّنَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ (پارہ 10 ' سورۃ یونس آیت 14)

ترجمہ پھر ہم نے تم کو ان کے بعد زمین میں جانشین کیا تا کہ دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو

اگر تم اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور تم نے آزادی کی اس نعمت اور خداداد سلطنت کی اس دولت کو جاہ واقتدار کے حصول اور حقیر وفانی مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ بنایا تم نے اپنے نفوس اور اپنے متعلقین ملک کے شہریوں اور باشندوں پر خدا کی حکومت اور اسلام کا قانون جاری نہ کیا اور تمہارے ملک اور تمہاری سلطنتیں اپنی تہذیب و معاشرت اور اپنے قانون و سیاست اور تمہارے حاکم اپنے اخلاق و سیرت اور اپنی تعلیم و تربیت میں غیر اسلامی سلطنتوں اور غیر مسلم حاکموں سے کوئی امتیاز نہیں رکھتے تو تم آج دنیا کی ان قوموں کے سامنے جن سے تم نے مسلمانوں کے لئے الگ خطہ زمین کا مطالبہ کیا اور کل خدا کی عدالت میں جہاں اس امانت کا ذرہ ذرہ حساب دینا پڑے گا کیا جواب دو گے خدا نے تم کو ایک ایسا نادر موقعہ عطا فرمایا ہے جس کے انتظار میں چرخ کہن نے سینکڑوں کروٹیں بدلیں اور تاریخ اسلام نے ہزاروں صفحے الٹے جس کی حسرت و آرزو میں خدا کے لاکھوں پاک نفس اور عالی ہمت بندے دنیا سے چلے گئے اس موقعہ کو اگر تم نے ضائع کر دیا تو اس سے بڑا تاریخی سانحہ اور اس سے بڑھ کر حوصلہ شکن اور یاس انگیز واقعہ نہ ہو گا

www.ahnafmedia.com

بالاکوٹ کے ان شہیدوں کا جو ایک دور افتادہ بستی کے ایک گوشہ میں آسودہ خاک ہیں ان سب لوگوں کے لئے جو اقتدار و اختیار کی نعمت سے سرفراز اور ایک آزاد اسلامی ملک کے باشندے ہیں پیغام ہے

فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ

کیا یہ احتمال بھی ہے کہ اگر تمہاری حکومت ہو تو تم زمین میں فساد کرو اور قطع رحمی سے کام لو۔ (محمد 22)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب 6 ششم

جہاد آزادی

حضرت اقدس امیر المومنین سید احمد شہید نور اللہ مرقدہ کی تحریک جہاد (جس کا تفصیلی تذکرہ پچھلے باب میں گزر چکا ہے) کوئی مقامی تحریک نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں شان محبوبیت عطاء فرمائی تھی اور لاکھوں انسان ان کے حلقہ ارادت میں داخل تھے۔ ہر ایک کو ظلم کے خلاف آواز بلند کرنے اور جدوجہد کرنے کا حکم تھا۔ زبان، قلم اور تلوار تینوں قسم کا جہاد آپ کے تمام حلقے میں جاری و ساری رہا۔ غیر مسلموں کو اسلام سے روشناس کرانا انہیں اس دین مقدس کی دعوت دینا اور حکومتی سطح پر اس دین کے نفاذ کے لئے تیر و تفنگ سے کام لینا، اسلام کی اشاعت کے لئے تمام ممکنہ طرائق کو آپ نے اپنایا۔ اس سلسلے کی وسعت جن بلندیوں پر جا پہنچی مولوی عبدالاحد صاحب اس کے بارے میں لکھتے ہیں [1]

"حضرت سید احمد صاحب کے ہاتھ پر چالیس ہزار (40000) سے زیادہ ہندو وغیرہ کفار مسلمان ہوئے اور تیس لاکھ (3000000) مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور جو سلسلہ آپ کے خلفاء اور

---

[1] مولوی صاحب حضرت سید احمد کے اہل عقیدت میں سے تھے۔

www.ahnafmedia.com

خلفاء کے خلفاء کے ذریعے تمام روئے زمین پر جاری ہے اس سلسلے میں
تو کروڑوں آدمی آپ کی بیعت میں داخل ہیں"۔

بنگال میں تحریک جہاد

حضرت سید احمدؒ کے اس سلسلے میں ایک شاخ بنگال میں بھی تھی بہت ہی ناسپاسی ہوگی' اگر ہم ان کا اور ان کی مساعی کا ذکر (اگرچہ اختصار کے ساتھ) نہ کریں جو انہوں نے انگریزوں کے خلاف برصغیر کو آزاد کرانے اور جہاد کو زندہ رکھنے میں کیں۔

بنگال کے مسلمانوں نے اس دور میں جبکہ سید احمد صاحب کلکتہ تشریف لے گئے تھے' آپ سے درخواست کی کہ آپ بنگال کو اپنی تحریک کا مرکز بنائیں اور یہاں بھی اصلاح کا کام شروع فرمائیں۔ مگر اس زمین کی وسعت اور وقت کی قلت کے پیش نظر آپ اس تجویز کا مثبت جواب مرحمت نہ فرما سکے۔ لیکن دو آدمیوں کو آپ نے اس سلسلے میں اپنا نائب منتخب فرمایا جن میں سے ایک نواکھالی کے مولوی امام الدین صاحب تھے اور دوسرے چٹاگانگ کے صوفی نور محمد صاحب تھے۔

مولوی امام الدین صاحب نے دراسات اسلامیہ کی تکمیل حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ سے کی تھی۔ شاہ صاحب کے حلقے میں ان کے جن شاگردوں کا شمار سرفہرست ہوتا تھا' ان میں سے ایک یہ بھی تھے۔ بعد ازاں لکھنؤ گئے اور وہیں حضرت سید احمد شہید نور اللہ مرقدہ سے بیعت ہوگئے۔ بالاکوٹ تک کا تمام سفر انہوں نے طے کیا اور امیر المومنینؒ کی شہادت کے بعد نواکھالی واپس آگئے۔ یہاں ہندوانہ رسومات اور ان کا جو اثر مسلمانوں نے قبول کر لیا تھا اس کے خلاف آواز اٹھاتے رہے۔ انگریز دشمنی تو انہیں اپنے پیر و مرشد سے ورثہ میں ملی تھی۔ اس روش پر قائم رہے اور تادم واپسیں انگریزوں کے خلاف جہاد کا علم بلند کئے رکھا۔

حضرت امیر المومنین سید احمد شہید نور اللہ مرقدہ 1824ء میں کلکتہ تشریف لے گئے تھے۔ صوفی نور محمد صاحب وہاں آپ سے بیعت ہوئے اور پھر بالاکوٹ میں آپ کی شہادت تک ساتھ ساتھ رہے۔ واپسی پر اپنے آبائی وطن چٹاگانگ کو مرکز تحریک حریت بنالیا اور انگریز حکومت کے خلاف جدوجہد کرتے رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ محفل رشد و ہدایت کے سرخیل تھے۔ 1858ء میں چٹاگانگ ہی میں وفات پائی اور وہیں آپ کا مزار ہے۔ ان دو حضرات کے علاوہ بھی بنگال میں آپ کا وسیع حلقہ تھا جس آزادی' رشد و ہدایت ظلم کے خلاف جدوجہد اور انگریز دشمنی کے بیج آپ نے بوئے تھے' تناور درختوں کی صورت اختیار کر گئے اور کچھ ہی عرصہ بعد اپنے پھل پھول ظاہر کرنے لگے۔

تیرہویں صدی کا مجدد

صرف بنگال' دہلی' لکھنؤ اور سرحد پر ہی کیا موقوف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اطراف واکناف کی ہدایت کا سلسلہ سید صاحب سے جاری فرما دیا تھا۔ وہ بلاشک و شبہ اپنے صدی میں مقام تجدید پر فائز تھے حلقہ صوفیاء میں قطب الاقطاب تھے اور صحیح معنی میں نائب رسول ﷺ تھے۔ مولانا کرامت علی جونپوری لکھتے ہیں۔ [1]

> "اس امت مرحومہ کے واسطے حضرت قطب الاقطاب امیر المومنین سید احمدؒ کو اس تیرہویں صدی کا مجدد پیدا کیا اور اس جناب نے دین کو تازہ اور نیا بنا کر دیا (2) اور غافلوں کو ہوشیار کر دیا اور دین کے علم کو خوب پھیلایا اور اس طرح نمائش کر کے ذکر و مراقبہ تعلیم کیا اور مشاہدے کی حقیقت کو ایسا سمجھا دیا کہ جو نعمت برسوں میں حاصل نہ ہوتی تھی' سو اس جناب کے طریقے میں باآسانی ایک ہفتے مشرے میں حاصل ہونے لگی۔ ان کے اوصاف و کرامات لکھنے کی حاجت نہیں' تمام ملک میں مشہور ہیں۔ اس سے بڑھ کر کیا کرامات ہوں گی

---

[1] سیرت سید احمد شہید - ج 2' ص 528 [2] مراد یہ ہے کہ انہوں نے دین کی تجدید فرمائی نہ یہ کہ انہوں نے معاذ اللہ دین بدل دیا تھا۔

www.ahnafmedia.com

کہ اس ملک کے مردوں' عورتوں میں نماز روزہ خوب جاری ہوگیا۔ اور آگے پیرزادوں اور مولویوں سے لے کر عوام تک کی عورتوں میں نماز کا چرچا بھی نہ تھا اور اب ہر قوم کی عورت مرد نماز میں بالکل مستعد ہوگئے ہیں۔ قرآن شریف کا صحیح اور باتجوید پڑھنا اور قرآن شریف کا حفظ خوب جاری ہوگیا ہے اور حافظوں کی کثرت ہوگئی ہے۔ یہاں تک کہ عوام کی عورتیں حافظ ہوگئیں اور دیہات اور شہروں میں لوگ حفظ کررہے ہیں اور پرانی مسجدیں آباد ہوگئیں اور نئی مسجدیں بننے لگیں۔ ہزاروں آدمی ملکے مدینے کے حج اور زیارت سے مشرف ہوگئے اور شرک وبدعت اور کفر کی رسم اور خلاف شرع کام سے لوگ باز آگئے اور سب کو دین کی تلاش ہوئی اور دینی کتابیں جو نادر اور کمیاب تھیں سو شہر گاؤں میں ہر گھر گھر پھیل گئیں اور حقیقت میں حضرت سید احمد صاحبؒ اس زمانے کے سارے مسلمانوں کے مرشد ہیں۔ کوئی سمجھے یا نہ سمجھے' جانے یا نہ جانے' مانے یا نہ مانے۔"

جہاد کی ایک اور صورت!

مسلمانوں کے مرشد نے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفہ جہاد کو عملی صورت میں پیش کر دیا تھا۔ ان کی تحریک جہاد کی پشت پر دو بہترین ہستیاں بھرپور تائید کے لئے موجود تھیں ایک ہستی تو شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی فیض یافتہ تھی شاہ صاحب حجتہ اللہ البالغہ میں جہاد کے موضوع پر لکھتے ہیں۔ [1]

فالمدن الفاسدة التی یغلب علیها نفوس سبعیة ویکون لهم تمنع شدید ۔ انما هو بمنزله الا کلمة فی بدن انسان لا صبح الانسان الابقطعه والذی یتوجه الی الی اصلاح مزاجه واقامة طبیعته لابد من القطع۔ والشز القلیل اذا کان مفضیا الی الخیر الکبیر واجب فعله۔

[1] باب الجہاد - ج2 ص157۔

تباہ حال شہر جن پر درندہ صفت انسانوں کا تسلط ہو' اور ان کو اپنی حفاظت اور دفاع کی پوری طاقت حاصل ہو۔ یہ (ظالم اور جابر پارٹی) جسد انسانیت کے لئے سرطان ہے کہ انسان اس وقت تک تندرست نہیں ہوسکتا جب تک اس کینسر کو کاٹ کر نہ پھینک دیا جائے جو ڈاکٹر بھی اس انسان کے مزاج کو درست کرنے اور اس کی صحت بحال کرنے کی طرف توجہ کرے گا' اس کے لئے ضروری ہوگیا کہ پہلے اس سرطان کا پورا آپریشن کر ڈالے۔ تھوڑی سی برائی کو مٹا میں لانا جب کہ اس کا نتیجہ خیر کثیر (اور بہت بڑی بھلائی) ہو' واجب اور ضروری ہوجاتا ہے۔"

اور اسی بات کو سید صاحبؒ نے خود بھی سمجھ لیا تھا اور ان کے رفقاء کار بھی اسی نصب العین کے موید تھے مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ نے اپنے دادا کے اسی اصول کی منصب امامت میں تشریح کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ جہاد کو کفار کے مقابلے میں ثابت کرنے کے لئے آیات قرآنی اور احادیث نبوی سے دلائل دیتے ہیں اور پھر ان کا کہنا یہ ہے کہ جب حکومت وقت اسلام کے نام کو اپنی حکومت کی بقاء کے لئے استعمال کرنا شروع کر دے اور عملاً اسلام سے لاتعلق ہو تو اس صورت میں اس حکومت کے خلاف جہاد کرنا چاہیے۔ وہ منافق جو بار بار اسلام کا نام لیتا ہے اور مذہب کے نام پر من مانی کر رہا ہے اس کے مقابلے میں جہاد کرنا بھی اسلام فرض قرار دیتا ہے تاکہ اسے معزول کیا جاسکے اور ملک و ملت کو مزید نقصان اور گمراہی کا شکار نہ ہونے دیا جائے۔ یہی وجہ تھی کہ مولانا اسمٰعیل شہید سلطنت مغلیہ کے جس آخری دور میں پیدا ہوئے تھے وہ اس حکومت کو "سلطنت ضالہ" (گمراہ قیادت) قرار دیتے تھے اور یہ چاہتے تھے کہ ان حکمرانوں میں تبدیلی آجائے اور ان کی بجائے صالح اور متقی انسانوں کو اللہ کی زمین پر قیادت قائم کرنے میں مدد فراہم کی جائے اسی سلسلے میں وہ منصب امامت میں تحریر فرماتے ہیں۔

www.ahnafmedia.com

پس دریں صورت برافراختن اعلام قتل وقتال وبرانداختن آن مبتغ ضلال۔ درحق ملت واہل ملت منفعتے خواہد بخشید۔ والا بعوام و خواص بے شک مضرت خواہد رسید۔

پس ایسی صورت میں علم بغاوت بلند کرنا اور اس گمراہ کو جو مذہب کے نام پر من مانی کر رہا ہے معزول اور برخاست کر دینا ملت کے لئے بھی مفید ہو گا اور اہل ملت کے لئے بھی ورنہ ملک کے تمام عوام و خواص کو بہت بڑا نقصان اٹھانا پڑے گا۔

کچھ آگے چل کر مزید تحریر فرماتے ہیں

جہاد بر ایشاں از ارکان اسلام است و اہانت ایشاں اعانت سید الانام

ان کے مقابلے میں جہاد کرنا اسلام کا رکن اور فرض ہے اور ان کو ذلیل اور کمزور کرنا رسول اللہ ﷺ کی اعانت ہے۔

نفرت کا ایک ہی مرکز

دوسری بڑی ہستی جو آپ کی پشت پناہی کر رہی تھی وہ اس کا فتویٰ تھا جو ہم پچھلے باب میں تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب اس دور کے مفتی اعظم ہند تھے۔ انہوں نے صاف الفاظ میں تحریر فرمادیا تھا۔

"اس اطراف میں اور یہاں سے لے کر کلکتہ تک نصاریٰ کا حکم جاری ہے وہ بلا روک ٹوک جو کچھ چاہتے ہیں کرتے ہیں۔ عبادت گاہوں تک کو مسمار کر ڈالتے ہیں۔ مذہب کا کوئی احترام ان کی نظر میں نہیں ہے"

شاہ صاحب کا فتویٰ اور سید احمد شہیدؒ کی نفرت کا مرکز ایک ہی بن گیا اور وہ تھا انگریز۔ سید احمد تحریر فرماتے ہیں

بے گانگاں بعید الوطن، ملوک زمین و زمان گردیدہ و تاجران متاع فروش بپایہ سلطنت رسیدہ"

"سات سمندر پار کے اجنبی زمین و زمان کے بادشاہ بن گئے ہیں، اور بیچنے والے سوداگر سلطنت کے مرتبہ پر پہنچ گئے ہیں"

صرف تحریک مجاہدین ہی نہیں بلکہ پاک و ہند میں حریت جہاد کی جتنی بھی تحریکیں بعد میں اٹھی ہیں ان سب کی اصل بنیاد شاہ عبدالعزیزؒ کا وہ تاریخی فتویٰ ہے جس کا ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں اور جس کی رو سے ہندوستان دارالحرب قرار پاتا تھا۔

ایک اہم فریضہ

بالاکوٹ کا یہ سانحہ 1831ء میں پیش آیا لیکن انگریز کے خلاف ملک کے طول و عرض میں جو نفرت کی آگ جل رہی تھی، جذبات جس طرح بیدار ہو چکے تھے اور حریت پسند فضا میں جو گھٹن محسوس کر رہے تھے زیادہ دیر قائم نہیں رہی صرف چھبیس (26) سال بعد یہ لاوا دوبارہ پھوٹ پڑا اور انگریزوں کے خلاف جہاد کرنا فرض عین اور وقت کی سب سے اہم دینی خدمت قرار دے دیا گیا۔ جنرل بخت خان (جن کا تعارف آئندہ کے صفحات میں آئے گا) جو کہنے کو فوج کے ایک جنرل تھے لیکن قوم و ملک کے تقاضوں پر گہری نظر رکھتے تھے انہوں نے اس دور کی ایک اہم خدمت انجام دی اور وہ فتویٰ مرتب کرایا جو 1857ء کی جنگ آزادی کی بنیاد بنا یہ فتویٰ (اس زمانے کے) دو مشہور اخبارات "ظفر الاخبار" اور "صادق الاخبار" میں شائع ہوا تھا۔ ہم اسے "فقہائے پاک و ہند" کے حوالے سے یہاں نقل کر رہے ہیں [1]

"استفسار کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس امر میں کہ اب انگریز جو دلی پر چڑھ آئے ہیں اور اہل اسلام کی جان و مال کا ارادہ رکھتے ہیں اس صورت میں اب اس شہر والوں پر جہاد فرض ہے یا نہیں، اور اگر فرض ہے تو وہ فرض عین ہے یا نہیں، بیان کریں اللہ آپ کو اجر دے گا۔"

"جواب۔ درصورت مرقوم فرض عین ہے اوپر تمام اس شہر کے لوگوں کے اور استطاعت ضروری ہے اس کی فرضیت کے واسطے، چنانچہ اس شہر والوں کو طاقت مقابلے اور لڑائی کی ہے بسبب کثرت اجتماع افواج کے، اور مہیا اور موجود ہونے آلات حرب کے، تو فرض

[1] ج-1، ص14

www.ahnafmedia.com

عین ہونے میں کیا شک رہا۔ اور اطراف وجوار کے لوگوں پر جو دور ہیں باوجود خبر کے فرض کفایہ ہے۔ ہاں اگر اس شہر کے لوگ باہر ہو جائیں مقابلے سے یا سستی کریں اور مقابلہ نہ کریں تو اس صورت میں ان پر بھی فرض عین ہو جائے گا' اور اسی طرح اسی ترتیب سے سارے اہل زمین پر شرقاً اور غرباً فرض عین ہو جائے گا اور جو عدو اور بستیوں پر ہجوم اور غارت اور قتل کا ارادہ کریں تو اس بستی والوں پر بھی فرض ہو جائے گا' بشرطیکہ ان کی طاقت کے۔"

برصغیر کی بربادی

اپنے وطن کی آزادی اور بیگانگان وطن کے اخراج کا مطالبہ برصغیر کے عوام کا بنیادی حق بنتا تھا۔ وہ اس فتویٰ اور احتجاج میں حق بجانب تھے' مگر بات محض اتنی نہ تھی کہ انگریز چونکہ غیر ملکی ہیں اس لئے انہیں بے دخل کیا جائے بلکہ اس کے مزید کئی ایک اسباب ووجوہات تھیں۔ حکومت برطانیہ جس کی سلطنت میں سورج نہیں ڈوبتا تھا۔ دنیا میں جہاں کہیں بھی اپنی مملکت کی توسیع کا خواب حقیقت میں بدلنا چاہتی تھی تو اس سلسلے میں جو بھی ہتھکنڈے استعمال کئے جاتے تھے ان سب کے مصارف ہندوستان سے پورے کئے جاتے تھے۔ حکومت برطانیہ اسلحہ کا استعمال کہیں سے کرے روپیہ برصغیر کا خرچ ہوتا تھا۔ اقتصادیات برباد ہونا شروع ہوئیں۔ حکومت برطانیہ کا خزانہ تو جہنم کا پیٹ تھا جو بھرنے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔ دولت ملک سے باہر بھیجی جا رہی تھی اور حکومت برطانیہ یہاں کا خون چوس کر اپنے شہریوں کی صحت بحال کر رہی تھی۔ یہ دھاندلی کہاں تک چلتی 1851ء میں قحط پڑنا شروع ہو گیا اور اس قحط کے آثار مٹتے مٹتے 1875ء آ گیا۔ اقتصادیات کی غلط پالیسیوں کے اب نتائج سامنے آ رہے تھے اس چوبیس (24) سال کے عرصہ میں پچاس لاکھ (5000000) آدمی بھوک سے مر گئے۔

برصغیر مختلف صنعتوں کے میدان میں دنیا پر چھایا ہوا تھا۔ قالین' ریشم'

کپڑا' لوہا ڈھالنا اور قسم قسم کی صنعتیں یہاں کام کر رہی تھیں حکومت برطانیہ نے جب ان صنعت کاروں' نقاشوں' قالین بافوں اور مختلف صنعتوں کے ماہرین کو برطانیہ منتقل کرنا چاہا تو انہوں نے انکار کر دیا۔ حکومت نے ان لوگوں سے نہ جانے کا پورا انتقام لیا۔ کئی کاریگروں کے ہاتھ کٹوا دیئے گئے۔ اور ایک قانون بنا دیا گیا کہ آئندہ برصغیر کا کوئی باشندہ نجی طور پر کوئی کام نہیں کر سکے گا۔ اسے حکومت برطانیہ کی ملازمت کرنا ہوگی۔ اس کریہہ اور گھناؤنے منصوبے کے تحت ریشم' قالین' سونے کے زیورات' لوہا ڈھالنے کی صنعت' ظروف سازی وغیرہ کئی صنعتیں برباد ہو گئیں۔ کاریگروں نے کام کرنا چھوڑ دیا اور بے روزگاری عام ہو گئی۔ مراد آباد جو برتن وغیرہ بنانے میں برصغیر کا مشہور زمانہ مرکز تھا' اجڑنے لگا۔ جنوبی دکن جہاں سوتی کپڑے کی نجی (PRIVATE) صنعتیں تھیں برباد ہو گئیں۔ بنگال میں ریشم پیدا ہوتا تھا مگر حکومت نے پابندی لگا دی کہ کسی گاہک کی فرمائش پر کوئی دکاندار ریشم کا کوئی کپڑا بننے کا حکم (ORDER) نہیں لے سکتا اور نہ ہی بیچ سکتا ہے جب تک کہ کمپنی کی طرف سے اسے اجازت نامہ نہ دیا جائے۔

عدم مساوات اور ظلم

ہندوستانی سپاہی خواہ کیسی ہی صلاحیتوں کا مالک ہو اجڈ گنوار اور جاہل تھا اسے تہذیب جدید کے اصول معلوم نہ تھے اور انگریز خواہ کیسا ہی بد تہذیب اور کند ناتراش ہو آسمانی مخلوق تھی۔ اس بے اصول تفاوت پر احتجاج کیا گیا تو ایک مقام پر پچاس (50) سپاہی اس احتجاج پر پکڑے گئے۔ کورٹ مارشل ہوا تو بیس سپاہیوں پر جرم ثابت ہوا۔ میجر منرو نے حکم دیا کہ ان بیس کو توپ کے سامنے کھڑا کر کے گولہ داغ دیا جائے ابھی چار سپاہی اس ظلم کا شکار ہوئے تھے کہ باقی فوج نے شور

www.pakistanipedia.com

مچایا' خون اور گوشت ہر طرف بکھر گیا تھا۔ اس شور پر میجر صاحب نے حکم دیا کہ توپوں کے رخ اور گوروں کی بندوقوں کے منہ ہندوستانی سپاہیوں کی طرف کر دو اور اگر اب شور کی آواز اٹھے تو سب کو اڑا دیا جائے۔ فوجی خاموش ہو گئے اور باقی ماندہ سولہ سپاہیوں کو توپوں کی نذر کر دیا گیا۔

ہر چھاؤنی میں جہاں بھی "گورا" رہتا تھا اس کے کمرے میں ہاتھ سے چلنے والے پنکھے کی سہولت فراہم کی گئی اور پنکھا جھلنے کو ایک ایک آدمی بھی دیا گیا تاکہ گرمی سے حفاظت ہو مگر برصغیر کے جیالوں کے لئے ایسی کوئی سہولت میسر نہ تھی۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اس پنکھے اور جھلنے والے کی تنخواہ اور دیگر اخراجات شاہ ہند کے خزانے اور قومی وسائل سے پورے کئے جا رہے تھے۔

ہندوستان کی مختلف ریاستوں کا انضمام

مختلف ریاستوں کی آزادی چھیننے کا پروگرام ترتیب دیا گیا اور آہستہ آہستہ مختلف ریاستوں کا حکومت برطانیہ کے ساتھ انضمام شروع ہوا۔ ریاستوں پر ریاستیں ہضم ہو رہی تھیں لیکن یہ بھوک تھی کہ مٹنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ مختلف سازشیں پھیلا کر اودھ کی ریاست کے اختیارات ختم کر دیئے گئے۔ دہلی کے قریب بھرت پور جاٹوں کی قدیم ریاست تھی اس پر قبضہ کر لیا گیا۔ نیپال کے غداروں کو حکومت برطانیہ نے بغاوت کی شہ دی اور اسے اپنا زیر نگین بنا لیا۔ پونہ کے علاقے میں "ستارہ" ایک ریاست تھی انگریزوں کی بھینٹ چڑھ گئی۔ ستمبر 1844ء میں سر چارلس نیپیر کو سندھ بھیجا گیا تاکہ وہاں بھی مکمل تسلط انگریز حکومت ہی کا رہے۔ لڑائی اور سازش دونوں ہاتھ استعمال کئے گئے اور سندھ پر قبضہ کر لیا گیا۔ کراچی سے انگریز فوج کو چلایا گیا' حیدر آباد میں جنگ ہوئی' سندھی شکست کھا گئے اور شہر انگریز فوج کے قبضے میں چلا گیا۔ شاہی محلات جو کبھی

حیدر آباد کے حکمرانوں کا مسکن تھے ویران کر دیئے گئے' عمارتوں کا حسن برباد کر دیا گیا' خزانہ لوٹ لیا گیا اور حد یہ ہے کہ انگریز فوجی افسر جب محلات میں داخل ہوئے تو مجبور و مغلوب سندھی شہزادیاں خوف سے چھپتی پھرتی تھیں' ان کے قیمتی اور خوب صورت لباس دیکھ کر انگریز کا دل للچانے لگا اور خواتین جن کے سر کے بالوں پر کبھی سورج کی نظر نہیں پڑی تھی' برہنہ کر دی گئیں اور ان کے لباس اتروا کر خزانے میں بھیج دیئے گئے۔ ریاست بہاولپور کے حکمران یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے انہوں نے اپنی عزتیں محفوظ کر لیں اور حکومت سے صلح کر کے اپنی فدویانہ روش کا ثبوت فراہم کر دیا۔

سکھوں کے ساتھ ظلم

رنجیت سنگھ کی موت کے بعد اس کے جانشین نہایت نا اہل ثابت ہوئے تھے' انگریز کب سے للچاتی نظروں سے اس زرخیز خطے کو دیکھ رہا تھا' سکھوں کے ساتھ جنگ ہوئی' بھاگنے والے جب بھاگ رہے تھے تو ضلع فیروز پور میں دریا کا پل توپ کی نذر کر دیا گیا۔ ہزاروں سکھ ڈوب کر مر گئے اور ہزاروں انگریز کے ظلم کا شکار ہو گئے۔ مخلوق خدا رہے یا مٹے ظلم ہو یا انصاف انگریز حکومت کو پنجاب چاہئے تھا سو وہ اسے مل گیا۔

اسلام پر اعتراضات

انگریز کے خلاف جو جذبہ ساری قوم کو بلا امتیاز مذہب و ملت ایک جھنڈے تلے جمع کر سکتا تھا وہ "مذہب" تھا وہ بھی انگریز حکومت کی چیرہ دستیوں سے محفوظ نہ رہا۔ ہندوستان کے کم و بیش ہر صوبے اور ہر شہر میں اسلام کے خلاف زہریلی سرگرمیوں کا آغاز ہوا۔ انگریز پادری در آمد کئے جانے لگے۔ مشنری

www.ahnafmedia.com

سکول کھولے گئے جہاں بچوں کو عیسائیت کی طرف مائل کرنے میں مدد مل سکتی تھی تاکہ اگر وہ عیسائی نہ بن سکیں تو کم سے کم پختہ اسلام اور ایمان بھی ان کے دل سے مٹا دیا جائے۔ جگہ جگہ ہسپتال کھولے گئے جہاں بائبل باقاعدہ سنائی جاتی تھی اور پادری مریضوں پر "خداوند یسوع مسیح" کے الفاظ سے دم کرتے تھے۔ عیسائیت کی تعلیم وتشریح کو عام کرنے کے لئے ایک ایک شہر میں پادری بھیج دیئے گئے۔ چرچ قائم ہوئے اور اگر اس موقع پر برصغیر کے علماء اپنی تحریر وتقریر کے ذریعے اسلام کا دفاع نہ کرتے تو ہزاروں خاندان مرتد بنا دیئے جاتے۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمتہ اللہ علیہما نے رد عیسائیت کو اپنے فرائض میں داخل کر لیا اور بڑے بڑے جغادر پادریوں سے بحث ومباحثہ کر کے انہیں برصغیر سے بھاگنے پر مجبور کر دیا۔[1]

پادریوں نے اسلام کے مسلمہ عقائد پر حملے کرنے شروع کئے، ہر بحث اس لئے چھیڑی جاتی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات مقدسہ پر رکیک حملے کسے جا سکیں اور اللہ کے دین کا مذاق اڑایا جائے۔ اس زمانے میں اسلام کی حمایت اور اس کے خلاف جتنا کچھ لکھا گیا ہے اس کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ پادریوں اور "پڑھے لکھے" انگریزوں نے شریعت پر کس قدر لغو اور لچر اعتراضات کئے تھے۔

جہاد پر اعتراضات

"جہاد" ان کے اعتراضات کا مورد بنا دنیا بھر کا امن تہ وبالا کر کے بھی وہ امن پسند تھے اور اسلام نے جہاد، جو اس مقصد کیلئے فرض کیا تھا اور ہے کہ اللہ کی زمین سے کفر اور اس کے معاونین کو مغلوب کیا جائے۔ اس کو ظلم ثابت

[1] چنانچہ مولانا رحمتہ اللہ کیرانوی رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب "اظہار الحق" آج تک عیسائی دنیا کے لئے ناقابل جواب ہے۔

کرنے کیلئے پادریوں کے قلم اور زبان کا سارا زور صرف کیا جا رہا تھا۔ نبی کریم ﷺ کی شادیوں پر اعتراضات کی فہرستیں مرتب تھیں اور کھلے بندوں ان اعتراضات کا پرچار کیا جا رہا تھا۔ وہ حیا باختہ اور ظلم پرور اعتراضات کرنے کا منہ رکھتے تھے جن کے ہاں یورپ میں اس وقت عورتیں بھی کرایہ پر مہیا کر دی جاتی تھیں اور قانونی طور پر شوہر کو یہ تحفظ حاصل تھا کہ وہ اپنی بیوی کو کرائے پر اٹھا سکتا تھا۔

ظلم اور انصاف

انگریز پادریوں کو اسلام کی اس شق پر تو اعتراض تھا کہ اسلام میں چار شادیاں کرنے کی اجازت کیوں ہے؟ یہ عورت پر ظلم ہے وغیرہ وغیرہ کوئی مسلمان ایک سے زیادہ شادیاں کرے تو ظالم ومجرم مگر وہ لوگ اپنے لئے کتنی ہی داشتائیں لطف اندوزی کیلئے رکھیں یہ عین انصاف اور دیانت ہے۔

عقل کا فتویٰ

معراج خلاف عقل تھی، شق قمر کا معجزہ خلاف عقل تھا، ہر وہ بات جو معجزہ یا کرامت تھی لغو اور بے کار تھی لیکن تثلیث کا عقیدہ کہ اللہ تعالیٰ، حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تینوں مل کر ایک تھے، یہ گورکھ دھندا عین عقل سلیم کا تقاضا تھا۔

انگریزی تعلیم وتہذیب

اسلام کے خلاف انگریز نے دوسرا محاذ کھولا اور جس کے دروازے اب تک بند نہیں ہو سکے کہ کسی بھی فارسی اور عربی پڑھے لکھے کو سرکاری ملازمت نہ دی جائے، حکومت کی نوکری کیلئے انگریزی سیکھنا ضروری تھا۔ اکابر علمائے کرام

www.pharmapedia.com

اور مفتیان عظام نہ اس دور میں انگریزی سیکھنے کے خلاف تھے اور نہ اب ہیں۔ لیکن انگریزی تعلیم اپنے ساتھ جو انگریزی تہذیب وثقافت کی یلغار لا رہی تھی انہوں نے اس دور میں بھی اس کی مخالفت کی تھی اور اب بھی کرتے ہیں۔ حکومت وقت نے نوکری کے تمام دروازے ان لوگوں کیلئے جو مشرقی علوم اور اسلامیات 'عربی 'فقہ 'قرآن اور حدیث کے ماہر تھے بند کر دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

جنہیں خریدا گیا!

تیسرا محاذ' جو انگریزوں کی پالیسیٔ لڑاؤ اور حکومت کرو کے عین مطابق تھا یہ کھولا گیا کہ مسلمانوں میں سے چند آدمی خرید لئے جائیں اور ان میں فرقہ بندیاں جنم دی جائیں تاکہ ان کی قوت کا شیرازہ مجتمع نہ ہو اور آپس میں لڑتے رہیں۔

اس مقصد کیلئے ایک تو انہوں نے چند لوگوں کو خریدا جنہوں نے انگریز حکومت کو عین اسلام کے مطابق قرار دیا اور ملکہ برطانیہ کی اطاعت کی فرضیت کتاب وسنت سے ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ۔ جہاد کے جذبے کو انگریز ختم کرنا چاہتے تھے اور مسلمانوں نے پہلے دن سے اس جذبے کے تحت انہیں جم کر حکومت کرنے کا موقع نہ دیا تھا۔ اب ایسے بغل بچے انہیں مل گئے جنہوں نے جہاد کو حرام قرار دیا اور مسلمانوں میں یہ جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کی کہ وہ جہاد کا

اس سلسلے میں دو نام خصوصیت سے لئے جاسکتے ہیں کہ یہ دونوں حضرات انگریز دشمنی میں بہت نمایاں مقام رکھتے تھے لیکن مسلمان قوم کو انگریزی سیکھنے سے منع نہیں فرمایا ایک تو شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی جن کے دارالحرب کے تاریخی فتوے نے برصغیر میں انگریز کے خلاف آگ لگا دی تھی مگر علی گڑھ یونیورسٹی کے قیام سے پچاس (50) برس پہلے انہوں نے انگریزی درس گاہوں میں انگلش پڑھنے اور تعلیم حاصل کرنے کو جائز قرار دیا تھا (رود کوثر۔ ص 591)

اور دوسرا نام نامی اسم گرامی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ کا ہے شاملی کے میدان میں انگریزوں کے خلاف جہاد میں شرکت کی' حکومت برطانیہ کے ہمیشہ خلاف رہے مگر فتاویٰ رشیدیہ میں جب انگلش پڑھنے کا فتویٰ دریافت کیا گیا تو تحریر فرمایا "انگریزی سیکھنا درست ہے"۔

خیال ترک کر دیں اور ملکہ عالیہ کی اطاعت کو اپنا شعار بنالیں۔

دوسرے کچھ لوگ تھے جنہیں غالباً انہوں نے خریدا تو نہیں اور نہ ہی انہیں خریدنے کی ضرورت تھی کہ وہ پہلے ہی سے ان کے گن گا رہے تھے' ان حضرات نے حج منسوخ ہونے کا فتویٰ دیا۔ کتاب اس موضوع پر لکھ دی گئی کہ حج اس دور میں ملتوی کیا جاسکتا ہے۔ کہاں سید احمد شہید جنہوں نے حج کے فریضے کو جہاد سے پہلے زندہ کیا اور کہاں یہ نام نہاد مفتی جنہوں نے جہاد تو کجا حج جیسے فریضے کا التواء شرعی دلائل سے ثابت کیا۔ ان میں سے کچھ حضرات نے تو یہاں تک لکھ مارا کہ قرآن' تورات اور انجیل تینوں ایک ہیں اور وہ اسے ثابت بھی کریں گے۔ ان کی خواہش تھی کہ انگریز سلطنت کو برصغیر میں زیادہ مہلت مل جائے اور ان کی مدت حکومت طول اختیار کر لے۔

ان نام نہاد مذہبی رہنماؤں نے قوم کو یہ باور کرانے کی کوشش بھی کی کہ سید احمد شہید نور اللہ مرقدہ کی تحریک جہاد سکھوں کے خلاف تھی نہ کہ حکومت برطانیہ کے [1]

مسلمان ـــــ ستم کا نشانہ

مذہب کے معاملے میں صرف مسلمان ہی نہیں دیگر اقوام بھی حکومت برطانیہ کی اس پالیسی سے بیزار تھیں مگر مسلمان سب سے زیادہ اس ستم کا نشانہ بنے کیونکہ ایک تو اصل حریف انگریزوں کے برصغیر میں وہ تھے اور دوسرے انگریزوں نے حکومت انہی سے چھینی تھی اور یہ بات بالکل صاف تھی کہ جس قوم سے حکومت لی گئی ہے وہ قوم اس کیلئے دوبارہ جدوجہد کرے گی اور تیسرے مسلمانوں کا جذبہ جہاد تھا جو اس وقت انگریز اور اب ہندو قوم کیلئے دردسر کا مسئلہ بنا ہوا ہے۔

---

[1] اس سلسلے میں کتاب ملاحظہ کی جائے "جماعت مجاہدین" مصنف غلام رسول مہر۔ باب 1

www.ahnafmedia.com

برصغیر پر انگریز اپنے قبضے کی راہ ہموار کرنے کیلئے اس جنگ آزادی سے پہلے بھی کئی ایک کاری ضربیں لگا چکے تھے۔ 1707ء میں حضرت سلطان اورنگ زیب عالم گیر کا انتقال ہوا تھا اور ان کے نا اہل جانشینوں کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر انگریزوں نے اپنے پاؤں پھیلانے شروع کر دیئے تھے۔ 1757ء میں پلاسی کی جنگ میں نواب سراج الدولہ میر جعفر کی سازش کا شکار ہو گئے تو ان تمام علاقوں بنگال وغیرہ پر ایسٹ انڈیا کمپنی (E.I COMPANY) کی حکومت عملاً قائم ہو گئی تھی۔

4 مئی 1799ء انگریزوں کیلئے وہ دن تھا جس دن انہوں نے یہ نعرہ لگایا "آج ہندوستان ہمارا ہے" ان کا دوسرا بڑا حریف سلطان ٹیپو' میر صادق کی غداری سے شہید کر دیا گیا اور اسی برس احمد شاہ ابدالی کے پوتے شاہ زمان والئی کابل نے پنجاب پر رنجیت سنگھ کو اپنا گورنر مقرر کر دیا۔ 1803ء میں مغل بادشاہوں نے تحریری طور سلطنت دہلی ایسٹ انڈیا کمپنی کے حوالے کر دی۔ 1818ء میں رنجیت سنگھ نے ملتان فتح کر لیا اور پھر سرحد پر قبضہ کر لیا۔ 1819ء میں کشمیر بھی مسلمانوں سے سکھوں کے ہاتھ چلا گیا۔

1826ء سے 1831ء تک حضرت امیر المومنین سید احمد شہید رحمتہ اللہ علیہ کی تحریک جہاد ان دونوں کیلئے لمحہ فکریہ بن کر ابھری مگر اپنوں کی کرم فرمائیاں کام آئیں اور وہ انجام ہوا جو پچھلے باب میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ 1843ء میں انگریزوں نے سندھ فتح کر لیا اور 1856ء میں اودھ کی ریاست کا وفاق کے ساتھ الحاق کر دیا گیا۔

ان تمام جرائم کی فہرست کے علاوہ بھی بے شمار ظلم تھے جن کی آماج گاہ برطانیہ نے برصغیر کو بنا دیا تھا۔ انگریزوں اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے خلاف آہستہ آہستہ لاوا پک رہا تھا۔ یہاں تک کہ دہلی کے علماء کرام نے فتویٰ دے دیا کہ انگریز

حکومت کے خلاف جہاد اس وقت ہر مسلمان کے لئے فرض عین ہے۔

چربی اور کارتوس

اس سے قبل کارتوسوں کی سپلائی کی گئی جن کی چربی دانتوں سے کاٹنی پڑتی تھی کچھ کا خیال تھا کہ یہ گائے کی چربی ہے اور کچھ کا خیال تھا کہ سؤر کی چربی ہے ہندو فوجیوں نے گائے کی چربی مذہبی اعتبار سے حرام ہونے کی وجہ کاٹنے سے انکار کر دیا اور مسلمان سؤر کی چربی استعمال نہیں کر سکتے تھے ہر فوجی اس پریشانی کا شکار تھا کہ اگر کارتوس استعمال کرتا ہے تو اپنی ذات اور برادری کی نظر میں مطعون ہوتا ہے اور اگر نہیں کرتا تو سرکار اسے باغی قرار دیتی ہے۔

جس کو بھی یہ چربی کاٹ کر کارتوس استعمال کرنا پڑتا زار زار روتا تھا اور اس بے چینی اور اضطراب سے جو عام ہوتا جا رہا تھا سرکار کے کان پر جوں تک نہیں رینگ رہی تھی۔ مختلف چھاؤنیوں میں آگ لگنی شروع ہوئی۔ یہ کشمکش بڑھ رہی تھی۔ آگ لگانے والوں کا پتہ نہیں چلتا تھا اور یہ اس بات کی علامت تھی کہ فوجی حکومت کے اس فعل سے بیزاری کا اظہار کر رہے ہیں۔ 6 مئی 1857ء کو میرٹھ میں کارتوس تقسیم کئے گئے تو فوج کے نوے میں سے پچاسی آدمیوں نے کارتوس استعمال کرنے سے انکار کر دیا ان میں بڑی تعداد مسلمانوں کی تھی۔ نظم وضبط کی یہ خلاف ورزی "گوروں" کی روایت کے خلاف تھی۔

مقدمہ اور سزا

مقدمہ چلا اور 9 مئی کو میرٹھ کینٹ کی پوری فوج کو جمع کر کے ان "مجرموں" کی سزا سنائی گئی۔ دس دس سال قید بامشقت اور تمام فوجی اعزازات چھین لئے گئے۔ ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنادی گئیں اور شہر کے جیل خانہ کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ ان "باغیوں" کو جو بھی دیکھ رہا تھا' مشتعل ہو رہا تھا

www.pakistanipoint.com

ایک موقع پر عورتیں اس منظر کو دیکھ کر برداشت نہیں کر سکیں اور بے تابانہ کہنے لگیں مرد اپنے اسلحہ سے ہمارے گہنوں کا تبادلہ کر لیں۔

جہاد کا آغاز

حکومت وقت کے خلاف جہاد جسے مولانا محمد اسماعیل شہید رحمتہ اللہ علیہ جہاد قرار دے چکے تھے اس کیلئے برصغیر کے زعماء نے 31 مئی کی تاریخ مقرر کر رکھی تھی مگر اس ظالمانہ حرکت اور سنگدلانہ سزا نے آگ لگا دی۔ میرٹھ کی فوج نے 10 مئی بروز اتوار بغاوت شروع کر دی اور ایک دستے نے بیرکوں کو آگ لگا دی۔ دوسرے دستے نے جیل خانہ توڑ کر قیدیوں کو آزاد کر دیا اور پھر جو بھی انگریز مقابلے میں آیا' نشانہ بننے لگا۔ حریت پسندوں نے اپنے قدیم مرکز دہلی کا رخ کیا اور دن چھپنے پر میرٹھ سے چل کر دہلی صبح سویرے پہنچ گئے۔ 11 ر مئی 1857ء بمطابق 16 ر رمضان المبارک 1274 ہجری کا سورج جب طلوع ہوا تو حریت پسند بہادر شاہ ظفر کو دوبارہ دہلی کے تخت و تاج کا مالک بنا چکے تھے۔

انگریز جان بچا کر دہلی سے بھاگنے لگے اور مجاہدین نے فیصلہ کر لیا کہ ہر چیز جس سے انگریز کی بو بھی آتی ہو ختم کر دی جائے۔ سرکاری پریس کو آگ لگا دی گئی گرجا گھر کی گھنٹیاں اکھاڑ دی گئیں اور اسلحہ کا ذخیرہ انگریزوں نے مندر آتش کرنے کا منصوبہ بنا لیا تاکہ یہ اسلحہ حریت پسندوں کے کام نہ آسکے۔

مالی امداد کے لئے اپیل

یہ بغاوت ایک تو قبل از وقت کر دی گئی تھی اور دوسرے اس پر اٹھنے والے اخراجات کا خاطر خواہ بندوبست نہیں کیا گیا تھا اس لئے بہادر شاہ ظفر نے مختلف ریاستوں کے حکمرانوں کو فوری طور پر خطوط ارسال کئے اور ان سے مالی تعاون کی درخواست کی گئی۔ چھتاری کے نواب صاحب سے سات توپیں اور پچاس ہزار

(-/50000) روپے طلب کئے گئے مہاراجہ متھرا سے بھی پچاس ہزار (-/50000) کا تقاضا کیا گیا۔ بدایوں کے رئیس سے دس ہزار (-/10000) بھیجنے کو کہا گیا لیکن اتنی معمولی رقم کا تقاضا پورا ہونے کی بجائے مختلف حیلے اور بہانے کئے جانے لگے۔

قربانی سے گریز کا انجام

جو طبقہ مذہب' قوم اور وطن کے لئے قربانی دینے سے جان چھڑاتا ہے قدرت اس سے جبراً قربانی لے لیا کرتی ہے۔ جن مواقع کو انسان محض اپنی غفلت سے ضائع کر دیتا ہے۔ کوئی وقت ایسا آتا ہے جب اسے غفلت کی قیمت ادا کرنا پڑتی ہے۔ مثل مشہور ہے بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی۔

جو لوگ آج جنگ آزادی میں اپنے خزانوں کو سینت سینت کر رکھ رہے تھے' پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے نقصانات پورے کرنے کے لئے انگریزوں نے جبراً ان سے یہ روپیہ نکلوا لیا تھا۔ اس پیسے کی کیا وقعت رہ جاتی ہے جو اپنے ملک و ملت کے کام نہ آئے اور غیر قومیں جنگ کریں اور ان کی توسیع مملکت کی ہوس کی تسکین کے لئے اپنے خزانے جھونکنے پڑ جائیں۔

خلقت خدا کی

۱۰ر مئی کو نقارہ پر چوٹ لگا کر ڈھنڈورچی یہ کہہ رہا تھا

"خلقت خدا کی' ملک بادشاہ کا' حکم سرکار کمپنی کا"

آج 11۔ مئی کو مجاہدین نے اپنے مرکز کو آزاد کرا لیا تھا۔ انگریزوں کا تسلط ختم ہو رہا تھا اور ڈھنڈورچی نقارے پر چوٹ لگا کر کہہ رہا تھا۔

"خلقت خدا کی' ملک بادشاہ کا' حکم بادشاہ سلامت کا"

دہلی کے قبضے اور انگریزوں کی شکست کی خبر جہاں جہاں پہنچتی گئی بغاوت کے لئے جو ماحول پہلے سے ساز گار تھا اس میں مزید اشتعال پیدا ہوتا چلا گیا۔ اس حوصلہ افزا اطلاع نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔

www.ahnafmedia.com

تھانہ بھون ' شاملی ' سہارنپور

سہارنپور میں مسٹر سپنکی (SPINKY) کی حکومت تھی اور قرب وجوار میں اس نے مسلمانوں پر مظالم کی انتہا کر دی۔ عوامی حلقے اس سے بے زار تھے انہی دنوں میں مزید ایک واقعہ پیش آیا جس نے صورت حال قابو سے باہر کر دی۔ تھانہ بھون کے رئیس قاضی عنایت علی کے بھائی قاضی عبدالرحیم صاحب اپنے ایک نجی کام کے سلسلے میں کچھ دوستوں کے ہمراہ سہارنپور گئے۔ ہندو ذہنیت جو اپنی تنگ ظرفی وتنگ خیالی کی وجہ سے ہمیشہ ضرب المثل رہی ہے' کو قاضی صاحب کے بھائی کا ان مخدوش حالات میں سہارنپور آنا کسی خطرے سے خالی محسوس نہ ہوا وہاں کے ایک ہندو نے مسٹر سپنکی سے شکایت کر دی کہ یہ لوگ سہارنپور ہاتھی خریدنے آئے ہیں اور اس کے بعد یہ دہلی جا کر انگریزوں کے خلاف جہاد میں حصہ لیں گے۔ حاکم وقت نے مقدمہ قائم کیا اور ان سے جرح شروع کر دی جو سوالات مسٹر سپنکی نے کئے تھے ان کے جوابات چونکہ قابل اطمینان نہ تھے اس لئے اس نے ہندو کی شکایت کو صحیح تسلیم کر لیا اور ان تمام دوستوں کو اس بغاوت کے جرم میں سولی دے دی گئی۔ جو ابھی تک عملی جامہ نہیں پہن سکی تھی۔

جہاد کے لئے مجلس مشاورت

اس واقعہ نے تھانہ بھون ' شاملی اور دیوبند کے تمام علاقوں میں آگ لگا دی۔ نامور علماء کرام وصوفیا کبار جن پر علاقے کے عوام کو از حد اعتماد تھا جمع ہوئے اور جہاد کے متعلق مشورہ ہونے لگا۔ اس علاقے میں حضرت سید احمد شہید رحمتہ اللہ علیہ کے ایک خلیفہ میاں جی نور محمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ حلقہ اولیاء کے سرخیل تھے۔ اپنے دور میں (جو جنگ آزادی سے کچھ پہلے کا دور تھا) وہ بھی فرنگی تسلط کے خلاف ایک حریت پسند مجاہد تھے اور اب انہی کے تین خلفاء کرام۔

1 ۔ مولانا محمد تھانوی صاحب

2 ۔ حضرت حافظ محمد ضامن صاحب

3 ۔ حاجی امداد اللہ صاحب

اس علاقے میں نہایت معتمد اور اثر ورسوخ کے مالک تھے' ہر طرف ان کے مرید اور شاگردوں کا دور دورہ تھا ان میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمتہ اللہ علیہ کے دو جلیل القدر خلفاء

1 ۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی (رحمتہ اللہ علیہ)

2 ۔ مولانا رشید احمد گنگوھی (نور اللہ مرقدہ)

بھی مشہور ومعروف شخصیات تھیں اس مشورے میں شریک تھیں۔

مولانا محمد تھانوی کی رائے یہ تھی کہ انگریزوں کے خلاف موجودہ صورت حال میں جہاد کرنا جائز نہیں جب کہ باقی تمام حضرات کی رائے ان کے برعکس تھی۔ دوران بحث مولانا محمد تھانوی صاحب نے اپنی رائے کے حق میں دلیل دی کہ ہمارے پاس اسلحہ اور آلات جہاد نہیں ہیں۔ بالکل بے سروسامانی کا عالم ہے جہاد کیوں کر ہو سکتا ہے مولانا محمد قاسم صاحب نے عرض کیا کہ "مولانا کیا ہمارے پاس اتنا بھی سامان نہیں ہے جتنا غزوہ بدر میں تھا" اس پر مولانا خاموش ہو گئے اور حافظ ضامن شہید رحمتہ اللہ علیہ نے مولانا محمد قاسم صاحب کی بھرپور تائید کی اور انگریزوں کے خلاف علم جہاد بلند کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا۔

تقسیم کار

جہاد کی تیاری شروع ہو گئی اور ہر طرف انگریز کے خلاف بغاوت کا حکم دے دیا گیا۔ لوگ جوق در جوق جمع ہونے لگے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کو جہاد کا امیر مقرر کیا گیا فوج کی تمام تر ذمہ داری مولانا محمد قاسم صاحب کے سپرد

www.ahnafmedia.com

ہوئی، شرعی فیصلوں اور قوانین کے نفاذ کے لئے مولانا رشید احمد گنگوھی کا تقرر ہوا۔

مولانا محمد قاسم صاحب کے زیر قیادت فوج کا دایاں حصہ مولانا محمد منیر صاحب اور حافظ محمد ضامن صاحب شہید رحمتہ اللہ علیہ کے حوالے اس کا بایاں حصہ کیا گیا۔

ان تمام علاقوں میں ایک مرتبہ پھر شرعی حکومت کے قیام کا اعلان کیا گیا اور انگریز حکومت کے مقرر کردہ تمام افسروں کو نکال دیا گیا۔

اطراف واکناف کے عوام میں جذبہ جان نثاری قابل دید تھا۔ ان کے اکابرین اور قائدین اپنے دور کے آفتاب وماہتاب تھے۔ علم وفضل اور اخلاص وللّٰہیت کے پیکر تھے۔ زبان قلم اس بات سے عاجز ہے کہ ان کے اوصاف ومناقب بیان کرے حضرت سید احمد شہید رحمتہ اللہ علیہ اور ان کے خلفاء کرام جس راہ پر گامزن تھے، یہ حضرات اپنے زمانے میں اس راہ کے امین تھے۔ اور پھر ان کے بعد برصغیر میں جو قیادت ابھری اور جس قیادت نے انگریز کو اس خطے سے دیس نکالا دے دیا، یہ اس آنے والی قیادت کے امیر قافلہ تھے۔ مولانا محمود حسن کی تحریک ریشمی رومال اور تحریک خلافت کی مسلمہ قیادت میں ان حضرات کے اخلاف کا بہت بڑا حصہ شامل تھا۔

انگریزی توپ خانہ! جس کے مالک مجاہدین بنے

انگریز حکومت نے شاملی کے میدان میں ان سے جنگ کرنے کا فیصلہ کر لیا اور توپ خانہ سہارنپور سے شاملی بھجوا دیا گیا۔ ان قائدین کو اس اہم فیصلے کی خبر مل گئی اور مولانا رشید احمد گنگوھی رحمتہ اللہ علیہ کو حکم دیا گیا کہ فوج کی جو پلٹن توپ خانہ لا رہی ہے اس کو شکست دینا اور ان سے جنگی سامان چھیننا ہے۔

مولانا فطرۃً ذہین واقع ہوئے تھے انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ہر قیمت پر اپنے مجاہدین کی

جان بچا کر دشمن کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانا ہے۔ حکم کی تعمیل بھی ضروری تھی۔ اس منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے آپ نے سڑک کے اس حصے کا انتخاب کیا جہاں سے فوج نے گزرنا تھا اور بالکل لب سڑک ایک باغ بھی تھا۔ مولانا نے تیس یا چالیس افراد کو ساتھ لیا۔ بندوقیں گولیوں سے بھروالیں اور مجاہدین کو باغ میں چھپ جانے کا حکم دیا۔

رات کو جب انگریز پلٹن وہاں سے گزری تو ان کے وہم وخیال میں بھی یہ نہ تھا کہ یہاں سے کوئی حملہ ہو سکتا ہے یا ہمارے دشمن کو یہ اطلاع مل چکی ہے۔ مولانا گنگوھی نے فوری طور پر فائر کرنے کا حکم دے دیا۔ ایک دم سے بندوقیں چلنا شروع ہو گئیں اور فوجی گھبرا گئے۔ مجاہدین نے باغ سے نکل کر اچانک حملہ کیا اور پلٹن کو تمام ساز وسامان اور توپ خانہ چھوڑ کر فرار ہونا پڑ گیا۔

مولانا رحمتہ اللہ علیہ جس ذہانت، فراست اور ذکاوت کی دولت سے مالا مال تھے اسے کام میں لائے اور توپ خانہ اٹھوا کر تھانہ بھون امیر جہاد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کی مسجد کے سامنے ڈلوا دیا۔ اس طرح بغیر کسی نقصان کے دشمن سے اس کا بہترین اسلحہ چھین لیا گیا۔

شاملی کا معرکہ

شاملی پر قبضہ کر لینے کا فیصلہ کیا گیا تاکہ انگریزی فوج کی جو بچی کھچی طاقت وہاں ہے اسے بھی فنا کیا جا سکے۔ مجاہدین اسلحہ سے لیس ہوئے اور شاملی کا رخ کر لیا۔ انگریز فوج نے جنگی نقطہ نظر سے ایک ماہرانہ چال چلی اور قلعہ بند ہو گئی مجاہدین کے لئے قلعہ کے سامنے کے میدان کے علاوہ کوئی میدان نہیں رہ گیا تھا اور قلعہ کے اندر سے بھرپور فائرنگ ہو رہی تھی۔ مجاہدین قلعہ سے باہر تھے اس فائرنگ کا کیا جواب ہو سکتا تھا۔ نتیجہ یہ کہ جانی نقصان ہونے لگا۔ سپہ سالار افواج مولانا محمد قاسم نانوتوی صورت حال بھانپ گئے اور یہ فیصلہ فرما لیا کہ ہر قیمت پر قلعہ کا صدر

www.ahnafmedia.com

دروازہ (MAIN GATE) کھولنے پر انگریزوں کو مجبور کیا جائے تاکہ قلعہ کے اندر جاکر جنگ ہوسکے دروازہ لکڑی کا تھا اور غیر معمولی لمبائی وچوڑائی کے حجم کا تھا مولانا قاسم صاحب یہ طے فرما چکے تھے کہ اس دروازے کو کھلنا چاہئے خواہ اس مقصد کے لئے ہمیں کتنی ہی قربانی کیوں نہ دینی پڑے۔

قریب ہی ایک چھپر تھا' مولانا نے حکم دیا کہ اس چھپر کو اٹھا کر قلعے کے دروازے کے بالکل ساتھ ڈال دیا جائے اور پھر اسے آگ لگادی جائے مجاہدین اپنی جانوں پر کھیل گئے مگر چھپر قلعہ کے صدر دروازے سے بالکل متصل ڈال کر اسے آگ دکھادی تھوڑی ہی دیر میں دروازے کو آگ نے پکڑ لیا اور شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ آگ بجھانے کیلئے انگریزوں کی تدبیریں ناکام ثابت ہوئیں مجاہدین نے پھاٹک جلنے پر قلعے کا رخ کرلیا اور پھر قلعے کے اندر کشت وخون کا بازار گرم ہوگیا حضرت حافظ ضامنؒ جو بلاشبہ اولیاء اللہ میں سے تھے اس معرکے میں شہید ہوئے۔

حضرت حافظ ضامن رحمتہ اللہ علیہ کی شہادت

ان کی شہادت کا قصہ بھی عجیب ہے' صبح کے وقت اٹھے نہائے اچھے کپڑے پہنے خوشبو لگائی' آنکھوں میں سرمہ لگایا اور مکمل تیاری کی فوجی سامان زیب تن کیا' پگڑی باندھی الغرض خوب اہتمام اور خوشی سے چلے۔ مولانا رشید احمد صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت آج اتنا بننے سنورنے کی کیا کوئی خاص وجہ ہے؟ ہنس پڑے اور فرمایا' میاں آج ان (اللہ تعالیٰ) سے ملنے کا دن ہے' حاضری ہوگی اس لئے اتنا بن سنور رہا ہوں" پھر مولانا رشید احمد صاحب سے کہنے لگے میدان جنگ میں میرے بہت قریب رہنا۔

مولانا کا بیان ہے کہ جب جنگ نے شدت پکڑی تو ایک گولی

حافظ ضامن صاحب کے سینے پر آکر لگی اور خون فوارے کی طرح اچھلنے لگا۔ یہ ہنسنے لگے اور خوشی سے بار بار الحمد للہ کہتے تھے۔ اس بات پر مالک حقیقی کا شکریہ ادا کرتے رہے کہ اس نے جان قبول فرمائی اور پھر اسی حالت میں شہید ہوگئے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی فرماتے تھے کہ ان کی شہادت اور خون بہنے پر اس قدر خوشبو آرہی تھی کہ ایسی خوشبو پھر زندگی بھر سونگھنے کو نہیں ملی۔

شاملی کا قلعہ فتح ہوگیا' مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تدبیر کامیاب رہی اور اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کی مکمل نصرت فرمائی۔ مولانا رشید احمد صاحب' حاجی امداد اللہ صاحب اور مولانا محمد قاسم صاحب نے شاندار جنگی مہارت کا مظاہرہ کیا اور شاملی کے اس میدان میں فرنگیوں کی صفیں پلٹ دیں۔ انگریز حکومت کے بقیہ آثار بھی مٹ گئے اور ان قائدین نے مجاہدین کے خلوص وفا اور قربانی کا صحیح استعمال کیا۔

روہیل کھنڈ کے نواب خان بہادر خان

خان بہادر خان روہیل کھنڈ کے نواب تھے اور مال و دولت کی کثرت اور آسائش و آرام کی زندگی میسر تھی۔ مگر ضمیر کی زندگی اور اس کے تقاضے ہر لحہ انگریزوں کے خلاف جنگ کرنے پر مجبور کرتے تھے۔ اسی اثناء میں جنرل بخت خان جو اس وقت انگریزی توپ خانے میں نہایت قابل افسر شمار کئے جاتے تھے اور بظاہر حکومت کے ساتھ تھے' پس پردہ بغاوت کا تمام منصوبہ طے کرچکے تھے۔ 31 مئی کو آخر یہ لحہ آگیا اور جنرل بخت خان روہیلہ نے بغاوت کردی۔ انگریز کمشنر اور دیگر حکام کو فارغ کردیا گیا۔ خان بہادر خان نے عنان حکومت سنبھال لی اور چند روز کی جدوجہد کے بعد نواب صاحب نے 30 ہزار کے قریب فوج جمع کرلی چار سو (400) توپیں بالکل تیار رکھیں کہ اگر انگریز ادھر حملہ کریں تو انہیں جواب دیا جاسکے۔ نواب صاحب اعلیٰ درجہ کے منتظم تھے فوری

www.ahnafmedia.com

طور پر خزانے کے منہ کھول دیئے مسجدیں، مسافر خانے اور سڑکیں تعمیر کی جانے لگیں۔ لوگوں کا جوش وخروش بھی قابل رشک تھا۔ حالت کیا تھی اسے پڑھ لیجئے۔ [1]

"لوگ خوش ہوہو کر ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے اور کہتے کہ خدا نے اپنی رحمت سے نصاریٰ کی حکومت سے ایسی نجات دلادی ہے کہ ہر چیز میں برکت ہوگئی ہے۔ اسلحہ سازوں کی دکانوں پر بڑی بھیڑ رہتی تھی۔ تلواروں پر دستے چڑھوائے جارہے تھے۔ مجاہدوں کے غول کے غول زرہ بکتر سے لیس پورے شہر میں گھوڑوں پر سوار ہوکر نکلتے تھے۔ اسلام کا بول بالا 'فرنگی کا منہ کالا" کے نعروں سے زمین و آسمان ہل جاتے تھے۔

الہ آباد اتر پردیش کے قریب ایک گاؤں میں مولانا لیاقت علی رہتے تھے۔ گردونواح کی بڑی تعداد ان کے حلقہ ارادت میں داخل تھی۔ جہاد پر بیعت لیا کرتے تھے یہاں تک کہ یہ مبارک گھڑی آپہنچی بہت سے اشتہارات چھپوائے فوج اور عوام میں بڑی تعداد میں تقسیم کرتے رہے۔ ہر ایک اشتہار کے مضمون کا مرکزی نقطہ نظر انگریز دشمنی تھی۔ لوگوں کو انگریزوں کے مکروفریب سے مطلع کرتے رہے یہاں تک کہ جنگ کی آگ بھڑکنے لگی۔

سلطان ٹیپو شہیدؒ کے مصاحبین کی اولاد میں سے ایک بڑی بزرگ ہستی مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی کی بھی تھی۔ اپنے تو ایک طرف غیر 'انگریز بھی ان کی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے تھے۔ انہوں نے فوج کو اپنی کوششوں کا مرکز بنالیا اور متعدد افراد کی تربیت اس نہج پہ کی کہ ان کے وعظ کا ماحصل اور لب لباب انگریز دشمنی تھی۔ احمد اللہ شاہ ہر جگہ اسی فکر کو عام کرتے رہے کہ انگریزوں کے خلاف جہاد ہونا چاہیئے۔ کہیں گرفتاری کا خطرہ ہوتا تو حلیہ تبدیل کرکے پہنچ جاتے

[1] علمائے ہند کا شاندار ماضی۔ ج۔ 4 ص۔ 327

فقیروں کا بھیس بنالیتے 'لباس بدل لیتے مگر انگریز دشمنی کو عام کرنا ان کا جزو ایمان تھا۔ اپنے علاقے کے عوام کو جنگ آزادی کے لئے آمادہ کرنا اور انہیں میدان جہاد میں انگریزوں کے خلاف لے آنا اس مجاہد کا بہت بڑا کارنامہ تھا۔

سکھوں کے علاوہ برصغیر کی ہر قوم اپنے وطن کو غیر ملکی تسلط سے آزاد کرانے میں کوشاں تھی۔ ہندو ابتداء میں ساتھ تھے مگر انتہاء میں ساتھ چھوڑ گئے [1] اور یوں مسلمان اکیلے رہ گئے۔ سکھوں نے انگریزوں کی نہ صرف حمایت کی بلکہ مسلمان ریاستوں میں قتل وغارت کی انتہا کردی۔

کنور سنگھ کی ایک قابل تعریف مثال

صوبہ بہار کے ضلع جگدیش پور کا ایک راجپوت رئیس "کنور سنگھ" اس موقع پر قابل ذکر ہے جنگ آزادی کے وقت اس کی عمر اسی سال تھی۔ انگریزوں کی مخالفت سے کنارہ کش نہ ہونے کا سبق اس نے مسلمانوں سے سیکھ لیا تھا۔ اپنے علاقے میں فوج کی قیادت بھی کرتا تھا۔ دریائے گنگا فوج کے ہمراہ عبور کررہا تھا کہ انگریزی فوج سے مقابلہ ہوگیا۔ انہوں نے فائر کھول دیا اور لوگ بھننے لگے

ایک گولی اس بوڑھے شیر کی کلائی پر لگی اور بہت شدید زخم آیا میدان جنگ میں فوری طور پر علاج کی کوئی سہولت میسر نہ تھی گنگا عبور کیا تو اسے محسوس ہوا کہ یہ زخمی کلائی لڑنے میں رکاوٹ بن رہی ہے تو تلوار مار کر اپنی کلائی خود کاٹ ڈالی۔ اسے اٹھایا اور دریائے گنگا میں پھینکتے ہوئے جو لفظ اس نے کہے تھے وہ تاریخ کو ابھی بھی یاد ہیں۔ بہادر آدمی کسی بھی قوم کا ہو قابل قدر ہوتا ہے۔ گنگا جو اس کے دھرم میں مقدس دریا تھا اور اس کی ماں تھی اس کے حوالے اپنی کلائی کو کیا اور کہنے لگا۔

[1] اس لئے کہ عدم تشدد ہندومت کے اصولوں میں سے ایک ہے۔

www.ahnafmedia.com

"ماتا! اپنے سپوت کی اس آخری قربانی کو شرف قبولیت عطا کر"

آمرہ میں انگریز فوج کے خلاف اسی حالت میں تین دن تک لڑتا رہا یہاں تک کہ میدان جنگ جیت لیا۔ تمام برصغیر میں یہ آگ لگ چکی تھی۔ اگر شاہ ہند کے ارادوں میں کچھ بھی مضبوطی ہوتی اور ان کے مصاحبین ان سے دغابازی کی روش اختیار نہ کرتے تو انگریزوں کے قدم اکھڑ چکے تھے۔ برصغیر کو آزادی مل جاتی مگر ابھی قدرت کو اس غفلت کی سزا دینا تھی جو 1707ء سے لے کر اب تک ہو چکی تھی۔

سپہ سالاروں میں تبدیلی

لارڈ کیننگ اس وقت کا گورنر جنرل تھا اور جنرل آنسن کمانڈر انچیف شملہ میں گورنر جنرل کا پیغام پہنچا کہ جنرل آنسن فوری طور پر دہلی کو بچائیں اور حملہ کر دیں۔ جنرل آنسن نے فوری طور پر پٹیالہ' نابھ اور جیند کی ریاستوں کے فرمانرواؤں سے عہد وفاداری کی تجدید کرائی اور ان سے بھی فوجیں لے کر دہلی کا رخ کر لیا۔ انگریز تو برصغیر کے ان وفا شعار حریت پسندوں کا دشمن تھا ہی اب یہاں کے فوجیوں نے بھی یہ عزم ٹھان لیا۔

جنرل آنسن کرنال پہنچا ہی تھا کہ اسے ہیضہ ہو گیا اور تمام تر احتیاطوں کے باوجود چل بسا۔ اس کی جگہ جنرل ہنری برنارڈ نے سنبھال لی۔ راستے کی آبادیوں اور کھیتوں کو تاخت و تاراج کرتا ہوا دہلی جا پہنچا' لیکن زندگی کے دن پورے ہو چکے تھے اسے بھی ہیضہ ہو گیا۔ اور 5 جولائی کو اسے دست قضا نے چن لیا۔

اب اس نہایت قلیل عرصے میں تیسرے کمانڈر انچیف جنرل ریڈ مقرر کیے گئے۔ مگر حریت پسندوں کے انداز سے وہ واقف تھا اور جانتا تھا کہ یہ ہتھیار ڈالنے یا شکست کھا جانے کی بجائے موت کو ترجیح دینے والے انسان ہیں' اس لئے ہمت ہار بیٹھا اور کچھ ہی دنوں کے بعد مستعفی ہو گیا۔ انگریز حکومت تنگ آ گئی تھی

روز کمانڈر انچیف بدلنے پڑ رہے تھے مگر اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ تھا۔ اب افواج کی قیادت نئے کمانڈر انچیف جنرل ہڈسن نے سنبھالی۔

مزید ایک چنگیز صفت انسان جنرل ولسن تھا جس کے سینے میں انسان کی بجائے کسی بھیڑیئے کا دل تھا۔ مروت کی جھلک تک اس کے پاس سے نہ گزری تھی۔ اس نے دہلی ہر قیمت پر لینے کا فیصلہ کر لیا۔ کیوں کہ اسے اندازہ تھا کہ دہلی حریت پسندوں کا مرکز ہے اور اگر اس پر کاری ضرب لگ جاتی ہے تو تمام ملک میں اثر پڑے گا۔ اس اثناء میں ایک اور کمانڈر جنرل نکلسن دو ہزار کی فوج لے کر اس کے پاس پہنچ گیا اور یہ وہ کمانڈر تھا جس کے متعلق مورخین لکھتے ہیں کہ اس نے اپنے خون کی بھینٹ چڑھا کر دہلی کو حاصل کیا تھا۔ جنرل ہڈسن جیسا درندہ صفت انسان بھی ان دونوں جرنیلوں کے ساتھ مل گیا اور دہلی کی اینٹ سے اینٹ بجانے کا منصوبہ بننا شروع ہو گیا۔

مولانا سرفراز علی صاحب

گورکھ پور کے علاقے میں مولانا سرفراز علی صاحب لوگوں کو انگریز دشمنی پر ایک عرصہ سے آمادہ کر رہے تھے۔ خفیہ طور پر باقاعدہ بیعت لیتے تھے۔ کہ انگریزوں سے یہ خطہ آزاد کرا کے دم لیں گے اور یہ بیعت آپ کو معلوم ہے کہ کس کی طرف سے' کس کے نام پر اور کس کی نیابت میں لیتے تھے؟ اپنے پیر و مرشد امام تحریک حریت گلستان نبوت کے سدا بہار پھول' حضرت سید احمد شہید نور اللہ مرقدہ کی طرف سے ان کے نام پر اور ان کی نیابت میں۔ مولانا سرفراز علی گورکھ پور کے علاقے میں سید صاحب کی تحریک کے کارکنوں میں سے ایک تھے۔

ایسی چنگاری بھی یارب!

مولانا کی مجلس میں پھر ایک ایسا شخص آیا' جس نے ساری کسریں پوری

www.ahnafmedia.com

کر دیں۔ ایسے شجیع اور بہادر لوگ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ اس شخص کے محاسن و عہد آفرینی پر نظر جاتی ہے تو انسان بے اختیار کہہ اٹھتا ہے۔

ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی

اور وہ تھا جنرل بخت خان!

منشی ذکاء اللہ نے تاریخ عروج عہد انگلیشیہ میں اس امر کا ذکر کیا ہے اور مولانا سرفراز علی صاحب کو جنرل بخت خان کا مربی اور مرشد قرار دیا ہے۔ انہوں نے ہی جنرل بخت خان سے انگریز دشمنی پر بیعت لی اور آہستہ آہستہ ان کی تربیت اس نہج پر کرتے رہے جو نہج آخر کار اس بغاوت پر منتج ہوئی۔

سید احمد شہید اور جنرل بخت خان کا باہمی تعلق

اس اعتبار سے غور کیا جائے تو جنرل بخت خان کی حریت پسندی اور تعلیم و تربیت بیک واسطہ حضرت سید احمد شہید نور اللہ مرقدہ ہی کی مرہون منت تھی۔

مجاہد کبیر سید احمد شہیدؒ۔
↓
مولانا سرفراز علی صاحب گورکھپوری
↓
جنرل بخت خان جنگ آزادی کا ہیرو

جنگ آزادی کے آغاز میں جنرل بخت خان رائے بریلی میں تھا۔ وہاں سے دہلی کا رخ کیا جون کی آخری یا جولائی کے آغاز کی تاریخوں میں وہ مرکز میں پہنچا اور اس کا آنا اس شان سے ہوا کہ اس کے ہمراہ ایک باقاعدہ اور منظم فوج تھی جسے اس نے انگریزوں سے لڑنے کے لئے تیار کر رکھا تھا۔ سپاہیوں کو فکر معاش سے آزاد رکھنے کے لئے چھ ماہ کی تنخواہ یکمشت جہاد سے پہلے ہی ادا کر دی گئی تھی۔ کئی لاکھ روپیہ جنرل نے خاص طور سے اپنے پاس رکھا تھا تاکہ کسی موقع پر بھی اسے کام میں لایا جا سکے۔ ہر سپاہی مسلح تھا اور بھرپور عظم و ہمت کا مالک۔

جنرل بخت خان کی ژرف نگاہی

جنرل بخت خان کی حالات زمانہ پر کیسی گہری نظر تھی اس کا اندازہ اس کے اس پہلے قدم سے لگایا جا سکتا ہے جو دہلی آتے ہی اس نے اٹھایا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ جب تک یہاں کی مذہبی طاقتوں کو اپنے ساتھ نہ ملایا جائے اور علماء کرام باقاعدہ جہاد کا فتویٰ دے کر اس جہاد کی شرعی حیثیت کی وضاحت نہیں کریں گے۔ عوام کی حمایت حاصل کرنا مشکل ہوگی۔ اس مقصد کیلئے انہوں نے وہ فتویٰ مرتب کروایا جس کا ذکر ہم اس بات کی ابتداء میں کر چکے ہیں۔

جنرل بخت خان جب دہلی میں داخل ہوا تو اس کے مربی، شیخ کامل مولانا سرفراز علی صاحب اور دیگر ایک سو سے زائد جید مجاہد علماء کرام اس کے ہمراہ تھے۔ تاہم علمائے دہلی سے فتویٰ لینا ضروری تھا اور سب سے پہلے اس فتوے کی تحصیل و تشہیر کی گئی۔ اس کے بعد جنرل بخت خان نے سپاہیوں سے حلف وفاداری کی تقریب منعقد کی اور یہ دوسرا بڑا کام تھا جو انجام پایا۔ مرزا مغل نے حلف نامہ پڑھ کر پوری فوج کو سنایا، جس میں واضح طور پر یہ اقرار کروایا گیا تھا کہ ہم آخری دم تک انگریزوں کے خلاف جہاد کریں گے۔

تین محاذ

جہاد کا آغاز ہوا اور جنرل بخت خان کیلئے تین محاذ کھل گئے۔

1..... دہلی مرکز کی حفاظت

2..... بہادر شاہ ظفر بادشاہ ہندوستان کے گرد و پیش کے حلقے میں جو غدار تھے، ان کا مقابلہ۔

3..... مختلف شہروں میں ہونے والی اس جنگ آزادی کے لئے ہدایات کی ترسیل دہلی کے انتظامی امور پر مغل شہزادوں کا قبضہ تھا اور جنرل بخت خان کے عمل دخل

www.sherazfoundation.com

کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ بہادر شاہ ظفر نے جنرل کو اپنا بیٹا قرار دے کر کئی ایک اختیارات اسے سونپ دیئے تھے مگر شہزادے اس کے راستے میں طرح طرح کی رکاوٹیں کھڑی کر رہے تھے۔ بادشاہ کے کان الگ بھرے جا رہے تھے اور جنرل بخت خان ان تمام مشکلات کے باوجود میدان جہاد میں ڈٹا رہا اور جولائی سے لے کر ستمبر 1857ء تک انگریزوں کو پورے برصغیر میں مار پڑتی رہی۔

ایک افواہ

غدار اور بد طینت حضرات جو بادشاہ کے مصاحبوں میں داخل تھے' انہوں نے ایک نئی افواہ اڑائی کہ بخت خان انگریزوں سے لڑنے میں کوتاہی کر رہا ہے جو کہ سراسر جھوٹ تھا۔ مگر آہستہ آہستہ یہ بات بادشاہ سلامت تک پہنچانے کا منصوبہ بنالیا گیا اور آخر کار 29 جولائی کو بھرے دربار میں جنرل بخت خان کو یہ کہا گیا کہ وہ انگریزوں پر حملہ کرنے میں غفلت کر رہا ہے۔ بادشاہ نے اس الزام کو مسترد کر دیا اور بخت خان پر مکمل اعتماد کا اظہار کیا۔ اس اثناء میں انگریز فوج کے کمانڈر ان چیف یکے بعد دیگرے تبدیل ہوتے چلے گئے یہاں تک کہ جنرل ولسن نے توپ خانہ' اسلحہ اور فوج کو بڑی تعداد میں جمع کر کے دہلی فتح کرنے کا حکم دے دیا۔

دہلی کی فتح

اس سے قبل کے چار ماہ میں اتنی شدت سے جنگ ہوتی رہی کہ انگریز فوج کئی مرتبہ ہمت ہار گئی قیادت سے لے کر سپاہ تک ہر ہر فرد ان مجاہدین کے خوف سے کانپتا تھا اور اللہ نے ان مجاہدوں کے رعب سے انگریزی حکومت کے ایوان پر لرزہ طاری کر دیا تھا۔

14 ستمبر کو دہلی کے کشمیری دروازے پر حملہ ہوا اور دروازہ بارود سے اڑا دیا گیا جنرل بخت خان نے حکم دیا کہ ہر ہر فوجی اور شہری اندر آنے والی فوج کا مقابلہ

کرے۔ انگریزی فوج چار حصوں میں منقسم ہو کر لڑنے لگی اور جنرل بخت خان نے چاروں حصوں پر کاری ضرب لگانے کا حکم دیا۔ جنگ کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے شہر کی گلی گلی اور کوچہ کوچہ میدان جنگ بنے اور وہاں کے ساکنین غازی یا شہید ہونے کیلئے تیار تھے۔ انگریز فوج کا آگے بڑھنا دشوار تھا۔ مجاہدین ایک ایک انچ کیلئے قربانی دے رہے تھے اور اپنے وطن عزیز کا دفاع کر رہے تھے انگریزی فوج کے بڑے بڑے افسر کام آ چکے تھے اور جنرل نکلسن جس نے اپنے خون کی بھینٹ چڑھا کر دہلی حاصل کرنا تھا شدید زخمی ہو گیا۔

پسپائی یا پیش قدمی

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجاہدین کس قدر بے جگری سے لڑے۔ عام سپاہی تو درکنار انہوں نے انگریزوں کے اعلیٰ سطح کے افسروں کو بھی اپنے تیغ و سنان کا نشانہ بنالیا تھا۔ جنرل ولسن اس صورتحال کو دیکھ کر سخت پریشان ہوا اور اپنے ساتھیوں سے یہ مشورہ کرنے لگا کہ فوج کو واپسی کا حکم دیا جائے یا ہم مزید قربانی دیتے رہیں۔

جنرل نکلسن ہسپتال میں زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھا۔ اس سے بھی مشورہ لینا ضروری تھا۔ جب اسے پتہ چلا کہ جنرل ولسن فوج کو پسپائی کا حکم دینے کے متعلق سوچ رہا ہے تو وہ تلملا اٹھا۔ انگریز قوم کی خوش قسمتی تھی کہ یہ بہادر انسان اس وقت تک زندہ بچ گیا ورنہ فوج پسپا ہو کر شکست کھا جاتی۔ اس بات کو سنتے ہی وہ باوجود شدید زخمی ہونے کے دانت پیسنے لگا اور بولا "ابھی مجھ میں اتنی طاقت ہے کہ اگر "ولسن" فوج کو پسپائی کا حکم دے تو اسے گولی سے اڑا دوں"۔ پسپائی کے فیصلے کو اس نے سختی سے رد کر دیا اور ہر قیمت پر دہلی پہ قبضہ کرنے کے منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے پر زور دیا۔

انگریزی فوج دو دن تک سر توڑ کوشش کرتی رہی کہ آگے بڑھے اور کشمیری دروازہ

www.abnafmedia.com

اڑا کر انہوں نے شہر کا راستہ کھول لیا تھا مگر جنرل بخت خان کی مدبرانہ حکمت عملی نے ایک قدم بھر کی زمین پر دشمن کا تسلط نہ ہونے دیا۔

غداری ـــــ ایک پرانا ناسور

"الٰہی بخش" اس غدار کا نام ہے جسے انگریزوں نے خرید لیا۔ بہادر شاہ ظفر کے بیٹے اور ولی عہد مرزا فخرالملک اور "الٰہی بخش" کی بیٹی کی شادی ہو چکی تھی اس اعتبار سے وہ بادشاہ سلامت کا سمدھی تھا۔ انگریزوں نے مرزا الٰہی بخش کو یہ کام سونپا کہ بادشاہ کو لال قلعہ خالی کرنے پر مجبور کیا جائے، کیونکہ جب وہ قلعہ چھوڑ دیں گے تو لوگوں میں بد دلی پھیل جائے گی۔ جنرل بخت خان کی بات سننا لوگ چھوڑ دیں گے اور حالات بدل جائیں گے۔ لیکن بادشاہ کو جنرل بخت خان کے ساتھ نہ جانے دیا جائے۔ کیونکہ اگر بخت خان انہیں اپنے ساتھ لے گیا تو دہلی کے علاوہ کسی اور علاقے کو پھر یہ اپنا مرکز قرار دے کر وہاں سے جدوجہد شروع کر دیں گے۔ اس لئے یہ خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔

دوسری مخبر اور غدار منحوس شخصیت منشی رجب علی کی تھی جن کے انگریز کمانڈر انچیف جنرل ہڈسن کے ساتھ ذاتی مراسم اور گھریلو تعلقات تھے۔ ہڈسن نے اسے اپنی خفیہ انٹیلی جنس کا سربراہ بھی بنا کر ارسطو جاہ کا خطاب دیا تھا اپنے منصب اور عہدے کے ناطے اس نے تمام راز جو مسلمان مجاہدین کو کامیابی سے ہم کنار کر سکتے تھے انگریزوں کو منتقل کر دیئے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ مرزا الٰہی بخش کو بار بار یہ پیغام بھجوا رہا تھا کہ اگر تم نے بادشاہ سلامت سے قلعہ خالی کروا دیا اور بادشاہ کو باغی جنرل بخت خان کے ساتھ جانے سے روک لیا تو انگریز تمہیں اور تمہاری اولاد کو تمام عمر شاہانہ زندگی کی مراعات دیں گے تمہارے بعد تمہاری اولاد کو اس "خدمت" کی پنشن بھی ملے گی۔

سودا طے ہو گیا اور چند ہزار کے عوض مرزا الٰہی بخش نے پورے برصغیر کی تاریخ کو

سیاہ باب میں تبدیل کرنے کا سودا کر لیا۔

انگریزوں نے بھی اپنے وعدے کو پورا کیا اور بعد ازاں جب دہلی فتح ہو گیا اور بہادر شاہ گرفتار ہو گئے تو مرزا الٰہی بخش کو مالا مال کر دیا گیا حتیٰ کہ جب وہ مر گیا تو اس کی اولاد کو باپ کی غداری کی بارہ سو روپے پنشن ایک عرصہ تک ہر مہینہ ملتی رہی۔

اقدار کا سودا

مرزا الٰہی بخش نے بادشاہ سلامت کو کس طرح قائل کر لیا کہ وہ لال قلعہ چھوڑ کر اپنے جد اعلیٰ ہمایوں کے مقبرے میں منتقل ہو جائیں یہ ایک طویل داستان ہے جسے ہم طوالت کے خوف سے نظر انداز کر رہے ہیں۔ مگر مرزا الٰہی بخش اور رجب علی بیگ نے بادشاہ کو آئینے میں اتار لیا ملکہ کو یقین دلایا کہ اگر بادشاہ اس وقت مقبرہ ہمایوں میں چلے جائیں اور قلعہ چھوڑ دیں تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا وہ سادہ ملکہ جس نے انسانی زندگی کی اقدار کو یوں بکتے اور پامال ہوتے، قوموں کے مقدر کا کچھ ہزار روپوں کے عوض سودا کرنے اور انسانوں کی شکلوں میں لومڑوں کو نہیں دیکھا تھا ان باتوں میں آ گئی اور بادشاہ سلامت سے ہر ایک کا اصرار تھا کہ وہ قلعہ چھوڑ دیں۔

بادشاہ کی عمر پچاسی (85) سال سے زیادہ ہو چکی تھی اعصاب کمزور تھے اس اصرار اور دباؤ کو برداشت نہ کر سکا اور بالآخر 19 ستمبر کو قلعہ چھوڑ کر ہمایوں بادشاہ کے مقبرے میں منتقل ہونے کا فیصلہ کر لیا گیا۔

شاہ ہند بہادر شاہ ظفر قلعہ چھوڑتے ہیں

جنرل بخت خان اس فیصلے کے سخت خلاف تھا وہ فوراً قلعہ پہنچا اور بادشاہ کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن رجب علی، الٰہی بخش اور ملکہ زینت محل بادشاہ کو باغی

www.drnafeemedia.com

فوج سے الگ ہو کر مقبرہ ہمایوں میں منتقل ہونے اور اپنے آپ کو بخت خان کی بجائے انگریزوں کے حوالے کر دینے پر آمادہ کر چکے تھے۔ بخت خان نے بار بار اصرار کیا کہ بادشاہ اس فیصلے کو واپس لے لیں مگر اس کی تمام تدابیر تقدیر کے سامنے ماند پڑ گئیں۔ دوران گفتگو ایک مرتبہ تو جنرل بخت خان نے غصے میں آ کر تلوار نکال لی اور مرزا الٰہی بخش کو قتل کرنے لگا مگر بادشاہ درمیان میں آ گیا اور اس غدار کا منحوس وجود مزید کچھ عرصہ اس زمین کا بوجھ بنا رہا۔ آخر کار بادشاہ سلامت نے جنرل بخت خان کو یہ کہہ کر رخصت کیا۔ [1]

"آپ کی رائے درست ہے' انگریزوں سے لڑنا چاہئے لیکن میں یہ نہیں کر سکتا میرے جسم کی توانائی جواب دے چکی ہے۔ میں اپنا معاملہ تقدیر کے حوالے کرتا ہوں۔ آپ ہر صورت میں جہاد جاری رکھیں تاکہ ہندوستان کی آبرو رہ جائے۔"

19 ستمبر کو لال قلعہ بادشاہ سلامت نے چھوڑ دیا اور فقط بہادر شاہ ظفر کا نکلنا نہیں ہوا بلکہ اس دن کے بعد سے آج تک لال قلعے کے در و دیوار کو مسلمانوں نے چھوڑ دیا۔ جس قلعے کی بنیادیں اسلام کے شیدائیوں نے رکھی تھیں وہ قلعہ آج تک ان کے قدموں کی چاپ اور ان کی مجاہدانہ آذانوں کی آواز سننے کا منتظر ہے۔ وہ مضطرب و بے قرار ہے اور ہر روز زبان حال سے یہ کہتا ہے کہ کیا گزرے دن لوٹ کر آئیں گے؟؟؟

قلعہ خالی ہونے پر انگریزی فوج کے حوصلے بڑھ گئے اور مجاہدین کے حوصلے قدرتی طور پر پست ہونے شروع ہو گئے۔ اس کے باوجود جان توڑ مقابلہ کیا گیا۔ انگریزی فوجیں جب لال قلعہ کی طرف بڑھ رہی تھیں تو ایک ایک قدم پر سر کٹ رہے تھے' کشمیری دروازے سے لال قلعہ صرف چھ فرلانگ' تیرہ سو بیس

[1] مقدمہ فقہائے پاک و ہند۔ جلد اول۔ ص۔ 29

(1320) گز کے فاصلے پر تھا مگر یہ مختصر سا راستہ فرنگی فوج نے پانچ دن میں طے کیا تھا اور وہ بھی اس لئے کہ بادشاہ قلعہ چھوڑ چکا تھا۔

جنرل بخت خان کا دوبارہ اصرار

جنرل بخت خان نے ہمت پھر بھی نہیں ہاری اور ہمایوں کے مقبرے میں چلے گئے' بادشاہ کو پھر اس بات پر آمادہ کرنے لگے کہ "اگر دہلی ہاتھ سے نکل بھی جائے تو بھی فکر نہیں کرنی چاہئے۔ آپ میرے ساتھ چلیں ہم کسی اور مقام کو اپنا مرکز قرار دے کر جہاد کرتے رہیں گے" کافی دلائل اس نے دیئے مگر بخت خان کی ساری کوششیں ناکام ہو گئیں اور بادشاہ نے انگریزوں کے سامنے ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کر لیا۔ انگریزوں سے اپنی اور اپنے خاندان کے افراد کی جان کو امان دینے کی درخواست کر دی اور یوں 20 ستمبر 1857ء کو دوپہر کے بعد جنرل ولسن قلعہ میں داخل ہو گیا۔

جام صحت ملکہ وکٹوریہ کے نام

میجر ہڈسن نے مقبرہ ہمایوں سے جا کر بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کر لیا' رجب علی اور الٰہی بخش کو انعامات سے نوازا گیا اور وہ لال قلعہ جو 1648ء میں مکمل ہوا تھا آج تک کسی غیر ملکی کے قبضے میں نہ آیا تھا' اس کے دیوان خاص نے جس کی تکمیل پر دو سو نو (209) سال کا عرصہ بیت چکا تھا پہلی مرتبہ یہ سنا کہ جنرل ولسن ملکہ وکٹوریہ کے نام کا جام صحت تجویز کر رہا ہے۔ لال قلعے کے در و دیوار اس رسم سے نا آشنا تھے ان کے کانوں نے پہلی مرتبہ یہ گونج سنی اور یہ کافرانہ ادائیں دیکھیں۔ لیکن انہیں کیا معلوم کہ اس کے باسی اب اس میں رہنے کے اہل نہیں رہے تھے۔

جنرل بخت خان کا انجام

جنرل بخت خان اب مکمل طور پر مایوس ہو چکا تھا اور اس کی آنکھیں یقین کا

www.ahnafmedia.com

چشمہ پہن کر یہ دیکھ رہی تھیں کہ اب ہندوستان کو انگریزوں کے تسلط سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ وہ رخصت ہوا اور اپنی بقیہ فوج لے کر جمنا پار چلا گیا اس کے تدبر اور حسن انتظام کی داد دینا پڑتی ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس نے اپنی فوج کو بجائے معرکہ آرائی کے سلامتی کے ساتھ اس منجدھار سے نکال لیا۔

23 اکتوبر 1857ء کو وہ فرخ آباد پہنچا اور اوائل نومبر سے لے کر فروری 1858ء تک لکھنؤ میں رہا۔ حضرت محل لکھنؤ میں انگریزوں کے خلاف لڑ رہی تھیں انہوں نے جنرل بخت خان کا بے حد عزت واحترام کیا۔ ان کے مشوروں کو غور سے سنتی اور عمل کرتی رہیں۔ مگر جب لکھنؤ بھی انگریزوں کے قبضے میں چلا گیا تو بخت خان غم واندوہ کے سمندر میں ڈوب گیا۔ اس کے رنج وغم کی کوئی انتہا نہ رہی اور بالآخر اس نے نیپال کا رخ کر لیا۔ اس کے بعد اس نے زندگی کس حال میں گزاری اس کے انتقال اور بقیہ زندگی کا کیا بنا کسی کو کچھ معلوم نہیں 'انگریزوں نے فتح کے بعد بہت تلاش کی اور اس تاک میں رہے کہ وہ مرد میدان ہاتھ آئے اسے بھی انتقام کا نشانہ بنایا جائے مگر آج تک کوئی اس کا کھوج نہ لگا سکا کہ وہ سید احمد شہیدؒ کا بالواسطہ فیض یاب 'اس تحریک کا نگینہ اور اللہ کی برہان کہاں کھو گئی ؟

انتقام کی بھیانک داستان

دہلی فتح ہو چکا تھا اور کچھ علاقوں میں مزید انگریزی فوج نے قبضہ کر لیا تھا۔ مرکز ہی جب لٹ جائے تو پھر اس کے باقی حصے کب تک مقابلہ کر سکتے ہیں۔ جب درخت کی بنیاد خشک ہو جایا کرتی ہے تو شاخوں کی بہار کے دن بھی گن لئے جاتے ہیں۔ آہستہ آہستہ پورے ملک پر انگریزوں کا تسلط ہو گیا اور انہوں نے مسلمانوں سے اس جہاد آزادی کا جو انتقام لیا اسے کلیجہ تھام کر سنئے۔

ہر ایک بات زبان پر نہ آسکی باقی
کہیں نہیں سے سنائے ہیں ہم نے افسانے

سکھ تو اس تحریک حریت اور جہاد آزادی میں شامل ہی نہ تھے۔ بعد ازاں ہندوؤں نے بھی کنارہ کشی اختیار کر لی۔ مسلمان اکیلے اس میدان میں رہ گئے اور اسی لئے سب سے زیادہ انتقام کا نشانہ بھی وہی بنے۔ اسی لئے بعد میں جب ملکہ برطانیہ نے اس "بغاوت" کیلئے عام معافی کا اعلان کیا تو ہندوؤں کو نوازا گیا وہ چونکہ بعد ازاں حکومت برطانیہ کے معاون بن گئے تھے اس لئے آبادکاری کے مسئلے میں بھی زمینیں سب سے زیادہ انہیں الاٹ کی گئیں۔ سرکاری نوکریوں کے دروازے ان کے لئے کھولے گئے اور ہر طرح کی مراعات حکومتی سطح پر انہیں ہی ملیں۔ مسلمانوں کو اول تو سوائے "انتقام" کے کچھ ملا ہی نہیں اور اگر ملا بھی تو بہت دیر کے بعد۔

بیٹے باپ کے سامنے سرخرو

بخت خان کی روانگی کے اگلے دن بادشاہ سلامت کو مقبرہ ہمایوں میں گرفتار کر لیا گیا اور سوائے جہان بخت کے باقی تمام شہزادوں کے سر قلم کر دیئے گئے۔ الٰہی بخش ایک تھال لے کر حاضر ہوا جو کپڑے سے ڈھکا ہوا تھا اور عرض کیا گیا کہ بادشاہ سلامت کے حضور میں انگریز حکومت نے تحفہ ارسال کیا ہے۔ انہوں نے تھال لے لیا اور جب کپڑا ہٹا کر دیکھا تو اس کے تین نوجوان بیٹوں مرزا مغل' مرزا حضرت سلطان اور مرزا ابو بکر کے سر کاٹ کر رکھ دیئے گئے تھے۔ بوڑھے باپ نے جوان بیٹوں کے سر دیکھ کر کلیجہ تھام لیا مگر وہ دہلی کی آبرو تھا' ہنس پڑا اور بولا تیموری خاندان کے بہادر بیٹے اسی طرح سرخرو ہو کر باپ کے سامنے آیا کرتے ہیں۔

عالم کس مپرسی

ملکہ عالیہ زینت محل کو چھوڑ کر باقی تمام شہزادیاں کس مپرسی کے عالم میں نکل

www.ahnafmedia.com

کھڑی ہوئیں۔ کتنوں نے خود کشی کرلی' مسلمان عورتوں کی عصمت دری کی گئی۔

فوج کو یہ اجازت دے دی گئی تھی کہ تین دن تک دہلی میں ہر قسم کا کام کیا جا سکتا ہے۔ حکومت برطانیہ نے اس شہر کے باشندوں کی عزت و آبرو' مال و دولت کو ہر بھوکے فوجی بھیڑیئے کے لئے کھول دیا۔ بس پھر کیا تھا۔ فوج دندناتی پھر رہی تھی کوئی قانون نہ تھا سکھوں اور انگریزوں نے مل کر وہ دہشت گردی مچائی کہ اللہ کی پناہ۔ ستائیس ہزار (27000) مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ عورتوں کی عزتیں سربازار لا کر لوٹی جاتی تھیں۔ مال و دولت چھین کر سمیٹ لی گئی اور آسمان بار بار حیرت سے اس منظر کو دیکھ رہا تھا کہ جب سے اسے پروردگار عالم نے تخلیق کیا تھا اس کی نگہ نے آج تک سفاکی اور درندگی کے یہ نمونے نہیں دیکھے تھے۔

مسلمان ہونا ایک جرم بن گیا تھا

مسلمان ہونا جرم تھا۔ کسی بھی محلے میں انگریز فوج گھس جاتی صحت مند اور جواں سال مسلمان نوجوانوں کو پکڑ لیتی' پچاس سو کا ایک جتھا بنا کر کوتوالی میں بھیج دیا جاتا اور شام کو ان کی لاشیں ان کے گھر والے اٹھا کر لے آتے۔

چاندنی چوک دہلی میں سولی نصب کر دی گئی سکھ شہر میں گھومتے تھے اور عورتوں اور بچوں کو پکڑ کر لے آتے تھے۔ بچوں کے سامنے ماؤں کی عصمت دری کی جاتی تھی اور پھر ماؤں کے سامنے بچوں کو سولی پر چڑھا دیا جاتا تھا بعد ازاں وہ عورتیں بھی قتل کر دی جاتی تھیں۔ ان کا جرم محض مسلمان ہونا تھا اور یہ کہ ان کے مردوں نے انگریز کے خلاف جہاد کیوں کیا؟

جن مقدس اور باعصمت عورتوں کے بالوں پر سورج کی نگاہ نہ پڑی تھی' وہ بے دوپٹہ گھروں سے نکال دی گئیں' جنہوں نے گھر سے باہر قدم تک نہ رکھا تھا

آج بے آسرا اور بے سہارا پھر رہی تھیں۔ شہر سے بھاگنے لگیں اور جدھر بھی جگہ ملی وہیں رہ پڑیں۔

جانوروں پہ ظلم

مسلمان گھرانے جو دنیوی اعتبار سے خوشحال تھے انہوں نے اپنے گھروں میں کئی قسم کے پرندے' کبوتر' طوطے' فاختائیں اور کوئلیں پال رکھی تھیں۔ ان سب پرندوں کو بھی یا تو ذبح کر دیا گیا اور یا پھر بھوک اور پیاس سے مر گئیں۔ دہلی میں کبوتروں کی کئی ایک نسلیں تھیں جو دنیا بھر میں صرف یہیں پائی جاتی تھیں۔ اپنے آپ کو مہذب کہلانے والی انگریز قوم نے وہ بھی فنا کر دیں۔

قحط کا سماں

قحط کا سماں پیدا ہو گیا۔ جو خواتین رمضان' شب برات اور محرم میں سینکڑوں خیرات کرتی تھیں اب کوڑیاں مانگنے لگی تھیں۔ مسافروں کی سزاؤں کے قریب قطار بنا کر بیٹھ جاتی تھیں اور کوئی بھی مسافر انہیں استعمال کر کے پیسے دے دیتا۔ صبح کو کما کر لاتیں اور دن بھر گھر میں دروازہ بند کر کے پڑی رہتیں۔

جامع مسجد دہلی

دہلی کی جامع مسجد جو شان و شکوہ میں اس قابل تھی کہ علامہ اقبال کے اشعار اس کی زینت بنتے اسے مسمار کرنے کا منصوبہ بنا دیا گیا۔ اور تجویز یہ ہوئی کہ مسجد کو ختم کر دیا جائے لیکن پھر اسے سکھوں کی بیرک بنا دیا گیا۔ انگریز کتوں اور جوتوں سمیت مسجد میں گھس جاتے اور سکھ سور پکا کر انگریزوں کی دعوت مسجد میں کرتے تھے۔ وہ مسجد جہاں کبھی امیر المومنین کے نام کے خطبے پڑھے گئے تھے اور جس نے مسلمانوں کی عظمت و شوکت کا دور ابھی کچھ عرصہ پہلے دیکھا تھا آج اس کی نماز کی جگہ کو کتوں اور سوروں کے کھانے اور بیٹھنے کیلئے استعمال کیا جا رہا تھا۔ جامع

www.freepdfpost.blogspot.com

مسجد کی یہ بے حرمتی ایک عرصہ تک جاری رہی یہاں تک کہ 27 نومبر 1862ء کو اسے سخت جدوجہد کے بعد مسلمانوں کے حوالے کیا گیا۔ یوں یہ خانہ خدا پانچ سال دوماہ تک انگریزوں اور سکھوں کی عیاشیوں کا اڈہ بنا رہا۔

اکبری مسجد سید احمد شہید کی تربیت گاہ

دہلی کی ایک اور مسجد جو اکبری مسجد کے نام سے مشہور تھی، جہاں کبھی بیٹھ کر مولانا شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلویؒ نے قرآن کریم کا اردو ترجمہ کیا تھا، ان کے شب و روز کی عبادت کا مرکز رہی تھی، جہاں سید احمد شہیدؒ نے اپنی روحانی تربیت کے دن گزارے تھے اسے شہید کر دیا گیا اور صفحہ ہستی سے یوں مٹا دی گئی گویا کہ یہاں مسجد کا وجود ہی نہ تھا۔ ایک بڑی مسجد جو سکھوں کے گوردوارے کے قریب تھی سکھوں کو مل گئی اور انہوں نے اسے گرا کر گوردوارے میں بدل دیا۔ اورنگ آبادی مسجد دہلی کی بڑی مساجد میں شمار کی جاتی تھی وہ بھی منہدم کر دی گئی اور گویا کہ یہ طے کر لیا گیا کہ ہر وہ چیز جس کی نسبت اسلام یا مسلمانوں سے ہے اس کا وجود برداشت نہ کیا جائے۔

مسجد کو تالا

نمک منڈی میں ایک مسجد تھی جسے انگریزوں نے گرایا تو نہیں مگر تالے لگوا دیئے۔ کوئی مسلمان اس میں نماز نہیں ادا کر سکتا تھا۔ آخر کار مسلمانوں کی انجمن "موید الاسلام" نے حکومت سے درخواست کی کہ اس مسجد کو کھول دیا جائے۔ مفتیوں کے فتوے پیش کئے گئے کہ یہ ہمارا مذہبی حق ہے ہمیں ملنا چاہئے، مولانا رشید احمد محدث گنگوہیؒ نے فتویٰ دیا کہ یہاں نماز ہو سکتی ہے۔ پھر بھی بہت دیر سے اس مسجد میں نماز پڑھنے کی اجازت ملی۔

اس سے سوچنا چاہئے کہ جو انگریز مسلمانوں کے گھروں اور مسجدوں تک کو برباد کر رہے تھے وہ مسلمانوں کا وجود بھلا کیسے برداشت کر سکتے تھے۔

کتب خانوں کی بربادی

یہ انگریز قوم جو علم پرور ہونے کا دعویٰ کرتی ہے اس نے یہاں کے کتب خانوں کے ساتھ کیا کیا، اسے بھی سنئے۔

مفتی صدرالدین کا کتب خانہ جس کی اس وقت مالیت تین لاکھ روپے تھی اور تمام علم و فن کی نادر و نایاب کتابوں پر مشتمل تھا اس کے صدیوں پرانے قلمی نسخے نذر آتش کر دیئے گئے۔ شاہی کتب خانہ جو محل اور قلعہ کی زینت تھا لوٹ لیا گیا اور پھر دہلی کے عام کتب خانوں میں بھی لوٹ پڑی جو بھی نایاب کتابیں تھیں یا تو ضائع ہو گئیں اور یا پھر انہیں اٹھا کر انڈیا آفس لائبریری، لندن بھجوا دیا گیا جہاں آج بھی انہیں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

گور غریباں

بادشاہ پر مقدمہ چلا اور انہیں ہندوستان بدر کر کے رنگون بھیج دیا گیا جہاں انہوں نے 17 جولائی 1886ء کو وفات پائی اور یوں ان کا وہ شعر ان کے حسب حال ہو گیا جو کبھی انہوں نے لال قلعہ دہلی میں مشاعرہ میں پڑھا تھا۔

شاہوں کے مقبروں سے الگ دفن کیجیو
ہم بے کسوں کو گور غریباں پسند ہے

موت جس کی زندگی بن جائے

خان بہادر خان جس کے حالات آپ پڑھ چکے ہیں اور جس کے عوام یہ نعرہ لگا رہے تھے "فرنگی کا منہ کالا، اسلام کا بول بالا" 1859ء تک لڑتا رہا اور نیپال جا کر اپنی جدوجہد کا سلسلہ جاری رکھا۔ ایک جنگ کے دوران گھوڑے سے گر پڑے، انگریزوں نے موقع غنیمت جانا اور انہیں گرفتار کر لیا۔ لکھنؤ لائے گئے اور بغاوت کے جرم میں مقدمہ چلا، کمشنر لکھنؤ نے کرسی پیش کی کہ اس پر تشریف رکھیئے لیکن زمین پر بیٹھ گئے اور کہنے لگے آج تک ہمیشہ کرسی ہی پر بیٹھتے چلے آئے

www.ahnafmedia.com

ہیں۔ اب قیدی ہیں تو قیدیوں ہی کی جگہ بیٹھنا اچھا لگتا ہے۔ ان پر مقدمہ چلا اور پھانسی کی سزا ہوگئی۔ لکھنؤ سے بریلی پھانسی کے لئے لائے گئے۔ آخری وقت کہا گیا کہ کوئی وصیت ہو تو لکھوا دیں بولے۔

بہ جرم حق . می کشند غوغائیست
زمرگ زندگیم می شود تماشائیست

(مجھے سچائی کیلئے جدوجہد کرنے کے جرم میں قتل کیا جارہا ہے اور یہ شور مچا ہوا ہے۔ یہ عجیب تماشا ہے کہ موت ہماری زندگی بن جائے گی)

علمائے کرامؒ سے انتقام

مولانا رشید احمد گنگوہی نور اللہ مرقدہ گرفتار کر لئے گئے اور سہارنپور جیل میں بند کر دیئے گئے۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے قتل کے احکام صادر کئے گئے۔ اعلان کیا گیا کہ ان کا سر لانے والے کو انعام دیا جائے گا۔ زندہ یا مردہ کسی بھی حالت میں انہیں لانا ضروری ہے۔ یہاں تک کہ حاجی امداد اللہ صاحب 1859ء میں مکہ مکرمہ ہجرت کر کے تشریف لے گئے اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے چند سالوں کے لئے روپوشی اختیار کر لی۔ ان تمام مظالم سے بھی انگریز حکومت کی تسکین نہیں ہوئی۔ قتل عام تو دہلی میں اس قدر ہوا تھا کہ کتے اور گدھ لاشیں کھا کھا کر تنگ آ چکے تھے۔ لاشوں کا تعفن اس قدر بڑھ گیا تھا کہ سانس لینا دشوار تھا۔ اب ایک اور طریقہ اختیار کیا گیا اور "مجرموں" کو توپ سے باندھ کر اڑا دیا جاتا تھا۔ یہ بھی تسکین کا ایک طریقہ تھا، جس کو چاہتے تھے پکڑ کر توپ کے منہ سے باندھ دیتے تھے اور پھر توپچی اشارے پر توپ داغ دیتا تھا یوں اس "مجرم" کے جسم کے پرخچے اڑ جاتے تھے۔

علماء کرام کو خصوصی طور پر اس ستم کا نشانہ بنایا گیا اور وہ اس طرح کہ داڑھیاں نوچ لی جاتی تھیں۔ عمامے پھاڑ دیئے جاتے تھے اور زندہ کسی بھی عالم کو پکڑ کر وہ سور کی کھال میں سلوا دیتے تھے اور پھر وہ کھولتے تیل میں ڈال دیئے جاتے تھے۔ یہ علماء کرام اس فتوے کی قیمت ادا کر رہے تھے جو انہوں نے انگریز کے خلاف جہاد کے فرض ہونے پر دیا تھا۔ پانچ سو (500) سے زائد علماء کو اس طرح پکڑا گیا اور سور کی کھال میں سلوا کر ابلتے، کھولتے تیل میں ڈال دیا گیا تاکہ آئندہ آنے والی نسلیں انگریز حکومت کے خلاف فتویٰ دینے کی ہمت نہ کر سکیں۔

شرافت وانسانیت اپنا منہ چھپاتی ہے

ایک طریقہ اور بھی سکھوں اور انگریزوں نے مل کر ایجاد کیا۔ وہ اپنے تئیں اس طریقے سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ پھبتیاں کستے تھے، خوب خوش ہوتے تھے، قہقہے لگتے تھے جب کہ انسانیت اور شرافت اپنا منہ چھپائے پھرتی تھی۔

ہوتا یوں تھا کہ سکھ اور انگریز جہاں چاہتے تھے چلے جاتے تھے، گرد وپیش کے لوگوں کو جمع کر کے ان میں سے چند ایک خوبصورت نوجوانوں کا انتخاب کر لیا جاتا تھا۔ فوجی اسلحہ سمیت گرد وپیش بیٹھ جاتے تھے پھر کوئی سکھ یا انگریز ان خوبصورت نوجوانوں کو کپڑے اتارنے کا حکم دیتا تھا، مجبور اور بے کس قیدی اس حکم کی تعمیل پر مجبور تھے اور اگر کوئی تعمیل نہ کرتا تھا تو زبردستی اسے برہنہ کر دیتے تھے اور اگر زیادہ جدوجہد کرتا تھا تو گولی کی نذر ہو جاتا تھا۔ ان سب کو برہنہ کرنے کے بعد آپس میں بدفعلی کا حکم دیتے تھے پھر اس برائی کو جبراً کرواتے تھے اور جو انکار کرتا وہ بھی گولی کا نشانہ بن جاتا۔

پھر اس بدفعلی کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے تھے، انگریز اور سکھ دونوں کی تفریح کا گویا کہ سامان میسر ہے اور محلے والے شرم سے اپنی آنکھیں نیچے کر لیتے تھے۔

www.ahnafmedia.com

جب یہ تماشا ختم ہو جاتا تو سب کو قتل کر کے آگے چل پڑتے۔

عصمت کا تحفظ

عورتیں اپنی عزتیں بچانے کیلئے دہلی کے کنوؤں کا رخ کر رہی تھیں اور کتنے ہی کنوئیں ایسے تھے جو عورتوں کی لاشوں سے بھر گئے تھے اور عورتیں پھر بھی کود جاتی تھیں شاید کہ بے عزتی کی زندگی سے بہتر موت میسر آسکے۔ ایسے بھی ہوا کہ شوہروں نے اپنی بیویوں کو اور مردوں نے اپنے گھر کی عورتوں کو اس خوف سے قتل کر دیا کہ ان کی عزتیں محفوظ نہ رہ سکیں گی اور بعد ازاں خود بھی انگریزوں سے لڑ پڑے اور شہید ہو گئے۔

اس المناک داستان کو کہاں تک بیان کیا جائے۔ قارئین اور مصنف دونوں کیلئے یہ ناخوشگوار موضوع ہے۔ القصہ حالت تمام برصغیر میں یہ تھی کہ

؎ زمیں نے خون اگلا آسماں نے آگ برسائی
جب انسانوں کے دن بدلے انسانوں پہ کیا گزری

مصنف فقہائے پاک وہند نے انگریزوں کے اس جوش انتقام کی ایک مختصر مگر جامع تحریر سپرد قلم کی ہے۔ افادیت کے مدنظر اسے یہاں نقل کیا جا رہا ہے۔ [1]

> ستمبر 1857ء کو انگریزوں نے دہلی کو نشانہ ستم بنایا اور پھر اس میں لوٹ مار، قتل وغارت، آتش زنی اور پکڑ دھکڑ کا جو سلسلہ شروع کیا، اس کو الفاظ کا جامہ پہنانا اور قلم کی زبان سے بیان کرنا ممکن نہیں۔ فتح دہلی کے بعد انہوں نے باشندگان شہر پر بالعموم اور مسلمانوں پر بالخصوص جو مظالم ڈھائے اس کی تفصیل کا اظہار انتہائی الم انگیز زہرہ گداز ہے۔ کئی مہینے آتش ستم مشتعل رہی جس میں مسلمانوں کا سرمایہ جان ومال

[1] فقہائے پاک وہند۔ جلد اول، ص 34

اور متاع عزت وآبرو خس وخاشاک کی طرح جل کر خاکستر ہوتے رہے۔ دہلی برصغیر کا وہ شہر ہے جس کو سینکڑوں سال تک دینوی جاہ وجلال کی شاندار بہاریں دیکھنے کے مواقع بھی میسر آئے اور آتش وخون کے خوفناک طوفانوں میں غوطہ زنی بھی کرنا پڑی بہت سے بے رحم فاتحین نے اس کے باشندوں سے انتہائی وحشت ناک سلوک روا رکھا اور اس کے درودیوار پر جور ودہشت کے ہیبت ناک نقوش ثبت کئے لیکن انگریزوں نے اس بلدۂ مظلوم کے ساتھ جو کچھ کیا، وہ ایسا خونچکاں مرقع تھا کہ دہلی کے چرخ نیلگوں نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا، محلوں کے محلے بے آباد کر دیئے گئے، مکان جلا دیئے گئے یا منہدم کر دیئے گئے، اصحاب عزت وجاہ کو شہر سے نکال دیا گیا اور وہ خانہ بدوشوں کی سی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو گئے۔ بہت سے علماو صلحا اور شعرا وفضلا کو یا تو جیلوں میں ڈال دیا گیا، یا قتل کر دیا گیا اور یا پھر شہر بدر کر دیا گیا۔ مستورات کی حالت نہایت تکلیف دہ تھی، جن خواتین نے کبھی گھر سے باہر قدم نہیں رکھا تھا، انہیں بے پردگی کی حالت میں پیادہ پا چلنا پڑا، پاؤں میں چھالے پڑ گئے، ٹانگیں سوج گئیں۔ صحرانوردی اور ایسی مسافت جس کی منزل کا کوئی علم نہیں اور کچھ معلوم نہیں کہ کہاں جانا اور رکنا ہے۔ عصمت وعفت کی حفاظت یہی بڑا مسئلہ تھا، اس کیلئے بے شمار عورتوں نے کنوؤں میں چھلانگیں لگا دیں اور زندگی کا خاتمہ کر لیا۔ پھر ہیضے کی وبا پھوٹ پڑی، بہت سی جانیں اس کی نذر ہو گئیں۔ متعدد عورتیں اس لئے کنوؤں میں کود پڑیں کہ دربدر کی خاک چھاننے سے مرجانا ہی بہتر ہے۔ کئی سال بعد جب کنوئیں صاف کئے گئے تو بہت سے کنوؤں سے عورتوں کی لاشیں نکلیں۔ دور دور تک ہر طرف پناہ گیروں کے قافلے ہی قافلے نظر آتے تھے، جو انجانی منزل کی طرف رواں دواں تھے۔ کوئی خاندان کسی گاؤں میں چلا گیا، کسی نے کسی شہر میں جا کر پناہ لی، کوئی جنگل میں جا بیٹھا، کسی نے کھنڈر میں گھس کر جان بچائی، کسی نے گڑھے میں ڈیرہ جمالیا اور کوئی دور دراز مقام میں جا بسا۔ بہرحال ایک افراتفری کا عالم تھا اور انتہائی اذیت ناک حالات

www.ahnafmedia.com

تھے۔ دہلی میں سناٹا چھا گیا' ہر طرف لاشیں ہی لاشیں دکھائی دیتی تھیں پورا شہر' شہر خموشاں بنا ہوا تھا۔ انگریزی فوج کے گھوڑوں کے سموں کی آواز کے سوا کسی سمت سے کوئی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ چاروں طرف اتنی انسانی لاشیں بکھری پڑی تھیں کہ انہیں کھا کھا کر کتے اور گدھ بھی اکتا گئے تھے

ع جسے دیکھا حاکم وقت نے کہا یہ بھی قابل دار ہے

مسلمانوں کی بربادی

اور

ہندوؤں کی خوش نصیبی

اس ہنگامے میں سب سے زیادہ نقصان مسلمانوں کا ہوا' ان کی بربادی کے بہت سے اسباب تھے۔ بے شمار لوگ مارے گئے' ان کے گھروں کو لوٹا گیا' مال واسباب تباہ ہوا' غربت اور جلاوطنی کی مصیبتیں برداشت کیں' جاگیریں ضبط ہوئی' ریاست چھینیں' پنشنیں ختم ہوئیں' جائیدادیں لٹیں اور معزز لوگ ذلت کی زندگی بسر کرنے لگے۔ اس کے برعکس ہندوؤں کا نقصان یا تو کئی علاقوں میں ہوا یا ہوا تو بہت کم۔ پھر ایک عرصے کے بعد جب دہلی آباد ہونے لگی اور بے گھر لوگ واپس آئے تو مسلمانوں کے جو مکان ضبط ہو کر نیلام ہوئے تھے' وہ ہندوؤں کے قبضے میں چلے گئے ان کو چونکہ مسلمانوں سے بہت پہلے آباد کیا گیا تھا' اس لئے مسلمانوں کا وہ مال جو انگریزوں نے ضبط کر لیا تھا' نیلام ہونے لگا تو ہندوؤں نے خرید لیا اور نہایت سستے داموں خریدا۔ بہت سی حویلیاں ہندوؤں کی ملکیت قرار پائیں' مثلاً کلاں محل' نواب جھجر کی حویلی' مرزا فخرو بخت کی حویلی' شیش محل' نواب منصور خان کی حویلیاں' ان میں سے ایک ایک عمارت ایک ایک محلے کے برابر تھی۔ یہ سب نیلامی میں ہندوؤں نے خرید لیں اور وہ ان پر قابض ہو گئے۔

پھر کاروبار کی بھی سب سے پہلے ہندوؤں کو اجازت دی گئی اور انہوں نے ضرورت مندوں سے خوب پیسے کمائے۔ مسلمانوں کو بعد میں کاروبار کی اجازت ملی۔ عجیب بات یہ ہے کہ وہی مال جو مسلمانوں کا تھا اور ہندوؤں نے نیلامی میں لیا تھا اب یہی مال ہندو دکاندار ضرورت مند مسلمانوں کو بیچنے لگے اور اس میں انہوں نے بے حد منافع کمایا۔ مسلمانوں کا جو مال انگریزی سپاہیوں نے لوٹا تھا' وہ بھی مسلمان خریدنے لگے۔ یعنی اس طرح انہی کا لوٹا ہوا مال' انہی کو دوبارہ قیمتاً خریدنا پڑا' اور اس حالت میں خریدنا پڑا کہ ان میں کوئی مالی سکت نہ رہی تھی اور غربت وافلاس کی زندگی بسر کر رہے تھے۔

یہ تھی برصغیر کی جنگ آزادی جس کے بعد مغلوں کے 331 سالہ دور حکومت کا سورج غروب ہو گیا اور اس کے ساتھ ساتھ حکومت مسلمانوں کے ہاتھوں سے انگریزوں نے چھین لی۔ سلطان ظہیر الدین بابر 1526ء میں یہاں وارد ہوئے تھے اور ان کی نسل کے آخری جانشین بہادر شاہ ظفر نے 1857ء میں انگریزوں سے پناہ مانگ لی اور یوں اس دن سے لیکر آج تک متحدہ ہندوستان پر دوبارہ مسلمانوں کی حکمرانی کا سورج طلوع نہ ہو سکا۔ ان تین سو اکتیس (331) سالوں میں مسلمان بہت نشیب وفراز سے گزرے مگر عنان حکومت کا مالک کوئی اور بن جاتا۔ **ایسا سیاہ دن دیکھنے میں نہ آیا تھا۔**

اللہ تعالیٰ کو مغلوں کو سزا دینا بھی مقصود تھا سرکاری خزانے کا بے دریغ استعمال اور اس قومی دولت کی بنیاد پر عیش وعشرت کی زندگی بسر کرنا وطیرہ بن گیا تھا۔ مسلمان قوم جب اللہ تعالیٰ کے قانون کو پس پشت ڈال دیتی ہے تو پھر اسے اپنے کئے کی سزا ملنا ایک فطری امر ہے۔ جس ملک کے حکمران داد عیش دینے لگ جاتے ہیں وہ اپنے آپ کو اور اپنے عوام کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کا مستحق بنا دیتے ہیں۔ قرآن کریم میں اسی لئے یہ کہا گیا ہے۔

www.ahnafmedia.com

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ۔

5 (بنی اسرائیل آیت 16)

ترجمہ اور جب ہم ارادہ کر لیتے ہیں کہ کسی بستی کو ہلاک کریں گے تو اس بستی کے خوشحال لوگوں کو حکم دیتے ہیں پھر وہ لوگ وہاں شرارت مچاتے ہیں تو ان پر حجت تمام ہو جاتی ہے پھر اس بستی کو تباہ و غارت کر ڈالتے ہیں۔

یہ بات قانون قدرت میں شامل نہیں کہ کسی فرد یا قوم کو اپنے کئے کی سزا فوری طور پر دیدی جائے اسے پورا موقع دیا جاتا ہے کہ وہ سنبھل جائے اور اپنی غفلت و معصیت سے رجوع کرے 'توبہ کے دروازے اس پر کھلے رکھے جاتے ہیں۔ ان کی درگاہ مایوسی کا مقام نہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ تمام جرائم کی فہرستیں بھی قدرت کی نظر میں ہوتی ہیں اور پھر جب غفلت و معصیت اپنی حدود سے تجاوز کرنے لگتی ہے تو گرفت شروع ہو جاتی ہے اور پھر وہ وقت گزر چکا ہوتا ہے جسے مہلت سے تعبیر کرتے ہیں۔

مغلوں کے زوال کے اسباب

مغلوں کے شہزادوں کے محلات سنگ سرخ اور سیم وزر سے مزین کئے جا رہے تھے ' حکومت کے اہلکاروں نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا' عوام کو شاعری اور موسیقی سے فرصت نہ تھی۔ نفس اور جنس کی پرستش وارزانی تھی ' محلاتی سازشیں ہر دن نیا پہلو بدلتی تھیں ' ملک قرضوں پر چل رہا تھا' جہاد ختم ہو گیا تھا' بیگمات کے غسل کے لئے عرق گلاب اور سینکڑوں روپے کے خرچ پر مشتمل عود و عنبر استعمال کیا جاتا تھا آرائش و زیبائش اور بناؤ سنگھار اپنے عروج پر تھا۔ عورتیں شراب اور دیگر مسکرات کا حصول چنداں مشکل نہ تھا۔ نواب واجد علی شاہ اور محمد شاہ رنگیلا جیسے

عیاش حکمران جو اپنے عوام سے خطاب کرتے وقت بھی نشے میں مست رہتے تھے 'اس قوم کے معمار یا تخریب کار تھے۔

علماء دنیا پرستی میں گرفتار تھے 'اہل حق کی کھلے بندوں مخالفت کی جا رہی تھی شاہ ولی اللہ صاحبؒ جیسے مایہ ناز انسان پر ارتداد کا فتویٰ لگا کر انہیں قتل کر دینا کار خیر ٹھہرایا گیا تھا۔ بدعات کے نام پر ایک مستقل دین نبی کریم ﷺ کی شریعت کے مقابلے میں موجود تھا۔ دنیا دار پیروں کی چاندی تھی۔ خانقاہوں میں اگرچہ اہل اللہ نے اس تند و تیز باد صرصر میں اپنے چراغ روشن کر رکھے تھے مگر ان اہل دل سے زیادہ رجوع ان دنیاداروں کی طرف تھا جو شعبدہ بازی کے فن میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ بشارات سنا سنا کر دولت اینٹھی جاتی تھی۔ نذرانوں 'ختموں اور ایصال ثواب (اگرچہ اس کی اصل ثابت ہے) کی ایک مستقل دنیا قائم تھی جس کے ذریعے بے دینی اور شرک و بدعت کی راہیں ہموار کی جا رہی تھیں۔ علماء سو اور پیران شکم پرور عوام کی مذہبی رہنمائی میں مسلم سمجھے جاتے تھے۔ وہ مشائخ کرام رحمھم اللہ جو مردہ دلوں کے دوا تھے جن کی خانقاہیں عشق کی دکانیں تھیں جہاں معرفت کا سودا بکا کرتا تھا آج انہیں کی قبروں کو مجاوروں اور گورکنوں نے اپنا ذریعۂ معاش بنا رکھا تھا۔

غربا نانِ جویں کے محتاج تھے۔ غربت دن بدن بڑھ رہی تھی معاشی حالات روز بروز ابتر ہوتے چلے جا رہے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حکمرانوں سے لیکر عوام تک عمومی فضاء ایسی بن گئی تھی کہ اللہ کا خوف دلوں سے اٹھ گیا تھا' اور جب خوف خدا دل سے رخصت ہو جایا کرتا ہے تو پھر ہر برائی اس دل کو اپنی آماجگاہ بنا لیتی ہے۔ جب قوم کے اطوار اور رنگ ڈھنگ ایسا ہو جائے تو کیا پھر وہ اللہ کے عذاب کی مستحق نہیں ہو جایا کرتی؟ کیا پھر اس کے بعد جو عذاب آیا کرتا ہے وہ اس کے اپنے ہاتھوں کی کمائی نہیں ہوتی؟

www.ahnafmedia.com

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ

(الشوریٰ ۳۰: پارہ ۲۵)

ترجمہ اور جو مصیبت بھی تمہیں پہنچی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کیے سے پہنچتی ہے اور اللہ بہت سے کو درگزر کر دیتا ہے۔

جذبہ جہاد

آیئے ہم ہمت کریں اور اس آئینے میں آج پھر اپنا جائزہ لیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ برائیاں آج پھر ہم میں آجائیں اور ہم ایک مرتبہ پھر اسی نہج پر چل پڑیں جس کا انجام عذاب الٰہی اور شدید گرفت کے علاوہ اور کچھ نہ ہو۔ ان تمام حالات کے باوجود کچھ صاحب دل ایسے تھے جو علامہ اقبال مرحوم کے اس شعر کے صحیح مصداق تھے۔

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش جس کو حق نے دیئے ہیں انداز خسروانہ

انہوں نے آخر دم تک جدوجہد کی اپنی مملکت کے وہ حصے جو غیر ملکیوں کے زیر نگین ہو چکے تھے انہیں آزاد کرانے کی کوشش کی' سعی پیہم ان حضرات کا شعار (MOTO) تھا۔

سلطان اورنگزیب عالمگیرؒ جس پر شکوہ سلطنت کو چھوڑ کر گئے تھے اور خلافت کا جو نظام چل رہا تھا اس کے احیاء کی دوبارہ کوشش کی' دہلی کی سلطنت کو انہوں نے سلطنت ضالہ (گمراہ قیادت) قرار دیکر ان کے خلاف بھی جہاد کی امنگ پیدا کی۔ اللہ کے دین کو حکومتی سطح سے لیکر عام عوام کے گھروں تک ہر سطح پر رائج کرنے کی کوشش کرتے رہے وہ اس حقیقت کو بہت اچھی طرح سمجھ بھی چکے تھے اور حتی المقدور عوام کو باور کرانے کی بھی کوشش کرتے رہے کہ جہاد اس امت کی آبرو ہے۔ مسلمان کی عزت اس فریضے سے قائم ہے اسلام کو ہر دور میں

تازہ خون کی ضرورت رہی ہے اور اس قوم نے اس کی فراہمی میں کبھی بخل سے کام نہیں لیا۔ قوموں کے عروج و زوال کی داستانیں اس مقدس فریضے سے رقم کی جاتی ہیں۔ رضائے الٰہی کے حصول کا یقینی اور بہترین ذریعہ ہے اسی کے ذریعے دنیا امن و آشتی کا گہوارہ بن سکتی ہے اور جب یہ فریضہ غفلت کی نذر ہو جائے تو پھر عزت' ذلت میں اور عروج زوال میں بدل جایا کرتے ہیں

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

جن قربانیوں کا ذکر پچھلے صفحات میں گزر چکا ہے وہ اسی مقصد کیلئے دی گئی تھیں کہ چند حضرات کی قربانی پوری قوم کی طرف سے قبول ہو جائے مگر جب شر خیر پر غالب آ جایا کرتا ہے اور پاکیزگی کی جگہ گندگی کی کثرت ہو جاتی ہے تو پھر فیصلے اجتماعی رجحانات کو دیکھ کر دیئے جاتے ہیں۔

فطرت افراد سے اغماض تو کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

ہم ان جرات مند شہداء کے وارث ہیں جو 1857ء میں شہادت کے رتبے پر فائز ہوئے۔ ہم ان جذبوں کے امین ہیں جن کے تحت انہوں نے آزادی کا یہ شاندار باب رقم کیا۔ اسلام آج بھی ہم سے اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ اسے تمام ادیان باطلہ پر غالب کرنے کی جدوجہد شروع کی جائے۔ اسے ہر سطح پر عملی زندگی میں نمایاں مقام حاصل ہو۔ ان شہداء کا خون منتظر ہے کہ قربانی کے نتائج دیکھ سکے دہلی کی جامع مسجد ان جوتوں کی چاپ سننے کو ترس گئی ہے جو حکمرانہ شان و شوکت سے آکر اس میں سر بسجود ہوتے تھے۔ لال قلعہ اب بھی منتظر ہے کہ اسلام کے عروج کا نظارہ ایک بار پھر ملاحظہ کرے۔ وہ سرزمین آج بھی

www.ahnafmedia.com

مسلمانوں کی راہ تک رہی ہے کہ نیا اور تازہ خون اس کیلئے شہادت کا ایک سنہری باب وا کرے۔ برصغیر کو حسرت ہے کہ اللہ کا دین اس میں حکومت کی سطح پر اپنایا جائے۔ بابری مسجد نوحہ کناں ہے کہ اس کے صحن ہی کے ایک حصے پر رام جنم بھومی مندر کی بنیاد رکھنے کی رسم ادا کی جارہی ہے۔ اس کی آواز بار بار گونجتی ہے کہ رام رام جپنے والے' مندر کے بیٹے بیدار ہیں میرے بیٹے جہاد سے غافل کیوں سو رہے ہیں؟ مسلم کش فسادات میں بہنے والے پاکیزہ خون کا ایک ایک قطرہ پکار رہا ہے کہ جن ظالموں نے ہمیں حق زندگی سے محروم کر دیا کیا ان کا محاسبہ بھی ہوگا؟ صرف مسلم کش فسادات ہی کیا تمام نوع انسانی کے حقوق جب بصورت کفر و شرک پامال کئے جارہے ہوں' اس کفر کی ناؤ کب ڈوبے گی؟

جب حکومت قصر ہائے معدلت ڈھانے لگے
جب غرور اقتدار' اقدار پر چھانے لگے
خسروی آئین جب آگ برسانے لگے
جب حقوق نوع انسانی پہ آنچ آنے لگے

رَن میں در آ بازوئے خیبر شکن سے کام لے
ان مواقع پر حسینی بانک پن سے کام لے

آج بھی اس قوم کو وہ مجاہد درکار ہے جس کے جہاد کا سنگ بنیاد ایمان ہے' عقیدے کی پختگی جسے ثابت قدم رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر مکمل اعتماد اور اس کے رسول ﷺ کے اتباع میں نصرت و کامیابی کو مضمر جانتا ہے اس کی زندگی اتباع سنت کی اس دولت سے مالا مال ہو جسے کوئی بڑے سے بڑا دنیوی مفاد متاثر نہ کر سکے جس کی آنکھیں اس ظاہری زیبائش و آرائش کو دیکھ کر خیرہ نہ ہو جائیں' جس کے مقاصد بہت واضح اور صاف ہوں اور ان کے حصول کیلئے وہ کسی قربانی سے دریغ نہ کریں۔ مصائب و تکالیف اس کے پایہ استقامت میں لغزش نہ پیدا

کر سکیں۔

جہاد آزادی 1857ء کا ہو یا امیر المومنین سید احمد شہید نور اللہ مرقدہ کا دونوں میں جس سیرت و کردار کے مجاہدین نے قربانیاں دی ہیں ایسے مجاہد پھر سے تیار کرنے کی ضرورت ہے ان عزائم کی نشاندہی کرنے کی ضرورت ہے جو ان کامل مجاہدین کے سامنے تھے۔ جب سینے میں بیداری کا طوفان اٹھتا ہے تو پھر منزل کو حاصل کئے بغیر دم نہیں لیتا جب تک جہاد کے فریضے کو از سر نو زندہ نہ کیا جائیگا تب تک ہم ان قوموں میں اپنا شمار نہ کروا سکیں گے جو دنیا میں سربلند کر کے چلتی ہیں۔

آخرت کی کامیابی کا یقینی حصول بھی اسی فریضے کے احیاء میں مضمر ہے رسول کریم ﷺ نے اپنے مختلف ارشادات مبارکہ میں اس کی طرف توجہ دلائی ہے مسلم کی روایت ہے کہ

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من مات و لم یغز ولم یحدث بہ نفسہ مات علی شعبۃ من النفاق۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے کبھی جہاد نہ کیا اور نہ اپنے دل ہی میں جہاد کا ارادہ کیا تو وہ ایک قسم کی منافقت پر مریگا۔

اور ترمذی کی روایت میں آتا ہے کہ

قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من لقی اللہ بغیر اثر من جہاد لقی اللہ و فیہ ثلمۃ

www.ahnafmedia.com

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

جو شخص قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح حاضر ہو گا کہ
اس کے جسم پر جہاد کا کوئی نشان نہ ہو تو وہ ایک عیب کے ساتھ اللہ سے
ملے گا۔

اس لئے جہاد کو زندہ کرنے اور زندہ رکھنے کا عزم ہونا چاہیئے۔ تاکہ منافقت کی زندگی اور موت دونوں سے نجات کا سامان ہو سکے اور روز محشر اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملاقات ہو کہ جہاد نہ کرنے کے عیب سے ہمارے جسم اور ہماری ارواح مبرا ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب 7 ہفتم

زمانہ جنگ کی دعائیں
اور
دعا سے متعلق کچھ حقائق

اس باب کے مطالعہ سے قبل اس حقیقت کا سمجھ لینا انتہائی ضروری ہے کہ

"دعا مانگنا" اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ انسان ظاہری اسباب کو اپنی بساط کی حد تک اختیار نہ کرے اور محض دعاؤں کے بل بوتے پر کام ہو جانے کی توقع لگا لے۔

دعا مانگنے کے ساتھ ساتھ عملی جدوجہد کرنا نہایت ضروری امر ہے رسول ﷺ سے زیادہ کون ہو سکتا تھا جس کی دعا سنی جاتی مگر ان کی تمام حیات طیبہ میں کبھی ایسے نہیں ہوا کہ محض دعا کر کے میدان جنگ میں تشریف لے آئے ہوں اور اسلحہ کا بندوبست یا فکر نہ فرمائی ہو۔

www.ahnafmedia.com

انسان کو چاہئے کہ عالم اسباب کی رعایت کرے اور کسی بھی کام کیلئے جس قدر اسباب و وسائل کے درجے میں وہ کوشش کر سکتا ہے ضرور کرے۔ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہے اور نتیجہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ چھوڑ دے۔ اس طرح دعا کرنے سے برکت ہوتی ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مگر اس کے برعکس کوئی انسان محض دعائیں ہی کرتا رہے اور کام کے اسباب اختیار نہ کرے تو یہ دعا انسان کے لئے برکت کی بجائے مزید بے کاری سستی اور خیالی زندگی بسر کرنے کا سبب بن جاتی ہے ایسی زندگی سراسر شریعت کے خلاف ہے۔

زمانہ جنگ کی دعائیں

اللہ تعالیٰ سے مانگنا اور دعا کرنا' انسان اور خصوصاً مسلمان اس نیکی کا کس قدر ضرورت مند رہتا ہے' محتاج بیان نہیں۔ زمانہ جنگ میں ہر مجاہد کا (جس کی نیت درست اور عمل محض اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہوتا ہے) تعلق اپنے مالک حقیقی سے مزید بڑھ جاتا ہے اور اس کیفیت کو وہ اپنے اندر محسوس بھی کرتا ہے پھر یہی کیفیت اسے بار بار مجبور کرتی ہے کہ وہ اپنے اللہ سے خلوص دل سے مانگے' اس بارگاہ میں اپنے ہاتھ پھیلا دے اور ایسے موقعوں پر ان الفاظ سے دعا کرنا جو قرآن کریم یا احادیث نبوی میں وارد ہوئے ہیں' دعا کی قبولیت کو مزید یقینی بنا دیتا ہے۔ ہم ذیل میں قرآن و حدیث کی چند ایک دعائیں نقل کر رہے ہیں جو عام فہم بھی ہیں اور آسان بھی نبی کریم ﷺ نے دعا کو مومن کا اسلحہ بھی ارشاد فرمایا ہے اس لئے ہم جب دنیوی

سازو سامان اور اسلحہ سے لیس ہونے کی جدوجہد کر رہے ہیں تو اس خاص اسلحہ سے کیوں محروم رہیں؟ انہیں یاد کر لیجئے ان میں سے بعض دعائیں تو ایسی ہیں جو خاص میدان جنگ ہی سے تعلق رکھتی ہیں اور بعض ایسی ہیں جو جنگ کے علاوہ زندگی کے کسی بھی کٹھن مرحلے پر آپ کو کام دیں گی۔

دعا سے ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے اور ہر بگڑا ہوا کام بنتا ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ مصیبتیں اور پریشانیاں جو تمہیں پہنچی ہیں دعا ان میں بھی نفع دیتی ہے اور جو پریشانیاں ابھی تمہیں آئی ہی نہیں (لیکن ان کا خطرہ اور اندیشہ ہے) ان میں بھی نفع دیتی ہے (یعنی انہیں ٹال دیتی ہے) سو اے خدا کے بندو ضرور دعا کرتے رہا کرو [1]

اس لئے زندگی کے ہر ہر کٹھن مرحلے پر خواہ وہ آگیا ہو یا اس کے آنے کا خوف اور اندیشہ ہو دعا کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہئے۔

سب سے افضل درود شریف

دعا کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور رسول ﷺ پر درود شریف بھیجنے سے کرنا چاہئے۔ پھر درمیان میں بھی اور دعا کے آخر پر بھی رسول اللہ ﷺ پر خاص اہتمام سے درود شریف بھیجنا چاہئے دعا کی قبولیت میں اس طریقے کو ایک خاص دخل ہے حضرت عمرؓ سے روایت ہے [2] کہ وہ فرماتے تھے جب تک دعا میں نبی

---

[1] جامع ترمذی
[2] جامع ترمذی

www.ahnafmedia.com

کریم ﷺ پر درود شریف نہ پڑھا جائے وہ زمین و آسمان کے درمیان ہی رکی رہتی ہے۔ ـــــ یقیناً یہ بات حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوگی اس لئے یہ صحیح اور مرفوع حدیث کے حکم میں ہے "حصن حصین" میں شیخ ابو سلیمان درانی کی ایک بہت عمدہ بات نقل کی گئی ہے کہ وہ فرماتے تھے بندے کو چاہئے دعا کے آغاز اور اختتام پر نبی کریم ﷺ پر ضرور درود شریف بھیجے کیونکہ درود شریف ایسی دعا ہے جو اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرمالیتے ہیں تو اس کریم ذات سے یہ توقع کیسے کی جا سکتی ہے کہ وہ دعا کا اول و آخر تو قبول فرمالے اور درمیانی حصے کو چھوڑ دے۔

اس لئے درود شریف ہی سے ہم ان دعاؤں کا آغاز کر رہے ہیں درود شریف کے کلمات خاصہ اور ان کی شرح میں علماء نے مستقل کتابیں تحریر فرمائی ہیں۔ یہاں ان تفصیلات کا نہ موقع ہے نہ ضرورت مگر درود و شریف کے وہ کلمات جو ہم ہر نماز کے آخر پر پڑھتے ہیں' بلاشبہ بہت مبارک اور مستند ہیں انہیں ہی دعا میں پڑھ لیا جائے یا پھر مندرجہ ذیل درود شریف پڑھ لیا جائے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَاَزْوَاجِهٖ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَذُرِّيَّتِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (سنن ابی داؤد)۔

اے اللہ اپنی خاص نوازش اور عنایت و رحمت فرمانبی امی حضرت محمد پر اور ان کی ازواج مطہرات امہات المومنین پر اور ان کے سب گھر والوں پر' تو ہر حمد و ستائش کا مستحق ہے اور عظمت و کبریائی تیری ہی صفت ہے۔

یہ الفاظ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں آئے ہیں اور مکمل حدیث یہ ہے[1] رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کو اس بات سے خوشی ہو اور وہ چاہے کہ مجھ پر اور میرے گھر والوں پر درود بھیج کر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں زیادہ سے زیادہ اور بھرپور طریقے پر حاصل کرلے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں یوں عرض کیا کرے اور اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مندرجہ بالا الفاظ تلقین فرمائے۔ درود شریف کے ان کلمات کے متعلق چونکہ اس حدیث میں بھرپور رحمت اور اجر و ثواب کے الفاظ ارشاد فرمائے گئے ہیں اس لئے بعض علماء و محدثین کا خیال یہ ہے کہ یہ درود و شریف سب سے زیادہ افضل ہے نماز میں تو وہی پڑھا جائے جو عام طور سے ہمارے ہاں رائج ہے لیکن نماز سے باہر کے اوقات میں ان الفاظ سے درود بھیجنا سب سے زیادہ افضل ہے ہم نے بھی اسی لئے ان الفاظ کو یہاں نقل کیا ہے۔

درود شریف کے وہ کلمات جو فقیہ الامۃ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمائے۔

سنن ابن ماجہ کی روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے شاگردوں سے فرماتے تھے جب تم رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجو تو بہترین بہتر الفاظ کا انتخاب کرو تمہیں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ تمہارا درود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا جائے گا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت آپ ہمیں تلقین فرمادیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجتے وقت کون سے الفاظ پڑھا کریں۔ اس سوال کے جواب میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جو اس امت کے فقیہ تھے' فرمایا اللہ تعالیٰ کے حضور میں یوں عرض کیا کرو۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَرَحْمَتِكَ وَبَرَكَاتِكَ عَلٰى سَيِّدِ

[1] ابو داؤد

www.ahnafmedia.com

الْمُرْسَلِيْنَ وَاِمَامِ الْمُتَّقِيْنَ وَخَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ مُحَمَّدٍ
عَبْدِكَ وَ رَسُوْلِكَ اِمَامِ الْخَيْرِ وَقَائِدِ الْخَيْرِ وَرَسُوْلِ
الرَّحْمَةِ اَللّٰهُمَّ ابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا يَّغْبِطُ بِهِ الْاَوَّلُوْنَ
وَالْاٰخِرُوْنَ. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ
مَّجِيْدٌ - اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا
بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ. اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

(رواہ ابن ماجہ)

اے اللہ اپنی خاص عنایات اور رحمتیں اور برکتیں نازل فرما سید المرسلین' امام المتقین' خاتم النبیین حضرت محمد پر جو تیرے خاص بندے اور رسول ہیں' نیکی اور بھلائی کے راستہ کے امام اور راہنما ہیں' رحمت والے پیغمبر ہیں (یعنی جن کا وجود ساری دنیا کے لئے باعث رحمت ہے) - اے اللہ ان کو اس "مقام محمود" پر فائز فرما جو اولین اور آخرین کے لئے قابل رشک ہو- اے اللہ حضرت محمد اور آل محمد پر اپنی خاص نوازشیں اور عنایتیں فرما جس طرح کہ تو نے حضرت ابراہیم اور آل ابراہیم پر عنایتیں اور نوازشیں فرمائیں' اور حضرت محمد و آل محمد پر اپنی خاص برکتیں نازل فرما جس طرح کہ تو نے حضرت ابراہیم و آل ابراہیم پر برکتیں نازل فرمائیں- تیری ذات ہر حمد و ستائش کی سزاوار ہے اور عظمت و کبریائی تیری صفت ہے- (سنن ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تلقین فرمودہ یہ کلمات بھی بہت عمدہ اور بابرکت ہیں- ان کے آخر پر درود شریف کے وہ کلمات بھی شامل ہیں جو ہمارے ان دیار میں "درود ابراہیمی" کے نام سے مشہور ہیں- اور ان سے پہلے حضرت ابن

مسعودؓ نے جو کلمات ارشاد فرمائے ہیں- انہیں دل کی گہرائیوں سے ادا کرنا چاہئے کہ کسی بھی ادنیٰ امتی کی طرف سے اپنے رسول ﷺ کی خدمت عالیہ میں پیش کرنے کیلئے بہترین الفاظ ہیں جن کے ذریعے وہ اپنی محبت اور عقیدت کا اظہار کر سکتا ہے-

حضرت علیؓ رسول اللہ ﷺ پر کیسے درود بھیجتے تھے؟

قاضی عیاضؒ نے سیرت نبوی ﷺ پر اپنی مشہور و مقبول کتاب "الشفار" میں نقل کیا ہے کہ حضرت علیؓ رسول اللہ ﷺ پر درود شریف بھیجنے سے قبل قرآن کریم کی وہ مشہور آیت کریمہ جس میں درود و سلام بھیجنے کا حکم دیا گیا ہے پڑھتے تھے اور پھر فرماتے تھے کہ اے میرے اللہ میں آپ کے اس فرمان کو پورا کرنے کیلئے دل و جان سے حاضر ہوں اور عرض کرتا ہوں-

صَلَوَاتُ اللّٰهِ الْبَرِّ الرَّحِيْمِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ
وَالشُّهَدَآءِ وَالصَّالِحِيْنَ وَمَا سَبَّحَ لَكَ مِنْ شَيْءٍ يَا رَبِّ
الْعٰلَمِيْنَ عَلٰى مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ وَ
سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَاِمَامِ الْمُتَّقِيْنَ وَرَسُوْلِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ
الشَّاهِدِ الْبَشِيْرِ الدَّاعِيْ اِلَيْكَ بِاِذْنِكَ السِّرَاجِ الْمُنِيْرِ
وَعَلَيْهِ السَّلَامُ -

اس خداوند تعالیٰ کی طرف سے جو بڑا احسان فرمانے والا اور نہایت مہربان ہے' خاص نوازشیں اور عنایتیں ہوں اور اس کے ملائکہ' مقربین اور انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین کی اور اس ساری مخلوقات کی جو اللہ کی تسبیح و حمد کرتی ہے بہترین دعائیں اور نیک تمنائیں ہوں حضرت محمد بن عبداللہ کے جو خاتم النبیین' سید المرسلین' امام المتقین اور رسول رب العالمین ہیں' جو اللہ کی طرف سے شہادت ادا کرنے والے ہیں' اللہ کے فرمانبردار بندوں کو رحمت و جنت کی بشارت سنانے والے اور مجرموں نافرمانوں کو برے انجام سے اور اللہ

www.ahnafmedia.com

کے عذاب سے آگاہی دینے والے ہیں' جو تیرے بندوں کو تیرے حکم
سے تیری طرف دعوت دیتے ہیں اور تیرے ہی روشن کئے ہوئے
چراغ ہیں' اور ان پر سلام ہو۔

درود شریف کے یہ کلمات حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگردوں کو تعلیم فرمائے تھے اور علامہ قسطلانی رحمتہ اللہ علیہ نے زرقانی شرح مواہب میں نقل کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی نماز جنازہ میں بھی یہی درود شریف پڑھا تھا [1] یہ تینوں درود شریف نہایت اعلیٰ اور ارفع ہیں۔ بہت ہی پایہ کے کلمات ہیں جنہیں دعا میں اور اس کے علاوہ بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ کتنے مبارک اور خوش قسمت ہیں وہ افراد جن کا روزانہ سینکڑوں یا ہزاروں بار درود شریف کے پڑھنے کا معمول ہے۔ بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو آدمی میری قبر کے پاس مجھ پر درود بھیجے گا (یا سلام عرض کرے گا) وہ میں خود سنوں گا اور جو کہیں دور سے بھیجے گا تو وہ مجھے پہنچایا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کے فرشتے اس کام پر مقرر ہیں کہ دُور سے درود شریف پڑھنے والوں کے درود کو رسول اللہ ﷺ تک پہنچائیں [2] اس لئے کثرت

[1] ہمارے ہاں جو بات مشہور ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی تھی' درست نہیں ہے رسول اللہ ﷺ پر حقیقی اعتبار سے نماز جنازہ پڑھی گئی تھی محض دعا پر اکتفا نہیں کیا گیا تھا صحابہ کرامؓ حجرہ مبارکہ میں داخل ہوتے تھے تکبیر کہتے تھے دعا کرتے تھے' درود شریف پڑھتے تھے اور باہر آجاتے تھے۔ جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ نے اس کی وضاحت فرمائی تھی۔ البتہ یہ نماز بغیر امام کے ہوتی تھی ہر فرد اپنے طور پر پڑھتا تھا۔ امام نہ ہونے کی وجہ حضرت علیؓ نے یہ ارشاد فرمائی تھی کہ رسول اللہ ﷺ اپنی حیات طیبہ کی طرح وفات کے بعد بھی امام ہیں۔ یہ تمام تفصیلات شمائل ترمذی اور زرقانی شرح مواہب جلد 8 میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

[2] لیکن جو حضرات قبر مبارک پر جا کر صلوۃ وسلام پیش کرتے ہیں ان کا معاملہ ایسے نہیں ہے وہاں کے درود وسلام کو جناب رسول اللہ ﷺ براہ راست سنتے ہیں ان کے سننے کی کیفیت کیا ہے؟ فقہاء اور محدثین نے اپنی کتابوں میں اس مسئلے پر تفصیلی مباحث لکھی ہیں جنہیں وہاں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے لیکن احتیاط کا تقاضا ایک عام آدمی کیلئے یہی ہے کہ اس کیفیت کی بحث میں نہ الجھے۔

سے درود شریف پڑھنا چاہئے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے "القول الجمیل" میں لکھا ہے کہ میرے والد ماجد مجھے یہ نصیحت کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ پر کثرت سے درود بھیجتے رہو کیونکہ دین و دنیا میں جو کچھ بھی ہمیں ملا ہے رسول اللہ ﷺ پر کثرت سے درود و شریف پڑھنے سے ملا ہے۔

اسماء حسنیٰ

اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کے ذریعے سے دعا کرنا اہل اللہ کے خاص معمولات میں سے رہا ہے اور علماء امت نے ان اسماء کی شرح میں مستقل کتابیں تحریر کی ہیں ان اسماء مبارکہ کا ورد کرنا اور ان کے ذریعے دعا کی قبولیت کا تجربہ بہت سے اہل علم و عمل نے کیا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جس شخص نے انہیں یاد کیا اور پھر اس یاد کرنے کو محفوظ رکھا وہ جنت میں جائے گا۔ [1]

اس لئے اللہ تعالیٰ کے ان ناموں کو بھی یاد کر لینا چاہئے تاکہ اس کی بندگی اور اپنے عجز و نیاز کا ہر لحہ احساس رہے۔ اس بشارت کا حصول بھی ہو سکے جو ان اسماء حسنیٰ کے یاد رکھنے پر رسول اللہ ﷺ نے دی ہے اور جب بھی کوئی مشکل کام پیش آجائے تو ان کا ورد کیا جا سکے اور ان کے ذریعے دعا کی قبولیت مزید متوقع ہو جائے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے صحیح بخاری کی مشہور شرح فتح الباری میں اللہ تعالیٰ کے یہ ننانوے (99) نام قرآن مجید سے الگ کئے ہیں۔ ان ناموں کو چونکہ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کریم میں اپنے لئے ارشاد فرمایا ہے اس لئے وہ فہرست قابل ترجیح ہے اور ان اسماء حسنیٰ کو وہیں سے (بغیر کسی ترمیم و اضافے کے) نقل کیا جا رہا ہے۔ [2]

[1] رواہ الترمذی ج2 کتاب الدعوات۔

[2] ج26' ص83 ان اسماء حسنیٰ کا اگر کوئی ورد کرنا چاہے یا انہیں یاد کرنا مقصود ہو تو اس کے تین طریقے یہ ہو

www.pdfbooksfree.pk

اللہ

اَللّٰہُ اَلرَّحْمٰنُ اَلرَّحِیْمُ اَلْمَلِکُ اَلْقُدُّوْسُ اَلسَّلَامُ
اَلْمُؤْمِنُ اَلْمُهَیْمِنُ اَلْعَزِیْزُ اَلْجَبَّارُ اَلْمُتَکَبِّرُ اَلْخَالِقُ
اَلْبَارِیُ اَلْمُصَوِّرُ اَلْغَفَّارُ اَلْقَهَّارُ اَلتَّوَّابُ اَلْوَهَّابُ
اَلْخَلَّاقُ اَلرَّزَّاقُ اَلْفَتَّاحُ اَلْعَلِیْمُ اَلْحَلِیْمُ اَلْعَظِیْمُ
اَلْوَاسِعُ اَلْحَکِیْمُ اَلْحَیُّ اَلْقَیُّوْمُ اَلسَّمِیْعُ اَلْبَصِیْرُ
اَللَّطِیْفُ اَلْخَبِیْرُ اَلْعَلِیُّ اَلْکَبِیْرُ اَلْمُحِیْطُ اَلْقَدِیْرُ
اَلْمَوْلٰی اَلنَّصِیْرُ اَلْکَرِیْمُ اَلرَّقِیْبُ اَلْقَرِیْبُ اَلْمُجِیْبُ
اَلْوَکِیْلُ اَلْحَسِیْبُ اَلْحَفِیْظُ اَلْمُقِیْتُ اَلْوَدُوْدُ اَلْمَجِیْدُ
اَلْوَارِثُ اَلشَّهِیْدُ اَلْوَلِیُّ اَلْحَمِیْدُ اَلْحَقُّ اَلْمُبِیْنُ
اَلْقَوِیُّ اَلْمَتِیْنُ اَلْغَنِیُّ اَلْمَالِکُ اَلشَّدِیْدُ اَلْقَادِرُ
اَلْمُقْتَدِرُ اَلْقَاهِرُ اَلْکَافِیْ اَلشَّاکِرُ اَلْمُسْتَعَانُ اَلْفَاطِرُ
اَلْبَدِیْعُ اَلْغَافِرُ اَلْاَوَّلُ اَلْاٰخِرُ اَلظَّاهِرُ اَلْبَاطِنُ
اَلْکَفِیْلُ اَلْغَالِبُ اَلْحَکَمُ اَلْعَالِمُ اَلرَّفِیْعُ اَلْحَافِظُ

سکتے ہیں ایک تو یہ کہ ان ناموں کے آغاز میں ان الفاظ کا اضافہ کر لیا جائے هُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ اور اس کے بعد تمام اسماء حسنیٰ پڑھ لئے جائیں۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ہر نام کے آغاز کا "ال" ختم کر کے لفظ "یا" کا اضافہ کر کے باقی نام پڑھ لیا جائے جیسے «یَا اَللّٰہُ یَا رَحْمٰنُ یَا رَحِیْمُ یَا مَلِکُ یَا قُدُّوْسُ» آخری نام تک۔ اور تیسرا طریقہ یہ ہے کہ انہیں سادہ طریقے پر پڑھا جائے جیسے «اَللّٰہُ اَلرَّحْمٰنُ اَلرَّحِیْمُ اَلْمَلِکُ» آخری نام تک یونہی ورد کر لیا جائے۔

اَلْمُنْتَقِمُ اَلْقَائِمُ اَلْمُحْیِیْ اَلْجَامِعُ اَلْمَلِیْکُ اَلْمُتَعَالُ
اَلنُّوْرُ اَلْهَادِیْ اَلْغَفُوْرُ اَلشَّکُوْرُ اَلْعَفُوُّ اَلرَّؤُفُ
اَلْاَکْرَمُ اَلْاَعْلٰی اَلْبَرُّ اَلْحَفِیُّ اَلرَّبُّ اَلْاِلٰهُ
اَلْوَاحِدُ اَلْاَحَدُ اَلصَّمَدُ اَلَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ
وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ ۝

اسم اعظم

اللہ تعالیٰ کے بعض نام دوسرے ناموں سے افضل ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام "اللہ" باقی تمام صفاتی ناموں سے افضل ہے اور صفاتی ناموں میں سے بھی "الرحمٰن" کو بقیہ صفاتی ناموں پر فضیلت حاصل ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے بعض ناموں کا مجموعہ اسم اعظم ہے مگر ان ناموں کے مجموعے کو بالکل واضح طور پر بیان نہیں کیا گیا جس طرح "لیلۃ القدر" کو چھپا دیا گیا ہے تاکہ لوگ زیادہ محنت کریں اور اللہ تعالیٰ کے اس فضل کو تلاش کریں اسی طرح اسم اعظم کے اس مجموعے کو بھی کسی حد تک پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ متعدد احادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ ایسا مجموعہ ہے کہ اس کے ذریعے جب دعا کی جائے تو قبول ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو جب ان اسماء مبارکہ کے ذریعے سے پکارا جائے تو رحمت باری تعالیٰ جلد متوجہ ہوتی ہے (اس سلسلے کی تین احادیث آگے آ رہی ہیں) مگر یہ بات جو عوام میں مشہور ہے کہ "اسم اعظم" اللہ تعالیٰ کا ایک ہی نام ہے اور وہ بھی ولایت الٰہی میں جب کوئی آدمی کسی خاص مقام پر پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے آگاہ فرماتے ہیں اور اس طرح کی متعدد باتیں اور حکایات بالکل بے اصل ہیں اور ایسا جھوٹ ہے جس کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں۔

www.ahnafmedia.com

حضرت اقدس شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں "اسم اعظم" پر بحث کی ہے اور انہوں نے بھی ان احادیث سے یہی سمجھا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کوئی ایک خاص نام نہیں ہے بلکہ متعدد اسماء کا مجموعہ ہے۔

احادیث میں "اسم اعظم" جس کے ذریعے سے دعا قبول ہوتی ہے اور اس "اسم اعظم" کے وسیلے سے مانگا جائے تو اللہ تعالیٰ عطا فرما دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے متعدد اسماء کے مجموعے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں پہلی حدیث حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعا مانگ رہا تھا۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِاَنَّکَ اَنْتَ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ

اے اللہ! میں اپنی حاجت تجھ سے مانگتا ہوں بوسیلہ اس کے کہ بس تو اللہ ہے، تیرے سوا کوئی مالک و معبود نہیں ایک اور یکتا ہے بالکل بے نیاز ہے اور سب تیرے محتاج ہیں، نہ کوئی تیری اولاد نہ تو کسی کی اولاد اور نہ تیرا کوئی ہمسر،

اس جملے کو سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس بندے نے اللہ تعالیٰ سے اس کے اسم اعظم کے وسیلے سے دعا کی ہے اور جب اس سے اس وسیلے کے ذریعے سے مانگا جائے تو وہ عطا فرما دیتے ہیں اور جب ان کلمات کے ذریعے سے دعا کی جائے تو وہ قبول فرما لیتے ہیں۔

اس حدیث سے ایک تو یہ بات معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کا "اسم اعظم" متعدد ناموں کا مجموعہ ہے اور دوسرے یہ کہ اس مبارک جملے کو یاد کر کے اس کے ذریعے دعا کرنی چاہئے تاکہ قبولیت کے آثار بڑھ جائیں۔

دوسری حدیث اس سلسلے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارکہ میں حاضر تھا اور ایک بندہ وہاں نماز پڑھ کر دعا مانگنے لگا اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں یوں عرض کیا۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِاَنَّ لَکَ الْحَمْدُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ الْحَنَّانُ الْمَنَّانُ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ اَسْئَلُکَ۔

اے اللہ میں تجھ سے اپنی حاجت مانگتا ہوں بوسیلہ اس کے کہ ساری حمد و ستائش تیرے ہی لئے سزاوار ہے کوئی معبود نہیں تیرے سوا۔ تو نہایت مہربان اور بڑا محسن ہے۔ زمین و آسمان کا پیدا فرمانے والا ہے۔ میں تجھ ہی سے مانگتا ہوں اے ذوالجلال والاکرام۔ اے حی و قیوم۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جملے کو سن رہے تھے پھر آپ نے فرمایا اس بندے نے اللہ تعالیٰ کے اس اسم اعظم کے وسیلے سے دعا کی ہے کہ جب اس واسطے سے اللہ تعالیٰ سے مانگا جائے تو وہ عطا فرما دیتے ہیں اور جب دعا اس طرح کی جائے تو قبول کر لی جاتی ہے۔

اس جملے کو بھی اپنی دعاؤں میں شامل کر لینا چاہئے اور اس حدیث شریف سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے متعدد اسماء حسنیٰ کے مجموعے پر "اسم اعظم" کا اطلاق فرمایا گیا ہے۔

قرآن کریم کی آیات اور دعائیں

سورہ بقرہ کی آخری دو آیات

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ قف لَا نُفَرِّقُ

www.pdfbooksfree.pk

بَيْنَ اَحَدٍ . مِّنْ رُّسُلِهٖ قف وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا قف
غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا
وُسْعَهَا ط لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ط رَبَّنَا لَا
تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ج رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ
اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ج رَبَّنَا وَلَا
تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ج وَاعْفُ عَنَّا وقف وَاغْفِرْ لَنَا وَ
ارْحَمْنَا وقف اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝

رسول ﷺ اس ہدایت پر ایمان لایا ہے جو اس کے رب کی طرف سے اس پر نازل ہوئی ہے۔ اور جو لوگ اس رسول ﷺ کے ماننے والے ہیں' انہوں نے بھی اس ہدایت کو دل سے تسلیم کر لیا ہے یہ سب اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کو مانتے ہیں اور ان کا قول یہ ہے کہ "ہم اللہ کے رسولوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کرتے ہم نے حکم سنا اور اطاعت قبول کی مالک! ہم تجھ سے خطاب بخشی کے طالب ہیں اور ہمیں تیری ہی طرف پلٹنا ہے۔ اللہ کسی متنفس پر اس کی مقدرت سے بڑھ کر ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالتا۔ ہر شخص نے جو نیکی کمائی ہے اس کا پھل اسی کے لئے ہے اور جو بدی سمیٹی ہے اس کا وبال اسی پر ہے (ایمان لانے والو! تم یوں دعا کیا کرو اے ہمارے رب! ہم سے بھول چوک میں جو قصور ہو جائیں ان پر گرفت نہ کر۔ مالک! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال' جو تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالے تھے۔ پروردگار! جس بار کو اٹھانے کی طاقت ہم میں نہیں ہے' وہ ہم پر نہ رکھ ہمارے ساتھ نرمی کر' ہم سے درگزر فرما' ہم پر رحم کر' تو ہمارا مولیٰ ہے' کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد کر۔

ان دو آیات کے آخر پر یہ دعا تلقین کی گئی ہے کہ اے اللہ کافروں کے

مقابلے میں ہماری مدد فرما' اللہ تعالیٰ سے خاص اہتمام کے ساتھ یہ دعا بھی مانگتے رہنا چاہئے۔ کفر کے مقابلے میں ہر میدان میں اسلام غالب رہے یہ ہر مومن کی دعا اور تمنا ہونی چاہئے۔

ان دو آیات میں غلبہ بمقابلہ کفار کی دعا کے علاوہ بھی متعدد فوائد اور فضائل ہیں۔ حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن آیات کے متعلق متمنی تھے کہ وہ آپکے امتی یاد کرنے میں کوتاہی نہ کریں اس فہرست میں یہ دو آیات بھی شامل ہیں۔ حضرت ابفع بن عبدالکلاعی رحمتہ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اللہ کے رسول قرآن کریم میں سب سے زیادہ عظیم سورت کون سی ہے تو آپ نے فرمایا "قل ھو اللہ" انہوں نے پھر پوچھا سب سے زیادہ عظیم آیت کون سی ہے؟ تو آپ نے فرمایا "آیۃ الکرسی" پھر انہوں نے پوچھا اللہ کے رسول قرآن کریم میں کون سی آیت ایسی ہے کہ جسکے بارے میں خاص طور سے آپ چاہتے ہوں کہ اس آیت کا فائدہ اور اسکی برکات آپکو اور آپکی امت کو پہنچیں؟

آپ نے فرمایا سورہ بقرۃ کی آخری آئتیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے۔ یہ آیتیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ان خاص الخاص خزانوں میں سے ہیں جو اس کے عرش عظیم کے نیچے ہیں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات رحمت اس امت کو عطا فرمائی ہیں اور یہ آیات دنیا اور آخرت کی ہر بھلائی اور ہر خیر کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات اللہ تعالیٰ کی رحمت کا خزانہ ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ ان کی برکات امت مرحومہ کو نصیب ہوں اس لئے خاص اہتمام سے ان کی طرف توجہ دلائی۔ مسند دارمی ہی کی ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ

www.toobaa-elibrary.blogspot.com

نے سورہ بقرہ کو ایسی دو آیات پر ختم فرمایا ہے جو اس نے اپنے اس خاص خزانے سے مجھے عطا فرمائی ہیں جو خزانہ اسکے عرش عظیم کے نیچے ہے تم لوگ ان آیات کو سیکھو اور اپنی خواتین کو یہ آیات سکھاؤ کیونکہ یہ آیات اللہ تعالیٰ کی رحمت ہیں ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے اور یہ بہت جامع دعا ہے۔

اس روایت میں خواتین کو بھی یہ آیات سکھلانے کا حکم دیا گیا ہے۔ تاکہ اس امت کا ہر طبقہ ان برکات سے فائدہ اٹھائے۔ ان آیات میں ایمان اور صحیح عقائد کی تلقین کی گئی ہے۔ اطاعت اور فرمابرداری میں جو کوتاہی ہوگئی اس پر معافی چاہنے کا ڈھنگ سکھایا گیا ہے۔ لغزشوں کی مغفرت کی استدعا ہے اور کفر جو تمام برائیوں اور ہر قسم کے شر کا اصل ہے اس پر اور اسکے چاہنے والوں پر غلبہ کی درخواست کی گئی ہے۔

یہ تمام باتیں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کو متوجہ کرنے والی اور اپنے اندر رحمتوں کے خزانے پنہاں کئے ہوئے ہیں۔ اسی وجہ سے صحیح بخاری میں حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ان دو آیات کو رات کو پڑھ لے گا وہ اس کیلئے کافی ہو جائیں گی۔ یعنی وہ تمام رات شر سے محفوظ رہے گا یا یہ کہ ان کی تلاوت رات بھر کی عبادت کے ہم پلہ ہو جائے گی۔

ہمیں چاہئے کہ ان آیات کے ورد کو اپنا معمول بنالیں۔ میدان جنگ میں جانے سے پہلے، وہاں پہنچ کر، اپنی دعاؤں میں، اور روزانہ رات کو سونے سے پہلے ان آیات کو پڑھنے کا اپنے آپکو پابند کرلیں تاکہ وہ برکتیں، رحمتیں اور سعادتیں جو ان میں پوشیدہ ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم گنہگاروں کیلئے جنکے متمنی تھے، تمام کی تمام ہمیں نصیب ہوں۔

سورۃ المومنون کی آخری آیات

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ۝ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ۝ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ۝

(پارہ:۱۸، سورۃ المومنون آیت:۱۱۰)

کیا تم نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ ہم نے تمہیں فضول ہی پیدا کیا ہے اور تمہیں ہماری طرف کبھی پلٹنا ہی نہیں ہے! پس بالا و برتر ہے اللہ بادشاہ حقیقی کوئی خدا اس کے سوا نہیں، مالک ہے عرش بزرگ کا اور جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو پکارے، جس کے لئے اس کے پاس کوئی دلیل نہیں، تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے۔ ایسے کافر کبھی فلاح نہیں پاسکتے۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہو! میرے رب درگذر فرما، اور رحم کر، اور تو سب رحیموں سے اچھا رحیم ہے"۔

محمد بن ابراہیم بن الحارث اپنے والد رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک مرتبہ جہاد کیلئے رخصت فرمایا تو ہم فوج والوں کو حکم دیا کہ ہم صبح و شام یہ آیات تلاوت کرتے رہیں۔ ہم نے اس حکم کی پابندی کی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح دی۔ غنیمت کا مال بھی ہم نے اکھٹا کیا اور سلامتی سے مدینہ منورہ واپس پہنچ گئے۔ [1]

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب جہاد کیلئے محاذ کی طرف جانا ہو تو راستے میں وہاں پہنچ کر اور دوران قیام صبح و شام ان آیات کریمہ کا ورد کرتے رہنا

[1] تفسیر ابن کثیر ج 3، ص 259

www.pbaafoundation.com

چاہئے۔ ان آیات میں انسان اپنے گناہوں کا اعتراف کر کے اپنے مالک سے بخشش کا خواہاں ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ کافروں کے مقابلے میں اسکا یقین مزید پختہ ہوتا چلا جاتا ہے کہ کافر کامیاب نہیں ہوں گے۔

حضرت طالوت رضی اللہ عنہ کی دعا

رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝

(پارہ.....2 'سورۃ البقرہ' آیت.....250)

اے ہمارے رب! ہم پر صبر کا فیضان کر' ہمارے قدم جمادے اور اس کافر گروہ پر ہمیں فتح نصیب کر۔"

حضرت طالوت رضی اللہ عنہ کا مقابلہ جالوت سے ہوا اور یہ واقعہ حضرت داؤد علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانے کا ہے۔ دوسرے پارے کے آخر پر اللہ تعالیٰ نے اسے تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ قرآن کریم میں اس جہاد کے موقع پر حضرت طالوت رضی اللہ عنہ کی فوج کی کمی اور اسباب و وسائل کی قلت کا تذکرہ بھی ہے اور جالوت کے لشکر کا ساز و سامان سے آراستہ و پیراستہ ہونا اور افرادی قوت کے اعتبار سے کثرت کا ذکر بھی لیکن جس اہم نکتے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اصل معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد اور نصرت کا شامل حال ہونا تھا۔ کتنے ہی چھوٹے چھوٹے گروہ بڑے بڑے لشکروں پر اللہ تعالیٰ کی مدد سے غالب آجاتے ہیں۔ جب جالوت اپنے ساز و سامان پر نازاں حضرت طالوت رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں آیا تو اس موقع پر اہل ایمان نے اللہ تعالیٰ سے جن الفاظ کے ذریعے مدد مانگی وہ یہاں پر ذکر کئے گئے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دعا

حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ۝

(پارہ.....4 سورۃ آل عمران' آیت.....173)

ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔

یہ اس دعا کے الفاظ ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے غزوہ احد کے بعد کی تھی۔ مسلمان مدینہ منورہ جب واپس لوٹے تو کفار مکہ کے کچھ خیر خواہوں نے یہ افواہ اڑادی کہ کفار مکہ' صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مقابلے کیلئے پھر سے جمع ہو رہے ہیں اور اس افواہ کا مقصد یہ تھا کہ انکے جمع ہونے کی خبر سن کر یہ حضرات ڈر جائیں گے۔ مگر ان میں جذبہ جہاد اور شوق شہادت موجزن تھا۔ اس خبر کو سن کر اللہ تعالیٰ پر یقین کی کیفیت اور اسکے راستے میں جان دینے کی تمنا مزید بڑھ گئی اور یہ حضرات رضی اللہ تعالیٰ عنہم یہ جملہ فرمانے لگے۔ جو اللہ تعالیٰ نے سورہ ال عمران میں نازل فرمایا ہے

حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کی دعا

رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ

(پارہ28' سورۃ الممتحنۃ آیت 1.....5)

"اے ہمارے رب تیرے ہی اوپر ہم نے بھروسا کیا اور تیری ہی طرف ہم نے رجوع کر لیا اور تیرے ہی حضور ہمیں پلٹنا ہے۔ اے ہمارے رب ہمیں کافروں کے لئے فتنہ نہ بنادے اور اے ہمارے رب ہمارے قصوروں سے درگزر فرما بے شک تو ہی زبردست اور دانا ہے"

حضرت سیدنا ابراہیم علیہ وعلی نبینا الصلوۃ والسلام کی یہ دعا اللہ تعالیٰ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس وقت بطور مثال ارشاد فرمائی ہے جب فتح مکہ کیلئے صحابہ رضی اللہ عنہم کوچ کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور انکے ساتھیوں رضی اللہ عنہم کے اسوہ حسنہ کو قابل اتباع قرار دیا ہے کہ جب انکی قوم کفر اور شرک سے باز نہ آئی تو ان حضرات نے اپنی قوم سے تمام تعلقات منقطع کر لئے اور انکے ان برے اعمال و عقائد سے برات کا اظہار کرنے لگے اور کافروں کے ساتھ عداوت اور بغض کی ابتداء ہو گئی۔ اسلام اور کفر کے چاہنے

www.freepdfpost.blogspot.com

والوں کے درمیان دشمنی شروع ہو گئی تو اس موقع پر جو دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی تھی اللہ تعالیٰ نے ان دو دعاؤں کا اس مقام پر ذکر فرمایا ہے۔

کفار کے خلاف حضرت نوحؑ کی بد دعا

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۝ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ۝

(پارہ:۲۹- سورۃ نوح کی آخری آیات)

"میرے رب' ان کافروں میں سے کوئی زمین پر بسنے والا نہ چھوڑ۔ اگر تو نے ان کو چھوڑ دیا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان کی نسل سے جو بھی پیدا ہو گا بد کار اور سخت کافر ہی ہو گا میرے رب مجھے اور میرے والدین اور ہر اس شخص کو جو میرے گھر میں مومن کی حیثیت سے داخل ہوا ہے اور سب مومن مردوں اور عورتوں کو معاف فرما دے' اور ظالموں کے لئے ہلاکت کے سوا کسی چیز میں اضافہ نہ کر۔"

حضرت نوحؑ جب ایک طویل عرصہ تک اپنی قوم کو سمجھاتے رہے اور وہ کافر اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو پھر ان الفاظ میں ان کیلئے بد دعا کی گئی۔ کافر جب اپنی سرکشی اور سازشوں میں حد سے بڑھ جائیں اور صبر کا پیمانہ لبریز ہو جائے تو پھر ان کیلئے بد دعا کرنا بھی انبیاءؑ کا طریقہ رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا بدر میں کفار مکہ کی ہلاکت کیلئے بد دعا کرنا اور اسی طرح اس قبیلے کے کافروں کے لئے بد دعا کرنا جنہوں نے ستر صحابہؓ کو شہید کر دیا تھا اور غزوہ خندق میں اپنے مخالفین کیلئے بد دعا کرنا' یہ تمام واقعات حدیث شریف کی کتابوں میں با آسانی مل جاتے ہیں۔ اس لئے یہ جو مشہور ہے کہ کافروں کو بھی بد دعا نہیں دینی چاہئے اسے اتنا عام کر دینا

درست نہیں۔ کافر جب اسلام کے درپے ہو جائے اور مسلمان اور اسلام کے خلاف اپنی قوت کو استعمال کر رہا ہو تو اس کے خلاف اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا اس کی قوت و شوکت کے ٹوٹ جانے اور اس کی ہلاکت اور بربادی کی دعا اللہ تعالیٰ سے مانگنا سنت نبویؐ سے ثابت اور اسوۃ حسنہ کی اتباع ہے۔ اللہ کے صالح اور مومن بندے ہر دور میں کفار کے خلاف بد دعا کرتے رہے ہیں۔

حضرت موسیٰؑ کی بد دعا

رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝

(پارہ:۱۱، سورۃ یونس- آیت:۸۸)

اے ہمارے رب' تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں زینت اور اموال سے نواز رکھا ہے۔ اے رب' کیا یہ اس لئے ہے کہ وہ لوگوں کو تیری راہ سے بھٹکائیں؟ اے رب' ان کے مال غارت کر دے اور ان کے دلوں پر ایسی مہر کر دے کہ ایمان نہ لائیں جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں"۔

حضرت موسیٰؑ کی یہ بد دعا بظاہر فرعون اور اس کے ماننے والوں کے خلاف ہے مگر یہاں اس دعا کو اس لئے نقل کیا گیا ہے کہ دراصل یہ بد دعا اہل حق کی طرف سے اہل باطل کے خلاف ہے۔ کفر ہر دور میں یکساں رہا ہے اگرچہ اس کی ظاہری صورت کبھی فرعون تھا' کبھی ابو جہل تھا اور کبھی آج کے دور کی طاغوتی طاقتیں اور اہل اسلام بھی ہر دور میں کفر کے خلاف نبرد آزما رہے ہیں کبھی نوحؑ کے ساتھ کشتی میں سوار ہونے والوں کی صورت میں' کبھی حضرت موسیٰؑ کے ساتھ بحیرہ قلزم عبور کرنے والوں کی صورت میں اور کبھی ایک حرم سے دوسرے حرم مدینہ

www.pdfbooksfree.pk

منورہ کی طرف ہجرت کر جانے والوں کی صورت میں رضی اللہ تعالیٰ عنہم
آج بھی کفر اپنی تمام حشر سامانیوں کے ساتھ ' رونق اور مال دنیا کے نشے میں چور ہو کر اسلام کے نام لیواؤں کے خلاف بر سر میدان ہے۔ لازم ہے کہ ہم اپنے تمام اسباب و وسائل ان کی تباہی و بربادی کو یقینی بنانے کیلئے جھونک دیں اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے ان کے خلاف مدد بھی مانگتے رہیں اور ان کی ہلاکت کیلئے بد دعا بھی کرتے رہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی دعائیں

خصت کرنے کی دعا

اَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكُمْ وَاَمَانَتَكُمْ وَخَوَاتِيْمَ اَعْمَالِكُمْ

میں تمہارے دین کو اور تمہاری صفت امانت کو اور تمہارے آخری اعمال کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔

حضرت عبداللہ الخطمی رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک لشکر کو رخصت کرتے وقت یہ تھا کہ آپ انہیں یہ دعا دے کر رخصت فرمایا کرتے تھے [1]

اس دعا میں رسول اللہ ﷺ نے صفت "امانت" کا خاص ذکر فرمایا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حقوق اور اپنی مخلوق کے جو حقوق اس انسان کے پاس امانت کے طور پر رکھے ہیں وہ انہیں صحیح طریقے پر ادا کر دے۔ کسی انسان میں یہ صفت مکمل طور سے آجائے تو وہ صحیح معنی میں ایک مثالی (IDEAL) مومن بن کر سامنے آئے گا اس لئے لشکر کو یہ دعا دی جاتی تھی کہ تمہاری اس صفت امانت کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری اس صفت کی حفاظت فرمائے۔

[1] رواہ ابو داؤد

اسی طرح رسول اللہ ﷺ سے جب کوئی ملاقات کے لئے آتا تھا اور سفر پر جانا چاہتا تھا تو روانگی سے قبل آپ کا معمول یہ تھا کہ اس انسان کو رخصت کرتے ہوئے اس کا ہاتھ اپنے دستِ مبارک میں لیتے تھے اس سے مصافحہ فرماتے اور اس کا ہاتھ اس وقت تک نہ چھوڑتے تھے جب تک کہ وہ خود نہ چھڑا لیتا۔ اور اسے بھی یہی دعا دیتے تھے

اَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكَ وَاَمَانَتَكَ وَاٰخِرَ عَمَلِكَ۔

میں تمہارے دین ' تمہاری امانت کی صفت اور اعمال کے انجام کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں وہ ان کی حفاظت فرمائے۔

سفر پر جانے اور لوٹنے کی دعا

سُبْحَانَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَ اِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ فِيْ سَفَرِنَا هٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰى وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰى اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرَنَا هٰذَا وَاطْوِ لَنَا بُعْدَهٗ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِي الْاَهْلِ وَالْمَالِ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ وَّعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمَنْظَرِ وَسُوْٓءِ الْمُنْقَلَبِ فِي الْاَهْلِ وَالْمَالِ۔

(رواہ مسلم)

پاک اور مقدس ہے وہ ذات جس نے ہماری سواری کے لئے اپنی اس مخلوق کو مسخر اور ہمارے قابو میں کر دیا ہے ' اور خود ہم میں اس کی طاقت نہ تھی کہ اپنی ذاتی تدبیر و طاقت سے اس طرح قابو یافتہ ہو جاتے (بلکہ اللہ ہی نے اپنے فضل و کرم سے ایسا کر دیا ہے) اور ہم بالآخر اپنے اس مالک کے پاس لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اے اللہ! ہم استدعا کرتے ہیں تجھ سے اپنے اس سفر میں نیکو کاری اور پرہیز گاری کی ' اور ان اعمال کی جو تیری رضا کا باعث ہوں۔ اے اللہ! اس سفر کو

رواہ الترمذی

www.ahnafmedia.com

ہم پر آسان کر دے اور اس کی طوالت کو اپنی قدرت اور رحمت سے
مختصر کر دے اے اللہ بس تو ہی ہمارا رفیق اور ساتھی ہے اس سفر میں
(اور سب سے بڑا سہارا تیری ہی رفاقت کا ہے) اور ہمارے پیچھے تو ہی
ہمارے اہل و عیال اور مال و جائیداد کی دیکھ بھال اور نگرانی کرنے والا
ہے (اس سلسلہ میں بھی ہمارا اعتقاد اور بھروسہ بس تجھ ہی پر ہے) اے
اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں سفر کی مشقت اور زحمت سے اور اس بات
سے کہ اس سفر میں کوئی غمزدہ بات دیکھوں اور اس سے کہ سفر سے
لوٹ کر اہل و عیال یا مال و جائداد میں کوئی بری بات پاؤں۔

یہ دعا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں وارد ہوئی ہے کہ نبی کریم ﷺ کا یہ معمول مبارک تھا کہ جب سفر پر جاتے تو اونٹ پر سوار ہونے کے بعد تین مرتبہ "اللہ اکبر" کہتے اور پھر یہ دعا فرماتے۔ اور جب آپ سفر سے واپس تشریف لاتے تو بھی یہ دعا فرماتے اور دعا کے بالکل آخر پر ان کلمات کا مزید اضافہ فرما دیتے۔

اٰئِبُوْنَ، تَائِبُوْنَ، عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ

ہم واپس لوٹتے ہیں توبہ کرنے والے ہیں، عبادت کرنے والے ہیں
اور ہم اپنے پروردگار کی حمد و ثنا بیان کرنے والے ہیں۔

نبی کریم ﷺ عام طور سے جہاد ہی کے سلسلے میں سفر فرمایا کرتے تھے اس لئے اس مناسبت سے یہ دعا نقل کر دی گئی ہے۔ اس دعا پر غور کیا جائے تو احساس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور اس پر اعتماد اپنی عاجزی اور کمزوری کا کس طرح اعتراف کیا گیا ہے اور ہر شر اور مصیبت سے کیسی پناہ طلب کی گئی ہے۔ ہر سفر کے آغاز اور اختتام پر یہ دعا مانگنے کا معمول بنا لینا چاہئے۔ سفر کوئی بھی ہو جہاد کا یا اس کے علاوہ اس میں مصائب و آفات سے پناہ بھی ہے اور رسول اللہ ﷺ کی سنت بھی ہے مگر افسوس ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی امت کے 99 فیصد افراد اس سنت سے بے خبر اور غافل ہیں۔

غزوہ خندق کی دعا

اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا

اے اللہ ہماری پردہ داری فرما دیجئے اور ہماری گھبراہٹ کو بے خوفی اور
اطمینان سے بدل دیجئے۔

یہ دعا مسند احمد میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ جب غزوہ خندق میں دشمنوں کی طرف سے ایک خوف کی فضا پیدا کر دی گئی اور مارے دہشت کے دل اچھل اچھل کر گلوں میں آنے لگے تو ہم نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ اللہ کے رسول اس نازک موقع پر کوئی خاص دعا تلقین فرما دیجئے جو ہم پڑھتے رہیں اور وہ دعا ہمارے لئے باعث اطمینان و سکون ہو تو آپؐ نے پھر ہمیں یہ دعا تلقین فرمائی۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ پھر یہ دعا ہم پڑھتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آندھی چلا دی۔ دشمنوں کا منہ پھر گیا اور اس آندھی ہی سے اللہ تعالیٰ نے انہیں شکست دے دی۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ جب دشمن کا خوف بڑھ جائے تو اس مبارک دعا کا ورد کرتے رہنا چاہئے۔

خطرے کے وقت کی دعا

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِيْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ

اے اللہ! ہم تجھے ان دشمنوں کے مقابلہ میں کرتے ہیں تو ان کو دفع
فرما اور ان کے شر سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب یہ خطرہ پیش آتا تھا کہ دشمن کا کوئی گروہ حملہ آور نہ ہو جائے تو آپؐ اللہ

www.ahnafmedia.com

تعالیٰ سے یہ دعا مانگا کرتے تھے۔

اس دعا میں رسول اللہ ﷺ نے کس قدر عمدہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ اے اللہ ہم آپ کو ان دشمنوں کے مقابلے میں کرتے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ کس مخلوق کی یہ ہمت ہے کہ وہ خالق کے ساتھ جنگ کر سکے۔

تفکرات اور پریشانی کے وقت کی دعائیں

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْعَظِیْمُ الْحَلِیْمُ، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ رَبُّ الْعَرْشِ الْکَرِیْمِ۔

کوئی مالک ومعبود نہیں اللہ کے سوا' وہ بڑی عظمت والا اور حلیم ہے' کوئی مالک ومعبود نہیں اللہ کے سوا' وہ رب العرش العظیم ہے' کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا' وہ رب السموات والارض اور رب العرش الکریم ہے۔

یہ روایت صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب کوئی پریشانی لاحق ہوتی تھی تو آپؐ کی زبان مبارک پر یہ کلمات جاری ہوتے تھے۔ جہاد سے پہلے اور بعد میں پوری قوم اور ملک عجیب وغریب پریشانیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اس لئے ان پریشانیوں میں جو کلمات باعث سکون ہو سکتے ہیں اور اتباع سنت کا جو صحیح راستہ اور طریقہ ہے اسے نقل کیا جا رہا ہے۔ دشمن کے حملے کا خوف' فتح یا شکست کی امید وخوف' جنگ کا انجام جانی ومالی نقصانات ملکی معیشت کی ناہمواری' گھریلو سکون کی بے سکونی میں تبدیلی اور جہاد کے علاوہ روزمرہ کی عام انسانی زندگی میں بھی انسان کو کئی ایک پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس لئے جب بھی کوئی خطرہ یا پریشانی لاحق ہو ہمیں چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد فرمودہ ان

کلمات طیبات کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے ان مسائل کے حل کی درخواست کرتے رہیں۔

ترمذی کی روایت میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ کا یہ جملہ آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب بھی کوئی فکر اور پریشانی گھیر لیتی تھی تو آپ یہ دعا فرمایا کرتے تھے۔

یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ۔

اے حی وقیوم! بس تیری رحمت سے مدد چاہتا ہوں

اور یہ بھی فرماتے تھے کہ بار بار یہ کہہ کر اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے رہو

یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ

اے بہت بلند شان اور عزت واکرام والی ذات

ہر رنج اور غم میں ان مبارک جملوں کا ورد بار بار کرتے رہنا چاہئے۔

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا بہت مشہور صحابیہ ہیں جنہوں نے پہلی ہجرت مکہ مکرمہ سے حبشہ کی تھی اور پھر حبشہ سے مدینہ طیبہ دوسری مرتبہ ہجرت کر کے تشریف لائی تھیں۔ ان کا نکاح حضرت جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا پھر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ غزوہ موتہ میں شہید ہو گئے تو ان کا نکاح حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے ہو گیا اور حضرت ابو بکر خلیفہ رسول ﷺ کے انتقال کے بعد امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح کر لیا تھا۔ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کی خدمت مبارکہ میں حاضر ہوئیں تو آپ نے فرمایا اسماء میں تمہیں ایسی دعا بتا دوں جو تم اپنی پریشانیوں میں اللہ تعالیٰ سے مانگتی رہو (اور اس سے تمہاری پریشانی حل ہو جائے) اور پھر فرمایا یہ کہا کرو۔

اَللّٰہُ اَللّٰہُ رَبِّیْ لَآ اُشْرِکُ بِہٖ شَیْئًا

اللہ اور اللہ ہی میرا پروردگار ہے میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتی۔

یہ جملہ جو انہیں تلقین فرمایا گیا ہے نبی کریم ﷺ کے کمالات نبوت کا آئینہ

www.ahnafmedia.com

دار ہے۔ کس قدر کم الفاظ میں کتنی بڑی حقیقت کا اظہار ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنی مکمل خود سپردگی بھی۔

مختلف دشواریوں اور پریشانیوں کے حل کیلئے نبی کریم ﷺ نے ایک اور دعا بھی تلقین فرمائی ہے[1] جو نسبتاً طویل ہے مگر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے جس انسان کی پریشانیاں بڑھ جائیں اور غم و فکر زیادہ ہو جائے تو وہ یہ دعا اللہ تعالیٰ سے مانگ لیا کرے اور جو بندہ بھی ان کلمات کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے گا اللہ تعالیٰ ضرور اس کے غم کو ختم فرمادے گا اور ضرور اس کی پریشانیوں کا حل کر دے گا۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ عَبْدُكَ وَ ابْنُ عَبْدِكَ وَ ابْنُ اَمَتِكَ وَفِیْ قَبْضَتِكَ نَاصِیَتِیْ بِیَدِكَ مَاضٍ فِیَّ حُكْمُكَ عَدْلٌ فِیَّ قَضَاءُكَ اَسْئَلُكَ بِكُلِّ اِسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّیْتَ بِهٖ نَفْسَكَ اَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِیْ كِتَابِكَ اَوْ اسْتَاْثَرْتَ بِهٖ فِیْ مَكْنُوْنِ الْغَیْبِ عِنْدَكَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ رَبِیْعَ قَلْبِیْ وَجِلَاءَ هَمِّیْ وَغَمِّیْ۔

اے اللہ! میں بندہ ہوں تیرا اور بیٹا ہوں تیرے ایک بندے کا اور تیری ایک بندی کا، اور بالکل تیرے قبضہ میں ہوں اور ہمہ تن تیرے دست قدرت میں ہوں، نافذ ہے میرے بارے میں تیرا حکم اور عین عدل ہے میرے بارے میں تیرا ہر فیصلہ میں تجھ سے تیرے ہر اس اسم پاک کے واسطے سے جس سے تو نے اپنی مقدس ذات کو موسوم کیا ہے یا اپنی کسی کتاب میں اس کو نازل فرمایا ہے یا اپنے خاص مخفی خزانہ غیب ہی میں اس کو محفوظ رکھا ہے، استدعا کرتا ہوں کہ قرآن عظیم کو میرے دل کی بہار بنادے، اور میری فکروں اور میرے غموں کو اس کی برکت سے دور فرمادے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے

[1] رواہ رزین

مچھلی والے پیغمبر (حضرت یونسؑ) کے متعلق ارشاد فرمایا کہ جب وہ مچھلی کا لقمہ بن کر سمندر میں پہنچ گئے تو جو دعا انہوں نے اس وقت مانگی تھی جو بھی مسلمان اپنی پریشانی اور غم میں ان کلمات کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے مانگتا رہے گا اسے ضرور قبولیت سے نوازا جائے گا اس وقت جب وہ مچھلی کے پیٹ میں تھے تو یوں دعا مانگ رہے تھے

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔

اے اللہ آپکے علاوہ کوئی معبود نہیں، آپ ہر عیب سے پاک ہیں بلاشبہ میں نادانوں میں سے ہوں۔

حضرت یونسؑ کی اس دعا اور واقعے کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں سورۃ انبیاء (پارہ 17 آیت نمبر 88، 87) میں بھی کیا ہے اور مختلف مسلمان گھرانوں میں اب بھی اس آیت کریمہ کے ذریعے مصائب اور مشکلات کے حل کیلئے دعا مانگی جاتی ہے اس کی اصل بھی یہ حدیث مبارکہ ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تمہیں کوئی مشکل اور کٹھن کام درپیش ہو تو یہ دعا مانگو

حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ

ہم کو اللہ کافی ہے اور وہی سب کام سپرد کرنے کے لئے اچھا ہے۔

اس جملے سے متعلق ملاحظہ ہو (388) وہاں یہ ذکر ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس مبارک جملے کو کہاں استعمال فرمایا تھا۔ یہ اس قدر مبارک جملہ ہے کہ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت حضرت ابراہیمؑ کو ان کی قوم کے مشرک اور بت پرست آگ میں پھینک رہے تھے

[1] رواہ الترمذی والنسائی

www.ahnafmedia.com

تو اس موقع پر جو مبارک کلمہ ان کی زبان مبارک پر تھا وہ یہی تھا۔

اس عنوان کو ہم امیر المومنین حضرت علیؓ کی اس روایت پر ختم کرتے ہیں جو انہوں نے اسی سلسلے میں نبی کریم ﷺ سے کی ہے [1] کہ آپ فرماتے تھے جب بندہ کسی سخت پریشانی اور فکر میں مبتلا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے یوں دعا کیا کرے۔

اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ اِکْفِنِیْ کُلَّ مُھِمٍّ مِنْ حَیْثُ شِئْتَ وَمِنْ اَیْنَ شِئْتَ۔

اے میرے اللہ! ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کے مالک! میری مہمات و مشکلات حل کرنے کے لئے تو کافی ہو جا اور حل کر دے جس طرح تو چاہے اور جہاں سے تو چاہے

تو جب وہ یوں دعا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی پریشانی کو حل کر کے اسے مصیبت سے ضرور نجات عطا فرمادے گا۔

کسی کے ظلم سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کی ایک دعا

کسی بھی انسان کو جب وہ اپنے اصولوں پر قائم رہتا ہے اور زندگی شرافت سے گزارنے کا تہیہ کئے ہوتا ہے بسا اوقات کسی ایسے انسان سے واسطہ پڑ جاتا ہے جو اسے تنگ کرنے پر اتر آتا ہے۔ جنگ میں اگر دشمن ظلم کر رہا ہوتا ہے تو یہاں اپنا ہی ایک بھائی دوسرے کی عزت کے درپے ہو جاتا ہے۔ اسے اپنے ظلم کا نشانہ بنانا چاہتا ہے۔ لوگ بسا اوقات کسی کے سامنے جانے سے گریز کرتے ہیں کہ فلاں صاحب تو ایسے ہیں۔ اگر ان سے سامنا ہو گیا تو وہ سختی سے یا ظلم سے پیش آئیں گے ایسے مواقع کیلئے بہت سے وظائف بھی تلقین کئے جاتے ہیں مگر نبی کریم ﷺ نے ان مواقع پر جب انسان یہ چاہتا ہو کہ خواہ مخواہ کسی کے ظلم و ستم کا نشانہ نہ بنے پڑھنے کیلئے ایک جامع دعا تلقین فرمائی ہے اور جو دعائیں آپ نے اس امت کو تلقین فرمائی ہیں اس کی کوئی دوسری مثال اس عالم رنگ و بو میں بالکل ناممکن ہے۔ جو تاثیر

[1] رواہ الخرائطی فی مکارم الاخلاق

ان میں ہے کسی اور کی دعا یا وظیفے میں کیسے آ سکتی ہے اس لئے اس دعا کو یہاں نقل کیا جا رہا ہے [1] حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کسی کو یہ خطرہ ہو کہ اس پر کوئی حاکم ظلم کرے گا تو اسے چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے یوں دعا مانگا کرے۔

اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ کُنْ لِیْ جَارًا مِنْ شَرِّ فُلَانِ ابْنِ فُلَانٍ وَشَرِّ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَاَتْبَاعِھِمْ اَنْ یَّفْرُطَ عَلَیَّ اَحَدٌ مِّنْھُمْ اَوْ اَنْ یَّطْغٰی عَزَّ جَارُکَ وَجَلَّ ثَنَاؤُکَ وَلَا اِلٰہَ غَیْرُکَ۔

اے اللہ! ہفت افلاک اور عرش عظیم کے مالک! فلاں ابن فلاں (حاکم) کے شر سے اور سارے شریر انسانوں اور جنوں اور ان کے چیلوں کے شر سے میری حفاظت فرما اور مجھے اپنی پناہ میں لے' کہ ان میں سے کوئی مجھ پر ظلم اور زیادتی نہ کر سکے۔ جو تیری پناہ میں ہے وہ باعزت ہے' تیری ثناء و صفت باعظمت ہے' تیرے سوا کوئی معبود نہیں' صرف تو ہی معبود برحق ہے۔

اس دعا میں فلاں کے جو خط کشیدہ الفاظ ہیں جب دعا پڑھتے ہوئے اس مقام پر پہنچے تو جس انسان کا خوف ہے اس کا نام لے لے اور یا پھر اس کا تصور کرے اور دعا کو ہر اس موقع پر پڑھا جا سکتا ہے جب کسی سے خوف یا ڈر محسوس ہو رہا ہو کہ وہ ظلم کا ارتکاب کرے گا یا اس کی توہین کر دے گا یا کوئی بھی ناخوشگوار صورت حال پیش آ سکتی ہو۔

جہاد کے وقت کی دعا

اَللّٰھُمَّ مُنْزِلَ الْکِتَابِ سَرِیْعَ الْحِسَابِ اِھْزِمِ الْاَحْزَابَ وَزَلْزِلْ لَھُمْ

[1] الوابل الصیب الفصل التاسع عشر ص 130

اے اللہ کتاب کے نازل فرمانے والے، بہت جلد حساب لینے والے
دشمن کی فوجوں کو شکست دے دے اور ان کے پاؤں اکھیڑ دے۔

حضرت ابن ابی اوفیؓ فرماتے تھے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ وہ کفار کے لشکر کو یہ بددعا دے رہے تھے [1]

دشمن سے مقابلے کے وقت کی دعا

جب نبی کریم ﷺ دشمن سے جنگ کا آغاز فرماتے تھے تو یہ دعا مانگا کرتے تھے [2]

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ عَضُدِیْ وَ اَنْتَ نَاصِرِیْ وَبِکَ اُقَاتِلُ۔

اے اللہ آپ ہی میری قوت ہیں اور آپ ہی میری مدد فرمانے والے ہیں
اور میں آپ کے بھروسے پر ہی ان کافروں پر حملہ آور ہوتا ہوں۔

بدر کے دن کی دعا

نبی کریم ﷺ بدر کے دن منجملہ اور دعاؤں کے یہ کلمہ بھی ارشاد فرما رہے تھے [3]

یَا مَالِکَ یَوْمِ الدِّیْنِ اِیَّاکَ اَعْبُدُ وَاِیَّاکَ اَسْتَعِیْنُ۔

اے وہ ذات جو قیامت کے دن کی مالک ہے میں تیری ہی عبادت کرتا
ہوں اور تجھ ہی سے مدد مانگتا ہوں۔

اختتام عنوان

اس عنوان کے اختتام پر وہ دعا نقل کی جاتی ہے جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے اور امام ترمذی اور ابو داؤد و سلیمان مناشعث سجستانیؒ نے اپنی اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ بہت ہی جامع دعا ہے جو رسول اللہ ﷺ نے مانگی ہے اور امت کے لئے تلقین بھی ہے۔ دشمنوں کے خلاف اللہ تعالیٰ سے مدد کی درخواست ہے۔ ان کے حیلے اور تدابیر ناکام ہو جانے کی استدعا ہے۔ اپنے لئے

---

[1] رواہ الترمذی ج 1 باب ما یقول عند لقاء العدو عند القتال [2] الوابل الصیب ص 130
[3] الوابل الصیب ص 130

ذکر، شکر، اطاعت گزاری رجوع اور توبہ کی توفیق مل جانے کو مانگا گیا ہے۔ اور ظاہر و باطن کی ہر قسم کی بیماریوں سے حفاظت اور پناہ طلب کی گئی ہے۔ دعا کے ایک ایک جملے سے کمال عبدیت کا ظہور ہوتا ہے اور یہ وہ کمال ہے جس کے اوج پر صاحب معراج ﷺ فائز تھے۔

رَبِّ اَعِنِّیْ وَلَا تُعِنْ عَلَیَّ وَانْصُرْنِیْ وَلَا تَنْصُرْ عَلَیَّ وَامْکُرْ لِیْ وَلَا تَمْکُرْ عَلَیَّ وَاھْدِنِیْ وَیَسِّرِ الْھُدٰی لِیْ وَانْصُرْنِیْ عَلٰی مَنْ بَغٰی عَلَیَّ رَبِّ اجْعَلْنِیْ لَکَ شَکَّارًا لَکَ ذَکَّارًا لَکَ رَھَّابًا لَکَ مِطْوَاعًا لَکَ مُخْبِتًا اِلَیْکَ اَوَّاھًا مُّنِیْبًا۔ رَبِّ تَقَبَّلْ تَوْبَتِیْ وَاغْسِلْ حَوْبَتِیْ وَاَجِبْ دَعْوَتِیْ وَثَبِّتْ حُجَّتِیْ وَسَدِّدْ لِسَانِیْ وَاھْدِ قَلْبِیْ وَاسْلُلْ سَخِیْمَۃَ صَدْرِیْ

(رواہ الترمذی و ابوداؤد)

اے میرے رب میری مدد فرما میرے خلاف (میرے دشمنوں کی کارروائیوں میں ان کی) مدد نہ فرما، میرے حمایت فرما (میرے مخالفین کی) میرے خلاف حمایت نہ فرما، اپنی لطیف خفیہ تدبیر میرے حق میں استعمال فرما، میرے خلاف استعمال نہ فرما مجھے ٹھیک راستے پر چلا اور صراط مستقیم پر چلتے رہنا میرے لئے آسان فرما، جو کوئی مجھ پر ظلم و زیادتی کرے اس کے مقابلے میں میری مدد فرما۔ اے پروردگار! مجھے بنا دے اپنا خوب شکر کرنے والا، خوب ذکر کرنے والا، اپنے سے بہت ڈرنے والا، سراپا اطاعت گزار اور فرمانبردار، اپنے حضور میں عاجزی اور نیاز مندی سے جھکنے والا، نرم دل اور تیری بارگاہ کرم کی طرف رجوع ہونے اور پلٹنے والا۔ اے میرے رب! میری توبہ قبول فرما لے۔ میرے گناہوں کے میل کچیل کو دھو دے میری دعا قبول فرما، میرا ایمان (جو آخرت میں میری حجت بننے والا ہے اس کو) مستحکم کر دے میری زبان کو ٹھیک چلنے والی بنا دے۔ میرے دل کو ہدایت بخش دے اور میرے سینہ سے کینہ کپٹ اور ہر قسم کی کھوٹ نکال دے۔

www.ahnafmedia.com

صلحائے امت کی مجرب آیات کریمہ

اس عنوان کے تحت وہ آیات کریمہ نقل کی جارہی ہیں جو دشمن سے حفاظت اور کسی بھی قسم کی بے سکونی کو دور کرنے کے لئے اس امت کے صالح اور برگزیدہ اہل اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا معمولی رہی ہیں۔ ان کو یاد کر کے ورد کرتے رہنا سب سے زیادہ اچھا عمل ہے یہ ذہن میں رہنا چاہئے کہ ان آیات کریمہ سے حفاظت کا ہو جانا یا سکون مل جانا قرآن وحدیث کا کوئی مسئلہ نہیں ہے بلکہ صلحائے امت کا چونکہ ایک تجربہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات کریمہ میں یہ تاثیر رکھی ہے اس لئے نقل کی جارہی ہیں۔

آیات حفاظت

حضرت ابو محمد عبداللہ بن یحییٰ الشافعی رحمتہ اللہ علیہ (المتوفی 553ھ) اپنا تجربہ نقل کیا ہے اور فرماتے ہیں کہ ایک دن میں اپنے دوستوں کے ساتھ کہیں جا رہا تھا تو ہم نے دیکھا کہ ایک بکری جو لنگڑی ہے اس کے ساتھ ایک بھیڑیا کھیل رہا ہے۔ بکری اور بھیڑیئے کو اکٹھا دیکھ کر ہمیں بہت تعجب ہوا کہ وہ اسے کچھ بھی کہہ نہیں رہا۔ تو ہم ان کے پاس چلے گئے اور ہمیں دیکھ کر بھیڑیا بھاگ گیا۔ ہم نے بکری کو پکڑ لیا اور دیکھا تو اس کے گلے میں آیات حفاظت لٹک رہی تھیں۔ [1]

آیات حفاظت قرآن کریم کی وہ 14 آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے حفاظت کا ذکر فرمایا ہے۔ ذیل میں وہ آیات لکھی جارہی ہیں انہیں پڑھنا تو سب سے بہتر ہے اور جس چیز کی حفاظت مطلوب ہو وہاں لکھ کر بھی رکھی جا سکتی ہیں۔

---

[1] حیاۃ الحیوان ج-1 ص589

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ○ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ○ وَلَا تَضُرُّوْنَهُ شَيْئًا اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ○ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ○ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ○ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ○ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ○ وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ○ وَ حِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ○ وَحِفْظًا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ○ وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ○ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ○ وَ عِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ○ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ○ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ○ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ○ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ○ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ○ اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ ○ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ○ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ○ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ○ هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ○ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ○ وَاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ ○ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ

www.ahnafmedia.com

مَّجِيْدٌ ○ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ○

آیات سکینت

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جن 6 آیات میں سکون کا ذکر فرمایا ہے انہیں آیات سکینت کہتے ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رح اور دیگر صلحاء امتؒ کا معمول تھا کہ جب وہ کسی قسم کی بے سکونی محسوس کرتے تھے تو ان آیات کا ورد کرتے تھے[1] اسی طرح جب ان سے کسی قسم کی بے سکونی کی شکایت کی جاتی تھی تو وہ ان ہی آیات کو بار بار پڑھنا بتلایا کرتے تھے۔ سکون انسانی زندگی کی متاع گرانمایہ ہے۔ بلکہ اس کے بغیر زندگی کا وجود نہ ہونے کے مترادف ہے بے سکونی کسی بھی وجہ سے ہو زندگی تلخ ہو جاتی ہے انسان بسا اوقات سکون کی تلاش میں گناہوں کی دلدل میں اترنا شروع کر دیتا ہے بے سکونی دشمنوں کی وجہ سے ہو' اپنے نفس اور شیطان کے اثر سے محسوس ہو' جوانی اور اس کے تقاضوں کی وجہ سے بے سکونی کا احساس اور گناہوں میں پڑ جانے کا خوف ہو' معیشت کی چکی میں پس رہا ہو' الغرض ہر قسم کی بے سکونی کو دور اور ختم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان آیات کریمہ میں بے پناہ سکون رکھا ہے انہیں بار بار پڑھنا چاہئے جب بھی بے سکونی کا احساس ہو اس وقت ان کا مسلسل ورد کرنا چاہئے ہر نماز سے فارغ ہونے کے بعد بھی انہیں پڑھنے کا معمول بنایا جا سکتا ہے۔ اپنی سہولت کو مدنظر رکھتے ہوئے کسی بھی طرح کا معمول بنا لینا چاہئے وہ چھ آیات سکینت یہ ہیں۔

---

[1] حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہ رح از ڈاکٹر ابو زہرہ ص 170

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○

(سُوْرَة بقرة ايت ۲۴۸)

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ج فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ط وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ط وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○ (سورة التوبة ايت ۴۰)

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ج وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ط وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ○ (سورة التوبة ايت ۲۶)

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ط وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ○ لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ط وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ○ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ

www.ahnafmedia.com

وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ط عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ج وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ط وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ○ (سورۃ الفتح ۴ تا ۶)

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ○ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ط وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ○ (سورۃ الفتح آیات ۱۷، ۱۸)

اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ط وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ○ (سورۃ الفتح آیت ۲۶)

وہ دعا جو محمد بن قاسمؒ کو تلقین کی گئی

حجاج بن یوسف اس امت کے فاسق و فاجر حکمرانوں میں سے تھا۔ قتل و خون ریزی کا دور دورہ اس کے ہاں کتنا عام تھا تاریخ کا ایک ادنیٰ طالب علم بھی اس حقیقت سے نظریں نہیں چرا سکتا۔ امام ترمذیؒ نے اپنی سنن ترمذیؒ میں اپنی اسناد سے یہ جملہ نقل کیا ہے۔ [1]

احصوا ما قتل الحجاج صبرا فبلغ مائة

الف و عشرين الف قتيل

[1] باب ماجاء فی ثقیف کذاب ومبیر

جب ان آدمیوں کا شمار کیا گیا جنہیں حجاج بن یوسف نے ظلم سے قتل کروایا تھا تو تعداد ایک لاکھ بیس ہزار (1'20'000) انسانوں تک شمار کی گئی۔

صحابہ کرامؓ کے ساتھ حقارت آمیز رویہ، انہیں شہید کروانا اور اسی قسم کے دیگر کتنے ہی جرائم تھے جن کی وجہ سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد اسے کافر کہتے تھے اور حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ کا یہ جملہ تو مسلم، ترمذی حدیث شریف کی کتابوں میں عام مل جائے گا کہ وہ فرماتی تھیں نبی کریم ﷺ نے ثقیف قبیلے میں ایک بہت بڑے جھوٹے (کذاب) کی پیشن گوئی فرمائی تھی اور وہ مختار بن ابی عبید ثقفی ہے اور ایک سخت خونریزی کرنے والے (سفاک کی خبر دی تھی اور وہ یہ حجاج بن یوسف ہے۔

حضرت اقدس شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں جہاں فاسق حکمرانوں کی مثالیں دی ہیں وہاں حجاج بن یوسف اور یزید کا ذکر کیا ہے۔

ان تمام معائب کے باوجود اس کے کئی ایک خطوط تاریخ میں ملتے ہیں جو اس نے حضرت محمد بن قاسمؒ کے نام لکھے ہیں اور انہیں مختلف نصیحتیں کی ہیں۔ محمد بن قاسمؒ کے بارے میں چند ایک غلط فہمیوں کا ازالہ نہایت ضروری ہے ایک تو یہ کہ محمد بن قاسم، حجاج بن یوسف کے حقیقی بھتیجے نہیں تھے۔ رشتہ داری کا تعلق علیحدہ بات ہے کہ وہ دونوں قبیلہ بنو ثقیف سے تعلق رکھتے تھے مگر جو بات مشہور ہے وہ غلط ہے اسی طرح محمد بن قاسم کی شادی حجاج کی بیٹی زینب سے ہوئی تھی اس کی بھی کوئی مستند روایت نہیں ملتی۔

اور ان سے بھی زیادہ غلط بات جو مشہور ہے وہ یہ کہ محمد بن قاسم نے جب ہندوستان پر حملہ کیا تو ان کی عمر سترہ سال تھی، حالانکہ ابن قتیبہ نے عیون الاخبار میں یاقوت حموی نے معجم البلدان میں اور علامہ بلاذری نے فتوح البلدان میں لکھا

www.ahnafmedia.com

ہے کہ محمد بن قاسم کو 83ھ میں فارس اور شیراز کا حکمران بنایا گیا۔ اور انہوں نے کردوں کے خلاف اعلان جنگ کیا اور سندھ اور ہندوستان اس واقعہ کے دس سال بعد (یعنی 93ھ میں) فتح ہوئے۔

ہمارے ہاں مشہور یہ ہے کہ وہ جب ہندوستان آئے تو سترہ سال کے تھے تو حساب لگائیں اس سے دس سال پہلے جب وہ کردوں کے خلاف امیر شیراز کی حیثیت سے لڑ رہے تھے تو کیا ان کی عمر سات سال تھی؟

یہ قطعاً غلط بات ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب وہ فارس اور شیراز کے حاکم تھے تو ان کی عمر سترہ سال تھی۔ دس سال بعد جب وہ برصغیر پر حملہ آور ہوئے تو وہ ستائیس سال سے کم کے نہیں تھے۔

اس سلسلے میں ان کتابوں اور مستند تواریخ کا مطالعہ کرنا چاہیئے جن کے حوالے ابھی اوپر گزرے ہیں یہ مقام اس بحث کیلئے نہ مناسب ہے اور نہ ہی ضرورت، بخوف طوالت اسے قلم انداز کرتے ہوئے اپنے مقصد کی طرف آیا جاتا ہے چونکہ تاریخی غلط فہمی کا ازالہ ضروری تھا اس لئے یہ بات جملہ معترضہ کے طور پر درمیان میں آگئی حجاج بن یوسف نے حضرت محمد بن قاسمؒ کو برصغیر کی فتوحات کے بارے میں متعدد خطوط لکھے تھے۔ علی بن حامد بن ابو بکر کی کتاب "چچ نامہ" سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد (سندھ) نے ایک مرتبہ زیور طبع سے آراستہ کی تھی اس میں ایسے کئی ایک خطوط کا سراغ ملتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ کوئی صاحب ہمت ان حقائق کی طرف متوجہ ہو اور محمد بن قاسمؒ کی ایک مستند سوانح رقم کرے۔ ان خطوط میں سے ایک طویل خط حجاج بن یوسف نے راجہ داہر پر حملہ کرنے سے پہلے جو حفاظتی تدابیر اختیار کرنی چاہئیں ان کے بارے میں اور فوج کا حوصلہ بڑھانے کی خاطر محمد بن قاسمؒ کے نام تحریر کیا ہے اسی خط میں اس نے محمد بن قاسمؒ کو ایک دعا بھی تحریر کی ہے کہ جب تم راجہ داہر پر حملہ کرو تو یہ دعا

جو میرا وظیفہ اور معمول ہے اسے پڑھتے رہو۔

محمد بن قاسمؒ نے بھی اس دعا کو پڑھا ہو گا۔ برکت کیلئے، اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلنے کیلئے اللہ تعالیٰ سے کفار کے خلاف مدد مانگنے کیلئے، محمد بن قاسمؒ نے پہلی بار ہندو قوم پر حملہ کرتے وقت جو دعا مانگی تھی شاید کہ آئندہ کبھی ہندو قوم کو رسوا کرنے کیلئے، حملے کے وقت دوبارہ کوئی اس دعا کا ورد کرے اس امید پر یہاں نقل کی جاتی ہے۔ [1]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ - اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ ذٰلِكَ بِاَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ لَكَ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ. مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَكَ اِلَّا بِاِذْنِكَ. تَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا. وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِكَ اِلَّا بِمَا شِئْتَ وَسِعَ كُرْسِيُّكَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ. وَلَا يَئُوْدُكَ حِفْظُهُمَا وَاَنْتَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ. وَ بِاَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ. بِوَجْهِكَ الْكَرِيْمِ رَبِّ الْوُجُوْهِ وَخَالِقِ الْوُجُوْهِ وَقَاهِرِ الْوُجُوْهِ وَالْقَادِرِ عَلَى الْوُجُوْهِ لَكَ الْخَيْرُ وَالْكَرَمُ وَ الْكَلِمَاتُ التَّامَّاتُ. فَارْزُقْنَا مَعَ ذٰلِكَ شُكْرًا لِّنِعْمَتِكَ وَ مَعْرِفَةً لِّحَقِّكَ وَعَمَلًا بِرِضْوَانِكَ.

اے ہمارے اللہ! ہم تیری بارگاہ میں کاسہ سوال لئے کھڑے ہیں، اس لئے کہ تو ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے والا ہے، جس پر نہ کوئی اونگھ طاری ہوتی ہے اور نہ اسے نیند آتی ہے۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سب تیری عطا ہے۔ ایسا کون ہے جو تیری اجازت کے بغیر تیرے پاس کسی کی سفارش کرے؟ جو بھی ہمارے

[1] چچ نامہ ص-194 تا 198 [2] عبارت کے سیاق و سباق کے مطابق تو یہاں یہ لفظ لا تاخذک ہونا چاہئے۔

www.ahnafmedia.com

آگے یا پیچھے ہے' اس کی تفصیل اور ماہیت کو تو ہی جانتا ہے اور تیری مشیت کے بغیر ہم تیرے علم میں سے کسی بھی چیز کو سمجھ نہیں سکتے۔ تیری حکمرانی آسمانوں اور زمین میں پھیلی ہوئی ہے اور اس کف حفاظت و نگرانی تیرے لئے ہرگز کسی قسم کی تکلیف کا باعث نہیں' تو غالب اور عظیم ہے۔ ہم اس لئے بھی تیرے حضور دست سوال دراز کرتے ہیں کہ تو واحد اور بے نیاز ہے جس نے نہ کسی کو جنا ہے اور نہ کسی سے پیدا ہوا ہے۔ اور نہ کوئی اس کے برابر کا درجہ رکھتا ہے۔ ہم اس لئے بھی تیری بارگاہ میں ہاتھ پھیلاتے ہیں کہ تو ہی سب کا پروردگار اور سب پر غالب ہے سب کا خالق اور سب پر قادر ہے' خیر و کرم کے لاتعداد خزانے تیرے ہی قبضے میں ہیں مکمل و اکمل کلمے تیری ہی ذات اعلیٰ وارفع کے ہیں ان کی وجہ سے ہمیں اپنی نعمت کا شکر ادا کرنے' معرفت حق سے بہرہ ور ہونے اور اپنی رضا کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرما۔

دو انعام

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہؐ کی بعثت مبارکہ کو اپنا انعام ارشاد فرمایا ہے۔ قول ربانی ہے۔

لقد منّ اللّٰہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم

(پارہ:۴، سورۃ ال عمران، آیت:۱۶۴)

درحقیقت اہل ایمان پر تو اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انہی میں سے ایک پیغمبر بھیجا ہے۔

کائنات پر اس انعام عظیم سے انعامات کے جھرنے پھوٹے۔ دین و دنیا کی کوئی بھلائی اور خیر ایسی نہیں جس کی راہ رسول اللہؐ نے نہ دکھائی ہو۔ نظر میں جس قدر وسعت آجاتی ہے اللہ تعالیٰ کے اس احسان پر سر مزید جھک جاتا ہے۔ مگر انسان کی عادت یہ ہے کہ جو چیز بغیر محنت کے ہاتھ آجاتی ہے عام طور سے اس کی قدر نہیں کی جاتی۔ رسول اللہؐ نے اس امت پر کیسے کیسے عظیم احسان فرمائے

ہیں۔ کتنے بلند اور عظیم مقاصد کی نشاندہی فرمائی ہے۔ کس قدر عمدہ اور اعلیٰ فکر عطا کی ہے۔ بڑی بڑی کٹھن راہوں اور منزلوں کی تسخیر کے طریقے ارشاد فرمائے ہیں مگر امت میں ان احسانات و انعامات کی قدر دن بدن کم ہوتی چلی جارہی ہے۔ ان کے حصول کیلئے اگر وقت' جان اور مال کی قربانی لی گئی ہوتی تو ان انعامات کی قدر و قیمت سے بھی آگاہی رہتی مگر مثل مشہور ہے "مال مفت دل بے رحم"۔

وہ عظیم نعمتیں جو رسول اللہؐ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہیں ان میں سے فقط دو کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے۔ ایک صلوٰۃ استخارہ اور دوسری صلوٰۃ حاجت۔

صلوٰۃ استخارہ

سب سے پہلے اس نماز کی حقیقت سمجھنی چاہئے اور پھر اس کے بعد وضاحت۔

صلوٰۃ استخارہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ نماز جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے مشورہ طلب کیا جاسکے۔ صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہؐ ہمیں تمام معاملات میں اس طرح استخارہ کرنے کا طریقہ سکھلاتے تھے جس طرح وہ ہمیں قرآن کریم کی سورتوں کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کے ہر معاملے میں استخارہ کرتے رہنا چاہئے۔ جب بھی کوئی کام درپیش ہو تو اللہ تعالیٰ سے مشورہ لینا چاہئے کہ آیا یہ کام کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ اس لئے کہ انسان کا علم ناقص ہے۔ بسا اوقات وہ ایک کام کرنے میں خیر محسوس کرتا ہے اس کے لئے کوشش بھی کرتا ہے اور تمام تر تگ و دو کے بعد جب کام ہو جاتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے جس قدر بھی کاوش و کوشش کی تمام تر بے سود ثابت ہوئی اور اسی طرح اس کے برعکس بھی ہوا کرتا ہے کہ انسان کسی کام سے بچنے کی پوری سعی کر لیتا ہے مگر وہ کام پیش آکر کے رہتا ہے۔ پھر اس کے نتائج یہ بتلاتے ہیں کہ اس کام میں کس قدر نفع تھا۔ سو انسان کا علم تو

www.ahnafmedia.com

اتنا ناقص ہے کہ اپنے لئے کبھی جسے خیر سمجھتا ہے اس میں شر مضمر ہوتا ہے اور جسے شر سمجھتا ہے اس میں خیر کے پہلو نمایاں ہوتے ہیں اس لئے ہر کام میں اللہ تعالیٰ سے مشورہ لینا چاہئے کہ کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا علم کامل ہے اور ظاہر ہے کہ جب وہ کسی کام کی طرف رہنمائی فرماتے ہیں تو اس میں یقیناً خیر ہوتی ہے۔ حضرت قتادہؓ فرماتے تھے کہ جب بھی کسی نے اللہ تعالیٰ سے مشورہ کیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی بہترین کاموں کی طرف رہنمائی کی ہے۔

یہ رہنمائی کس طرح کی جاتی ہے؟ حدیث شریف میں اس کی طرف کوئی اشارہ نہیں ملتا مگر بعض حضرات کا تجربہ یہ بتلاتا ہے کہ خواب میں کسی غیبی اشارے کے ذریعے بسا اوقات رہنمائی ہو جاتی ہے۔ بعض طبائع کو خواب سے مناسبت ہی نہیں ہوتی اس لئے انہیں کوئی خواب دکھائی نہیں دیتا۔ تو یہ سمجھنا کہ استخارہ سے ضرور خواب آئے گی، غلط ہے۔ قرآن وحدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔ کسی انسان کو کچھ دکھائی دے اور پھر وہ اس کی تعبیر سے کچھ صحیح مطلب اخذ کرے اس کا انکار بھی نہیں کیا جا سکتا مگر یہ سمجھنا کہ استخارہ کے بعد خواب ضرور آتے ہیں قطعاً غلط ہے۔ شامی میں اسی لئے اس مسئلے کے متعلق یہ عبارت لکھی گئی۔ [1]

و فی شرح الشرعة المسموع من المشائخ انه ینبغی ان یتام علی طهارة مستقبل القبلة بعد قراة الدعا المذکور فان رای فی منامه بیاضا او خضرة فذلک الامر خیر، وان رای فیه سوادا او حمرة مخصوصة ینبغی ان یجتنب اهـ

[1] رد المحتار ج 2 ص 26 مطلب فی رکعتی الاستخارہ

"شرح الشرعتہ" میں ہے کہ بعض مشائخ سے یہ سنا گیا ہے کہ دعائے استخارہ پڑھنے کے بعد بحالت پاکیزگی قبلہ کی طرف منہ کر کے سو جائے اور اگر وہ خواب میں سفیدی یا سبز رنگ کو دیکھتا ہے تو اس کام کے کر لینے میں بھلا ہے اور اگر اس میں سیاہی یا سرخی کو دیکھتا ہے تو اس کام میں شر ہے۔ مناسب یہ ہے کہ اس سے بچا جائے۔

اس عبارت میں بھی صرف یہ کہا گیا ہے کہ اگر وہ خواب دیکھتا ہے تو یہ اشارہ ہو سکتا ہے اور اگر اسے خواب ہی نظر نہ آئے تو کیا یہ استخارہ غلط ہے؟ حدیث شریف میں ان تمام امور کا کوئی ذکر نہیں۔ عوام الناس نے جن بہت سے غلط فہمیوں میں پڑھ کر اس سنت مبارکہ کو ترک کر دیا ہے اس میں سے ایک یہ خواب کا معاملہ ہے حالانکہ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر کسی کو خواب نظر آجائے تو وہ اشارہ غیبی قرار دیا جا سکتا ہے اور اگر نہ نظر آئے تو بھی استخارہ کی دعا پڑھتے رہنا چاہئے۔

دوسرا طریقہ اس اشارہ غیبی کا یہ بھی ہوتا ہے کہ جس کام کیلئے استخارہ کیا جاتا ہے اس کام میں اگر خیر ہوتی ہے تو اس کے اسباب خود بخود بنتے چلے جاتے ہیں۔ اور وہ کام بخیر و خوبی انجام پا جاتا ہے اور اگر اس کام میں خیر نہیں ہوتی تو پھر اس کے اسباب یا تو بنتے ہی نہیں اور اگر بنتے بھی ہیں تو انجام کار کام مکمل نہیں ہو پاتا۔

اشارہ غیبی کا تیسرا ذریعہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب کسی کام کیلئے استخارہ شروع کیا جائے تو دل کی توجہ اور اس کام کے کرنے کا شوق و جذبہ بڑھ جاتا ہے کیونکہ اس کام میں خیر ہوتی ہے اور بسا اوقات دل بالکل اس کام سے ہٹ جاتا ہے اور بہر حال دعائے استخارہ کے بعد اس کام سے متعلق خواب (بشرطیکہ نظر آئے) اسباب کا بننا اور بگڑنا یا دل کا جذبہ اس کام کے کرنے یا بچنے سے متعلق ان تمام کیفیات کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اور اس دعائے استخارہ کا نتیجہ سمجھنا چاہئے۔ شیخ الاسلام

www.ahnafmedia.com

ابن تیمیہ نوراللہ مرقدہ کا قول ابن قیم رحمتہ اللہ علیہ نے "الوابل الصیب" میں نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا جو آدمی اللہ تعالیٰ سے مشورہ کرکے پھر کام کرتا ہے اسے اس کام میں پھر شرمندگی نہیں اٹھانی پڑتی۔

منگنی، شادی، نکاح، سفر، خرید و فروخت ہر جائز کام میں اللہ تعالیٰ سے صلاح لینا (اور اسے ہی استخارہ کہتے ہیں) درست ہے۔ ہر وہ کام جس کی دونوں شقیں کرنا یا نہ کرنا درست ہو اس میں استخارہ کرنا درست ہے۔ مثلاً یہ استخارہ کرنا کہ فلاں جگہ نکاح کروں یا نہ کروں، فلاں مکان، زمین، جائیداد خریدوں یا نہ خریدوں، فلاں مدرسے میں تعلیم حاصل کی جائے یا فلاں مدرسے میں الغرض جس کام میں دونوں پہلو برابر ہوں وہاں استخارہ ضرور کرلینا چاہئے۔ نیکی کے کاموں میں استخارہ کرنا کہ یہ نیکی کروں یا نہ کروں درست نہیں ہے۔ مثلاً حج کروں یا نہ کروں اس میں استخارہ جائز نہیں البتہ یہ استخارہ ہو سکتا ہے کہ فلاں جہاز پر جاؤں یا فلاں جہاز پر فلاں تاریخ کو سفر کروں یا فلاں تاریخ کو یہ درست ہے۔

الغرض جائز اور مباح امور میں استخارہ کرنے کی عادت ڈالنی چاہئے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا انسان کی خوش قسمتی کے کاموں میں سے یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے مشورہ طلب کرے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی اور خوش بھی رہے اور انسان کی بدنصیبی ہے کہ وہ کوئی کام کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے مشورہ نہ لے اور پھر اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر ناخوش اور ناراض بھی ہو۔

عوام الناس میں ایک بات یہ بھی مشہور ہے کہ کسی نیک انسان سے استخارہ کرانا چاہئے۔ مگر انسان کو خود استخارہ کرنا چاہئے۔ اپنے مقصد کیلئے جس لگن اور جس درد سے انسان خود دعا مانگتا ہے کسی اور کے ہاں یہ بات ہونا مشکل ہے اور پھر غور کرنا چاہئے کہ رسول اللہؐ نے ہر انسان کو خود استخارہ کرنے کا حکم ارشاد فرمایا

ہے نہ کہ کسی اور سے استخارہ کرانے کا۔ اگر معاملہ یوں ہی ہوتا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنے مختلف مقاصد کیلئے نبی کریمؐ کی طرف رجوع فرماتے۔ مگر صاف طور سے معلوم ہے کہ ایسے نہیں ہوا اس لئے استخارہ خود کرنے کی عادت ڈالنی چاہئے۔

استخارہ ایک مرتبہ کرنے سے اگر صورتحال واضح نہ ہو اور دل کا خلجان اور تردد قائم رہے تو دوسرے دن پھر ایسے ہی کرنا چاہئے پھر بھی اگر صورتحال واضح نہ ہو تو سات دن تک استخارہ کرنا چاہئے۔ ابن عابدین رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالکؓ کی روایت ذکر کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر ایک مرتبہ استخارہ سے دل کو اطمینان نہ ہو تو سات مرتبہ استخارہ کرنا چاہئے۔ پھر دل کے رجحان کو دیکھے کہ کس طرف ہے اور وہ کام کرے اور اگر سات مرتبہ استخارہ کرنے میں نماز نہ پڑھ سکے تو دعا پر اکتفا کرلینا بھی درست ہے۔ [1]

یہ مسئلہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ایک جانب رجحان ہونے کے بعد اس پر عمل کرنا بہتر ہے لیکن اگر دوسری جانب عمل کرلیا جائے تو جائز ہے۔ [2] بسا اوقات سات دن تک بھی استخارہ کرنے سے اطمینان نہیں ہوتا تو اس صورت میں زیادہ دن بھی استخارہ کیا جا سکتا ہے حتیٰ کہ صورت حال واضح ہو جائے۔

استخارہ کرنے کے دو طریقے ہیں۔

ایک تو یہ کہ ترمذی شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا نقل کی گئی ہے جس سے استخارہ کا مطلب حاصل ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کام کا ارادہ فرماتے تھے تو یہ دعا مانگتے تھے۔ [3]

---

[1] ردالمحتار ج 2، ص 227 [2] امداد الاحکام ج 1، ص 524

[3] سنن ترمذی ج۔ 2، ص 191 کتاب الدعوات

www.ahnafmedia.com

اَللّٰھُمَّ خِرْ لِیْ وَ اخْتَرْ لِیْ

اے اللہ میرے لئے (اچھے کام کا) انتخاب فرمادیجئے اور میرے لئے (بہتر چیز کا) چناؤ کر دیجئے۔

مراد یہ ہے کہ اے اللہ دونوں کاموں میں سے یا دونوں چیزوں میں سے جو اچھی چیز اور کام ہے وہ میرا مقدر فرمادیجئے۔

اسی دعا کو بار بار مانگتے رہنا چاہئے۔ اس کی قبولیت سے بھی مقصد استخارہ حاصل ہوجاتا ہے۔ استخارہ کی دعا مانگنے سے پہلے دعا کے دوسرے آداب بھی ملحوظ خاطر رکھنے چاہئیں یعنی یہ کہ اس دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اول و آخر پر درود شریف اور دل کو متوجہ کر کے یہ دعا مانگنی چاہئے۔

استخارہ کرنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اپنے تمام معاملات میں استخارہ کرنے کا طریقہ اسی اہتمام اور توجہ کے ساتھ سکھلاتے تھے جس اہتمام اور توجہ کے ساتھ قرآن کریم کی سورتوں کی تعلیم فرماتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جب تم میں سے کوئی شخص کسی کام کا ارادہ کرے (اور اس کے انجام کے بارے میں متفکر ہو تو اس کو اس طرح استخارہ کرنا چاہئے) پہلے دو رکعت نفل پڑھ لے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس طرح عرض کرے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ وَاَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ وَاَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ۔

اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَ

عَاقِبَۃِ اَمْرِیْ فَاقْدُرْہُ لِیْ وَیَسِّرْہُ لِیْ ثُمَّ بَارِکْ لِیْ فِیْہِ وَاِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَۃِ اَمْرِیْ فَاصْرِفْہُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْہُ وَاقْدُرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ کَانَ ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِہٖ۔

اے اللہ میں تجھ سے تیری صفت علم کے وسیلہ سے خیر اور بھلائی کی رہنمائی چاہتا ہوں، اور تیری صفت قدرت کے ذریعے سے تجھ سے قدرت کا طالب ہوں، اور تیرے عظیم فضل کی بھیک مانگتا ہوں، کیونکہ تو قادر مطلق ہے اور میں بالکل عاجز ہوں اور تو علیم کل ہے اور میں حقائق سے بالکل ناواقف ہوں، اور تو سارے غیبوں سے بھی باخبر ہے پس اے میرے اللہ! اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لئے بہتر ہو، میرے دین، میری دنیا اور میری آخرت کے لحاظ سے تو اس کو میرے لئے مقدر کر دے اور آسان بھی فرمادے اور پھر اس میں میرے لئے برکت بھی دے۔ اور اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لئے برا ہے (اور اس کا نتیجہ خراب نکلنے والا ہے) میرے دین، میری دنیا اور میری آخرت کے لحاظ سے تو اس کام کو مجھ سے الگ رکھ اور مجھے اس سے روک دے اور میرے لئے خیر اور بھلائی کو مقدر فرمادے، وہ جہاں اور جس کام میں ہو، پھر مجھے اس خیر والے کام کے ساتھ راضی اور مطمئن کر دے۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کام کے بارے میں استخارہ کرنے کی ضرورت پیش آئی ہے، دعا مانگتے ہوئے اس ضرورت کا بھی ذکر کرے۔[1]

طریقہ یہ ہے کہ وضو کر کے دو رکعت نماز نفل پڑھے جبکہ نفل نماز کے ممنوع

[1] صحیح بخاری

www.ahnafmedia.com

یا مکروہ اوقات نہ ہوں' اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کرے۔ حمد وثناء کے لئے نماز میں پڑھی جانے والی ثناء' رکوع اور سجدے کی تسبیحات یا نماز کے بعد کی تسبیحات بھی کافی ہو جائیں گی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجے اور پھر یہ دعا مانگے جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ابھی گزری ہے اس دعا کے عربی الفاظ جو خط کشیدہ (UNDER LINE) ہیں جب دعا مانگتے ہوئے ان دو مقامات پر پہنچے تو یا تو جس مقصد کے لئے استخارہ کر رہا ہے وہ مقصد بیان کر دے اور یا پھر ذہن میں اسے سوچ لے اور پھر بقیہ دعا مانگ کر درود شریف پڑھ لے۔

اگر رات سونے سے پہلے یہ استخارہ کر رہا ہے تو پھر اس کے بعد قبلہ رخ ہو کر سو جانا بہتر ہے اور اگر کسی اور وقت میں کر رہا ہے تو یہ دعا مانگ لینا ہی کافی ہے اگر کئی مرتبہ استخارہ کرنا پڑ جائے تو ہر مرتبہ نماز اور حمد وثناء اور دعا کے آغاز اور اختتام پر درود شریف پڑھ کر ہی یہ دعا مانگنا افضل ہے لیکن اگر یہ ممکن نہ ہو تو حمد وثناء کے بعد اس دعا کے اول و آخر پر درود شریف ملا کر فقط یہ دعا مانگ لینا بھی جائز ہے۔ یہ نماز اور دعا اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اس امت پر کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس انعام کی صحیح قدر اور مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

2- صلاۃ الحاجۃ

دوسرا بڑا انعام جو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اس امت کو نصیب فرمایا وہ نماز ہے۔ مشکلات ومصائب انسانی زندگی کے لوازمات میں سے ہیں۔ ہر آنے والا دن نئی پریشانی اور تکلیف لے کر طلوع ہوتا ہے۔ پھر کبھی ایک ہی پریشانی کئی پریشانیوں کو جنم دیتی ہے اور کبھی وہ خود اتنی طویل ہو جاتی ہے کہ انسان اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز آ جاتا ہے۔

انسانی فطرت کا یہ بھی خاصہ ہے کہ وہ مشکل اور آڑے وقت پر مصائب اور تکالیف کا حل ڈھونڈتا ہے اگر یہ خاصہ نہ ہوتا تو نسل انسانی کب کی دنیا سے فنا ہو گئی ہوتی اس لئے ہر مشکل اور پریشانی کا حل تلاش کرنا ایک فطری تقاضا ہے۔ اس فطری تقاضے کی تسکین کا ایک ہی حل ہے اور وہ یہ کہ ہر مشکل اور پریشانی میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگی جائے۔ اپنی تکالیف مالک حقیقی کے سامنے بار بار عرض کی جائیں اور ان کے حل کی درخواست کی جائے۔ اس طرح ایک تو مشکلات کا حل ملتا ہے اور دوسرے اللہ تعالیٰ پر ایمان بڑھتا چلا جاتا ہے کہ مشکل اور آڑے وقت میں مدد کرنا اسی ذات مقدسہ کا کام ہے اسی کے حل کرنے سے مصائب حل ہوتے ہیں۔ وہی جب پریشانیوں کو دور کرتا ہے تو وہ دور ہوتی ہیں وہی جب مدد کرنے کا فیصلہ فرما لیتے ہیں تو یہ عالم اسباب حرکت میں آتا ہے اور جب وہ مدد نہ کرنا چاہیں تو کسی کی ہمت اور مجال نہیں کہ وہ ان کی بارگاہ مبارکہ میں کوئی دخل دے سکے۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد احادیث میں اس قسم کے جملے ملتے ہیں کہ آپ نے ہر ضرورت اور حاجت میں اللہ تعالیٰ ہی سے مانگنے کا حکم دیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا عمل مبارک بھی یہی تھا کہ وہ ہر مشکل میں اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگتے تھے' بدر کے میدان میں جس درد سے آپ نے مدد کے لئے التجا کی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے سجدہ میں سر رکھ کر بار بار مدد کی درخواست فرماتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں کئی بار رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کے لئے گیا مگر ہر مرتبہ یہی دیکھا کہ سر اقدس سجدے میں ہے اور زبان مبارک سے بار بار " یا حی یا قیوم " کا ورد فرما رہے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں نے کبھی کسی کو اس عاجزی اور دردمندی کے ساتھ دعا کرتے نہیں دیکھا جتنا کہ رسول اللہ صلی اللہ

www.ahnafmedia.com

علیہ وسلم کو بدر کے دن میدان جنگ میں عاجزی اور درد سے دعا کرتے دیکھا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی ہر مشکل میں اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگتے تھے۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگتے دیکھا تھا اس لئے وہ اسی طریقہ کار پر ہمیشہ عمل پیرا رہے۔

جب یہ بات واضح ہو گئی کہ ہر مشکل میں اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگنی چاہئے تو اس مانگنے کا شریعت نے کیا طریقہ سکھلایا ہے؟

ہمارے دور میں جب کوئی مصیبت آجاتی ہے تو گھروں میں "ختم" کروائے جاتے ہیں قرآن مجید کی کئی ایک سورتیں کوئی خاص عدد متعین کر کے پڑھوائی جاتی ہیں۔ تعویذ لئے جاتے ہیں اور حتیٰ کہ بسا اوقات خلاف شریعت "ورد" کرنے میں بھی کوئی قباحت نہیں سمجھی جاتی مگر وہ کام جس کی طرف بہت کم توجہ رہ گئی ہے وہ "نماز" ہے اور وہ طریقہ ہے جس کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے تھے۔

ان مروجہ طریقوں میں سے بہت سے طریقے مباح ہیں۔ بعض کی اصل سنت سے ثابت ہے اس لئے ان کا انکار کرنا مقصود نہیں۔ مقصد صرف اتنا سا ہے کہ مباح کاموں کے مقابلے میں ایک سنت ثابتہ کو زندہ کیا جائے اور اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگنے کا کام اور وہ طریقہ جس کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا سکھلایا ہے' ان دونوں کاموں کی اہمیت دل و دماغ پر واضح کی جائے

نماز کے ذریعے کیسے مدد مانگی جائے اس کا تفصیلی طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت کو تعلیم فرمایا ہے۔

عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کی روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بھی تمہیں کوئی مشکل اور پریشانی پیش آجائے اور

اس پریشانی کا تعلق خواہ اللہ تعالیٰ سے ہو اور خواہ کسی دوسرے انسان سے تو تمہیں چاہئے کہ وضو کرو اور خوب اچھی طرح وضو کرو۔ اس کے بعد دو رکعت نماز پڑھو۔ پھر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور درود شریف پڑھو اور پھر اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ دعا مانگ لیا کرو۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَّالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ لَا تَدَعْ لِيْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًا اِلَّا قَضَيْتَهَا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ○

اللہ کے سوا کوئی مالک و معبود نہیں۔ وہ بڑے حلم والا اور بڑا کریم ہے۔ پاک اور مقدس ہے وہ اللہ جو عرش عظیم کا بھی رب اور مالک ہے' ساری حمد و ستائش اس اللہ کے لئے جو سارے جہانوں کا رب ہے اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ان اعمال اور ان اخلاق کا جو تیری رحمت کا موجب اور وسیلہ اور تیری مغفرت اور بخشش کا پکا ذریعہ بنیں اور تجھ سے طالب ہوں ہر نیکی سے فائدہ اٹھانے اور حصہ لینے کا اور ہر گناہ مصیبت سے سلامتی اور حفاظت کا۔ خداوندا! میرے سارے ہی گناہ بخش دے اور میری ہر فکر اور پریشانی دور کر دے۔ اور میری ہر حاجت جس سے تو راضی ہو اس کو پورا فرما دے اے ارحم الراحمین سب مہربانوں سے بڑے مہربان!!

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہم نے اپنی نہایت عمدہ اور قابل قدر تصنیف "معارف الحدیث" میں اس دعا کی جو تشریح کی ہے نہایت جامع اور واضح

www.ahnafmedia.com

ہے۔ فرماتے ہیں [1]

"یہ ایک حقیقت ہے جس میں کسی مومن کیلئے شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ مخلوقات کی ساری حاجتیں اور ضرورتیں اللہ کے اور صرف اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں اور بظاہر جو کام بندوں کے ہاتھوں سے ہوتے دکھائی دیتے ہیں دراصل وہ بھی اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں اور اسی کے حکم سے انجام پاتے ہیں اور صلوٰۃ حاجت کا جو طریقہ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں تعلیم فرمایا ہے وہ اللہ سے اپنی حاجتیں پوری کرانے کا بہترین اور معتمد ترین طریقہ ہے اور جن بندوں کو ان ایمانی حقیقتوں پر یقین نصیب ہے ان کا یہی تجربہ ہے اور انہوں نے "صلوٰۃ حاجت" کو خزائن الٰہیہ کی کنجی پایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں ان حاجتوں کیلئے بھی "صلوٰۃ حاجت" تعلیم فرمائی ہے جن کا تعلق بظاہر کسی بندے سے ہو اس کا ایک خاص فائدہ یہ بھی ہے کہ جب بندہ اپنی ایسی حاجات کیلئے بھی "صلوٰۃ حاجت" پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعا کرے گا تو اس کا یہ عقیدہ اور یقین اور زیادہ مستحکم ہو جائے گا کہ کام کرنے اور بنانے والا اور اصل وہ بندہ نہیں ہے، نہ اس کے اختیار میں ہے بلکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے اور وہ بندہ اللہ تعالیٰ کا صرف آلہ کار ہے"۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان ہر دو انعامات کی قدر نصیب فرمائے اپنے ہی سے مدد مانگنے کی توفیق دے نماز کے اس طریقے کو اپنے خزانے کی چابی بنا کر ہماری ہر مشکل کے لئے حل بنادے اور اپنی رضا اور رسول اللہ ﷺ کی سنت مبارکہ کا اتباع کا نصیب فرمائے۔

والحمد اللہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات

وصلے اللہ تعالی علی خیر خلقہ سیدنا محمد وعلی اصحابہ واہلہ واز واجہ واتباعہ وذریتہ ومن تبعھم باحسان اجمعین الی یوم الدین برحمتک یا ارحم الرحمن

---

[1] ج3، ص364۔